تفسیر سورۃ آل عمران

سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : ”قرآنًا عَجَبًا“ [سورہ آل عمران]

مؤلفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : اگست 2016

تعداد : 1000

ناشر : النورانٹرنیشنل

لاہور : 36J گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

فون نمبر : 0423-35851301 0336 4033045

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی، نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی

021-35292341-42 03364033034

فیصل آباد : 121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

041-8759191 03364033050

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi
Alnoor international

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب وذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال وجواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

وَمَآ اَدْرٰاکَ مَا سَقَرُ (27)

''تم کیا جانو کیا ہے وہ دوزخ؟''

پھر اگلی ہی آیت میں جواب دیا جاتا ہے:

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (28-30)

''نہ باقی رکھے نہ چھوڑے، کھال جھلس دینے والی، اُنیس کارکن اِس پر مقرر ہیں۔''

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

وَمَآ اَدْرٰاکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (12-17)

''اور تم کیا جانو کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑا دینا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا) پر رحم کی تلقین کی۔''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے، پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : أَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِهٖ أَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ مَّالِهٖ ؟

قَالُوْا : یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ! مَا مِنَّا أَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ أَحَبُّ اِلَیْهِ ؟

قَالَ : فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَآ أَخَّرَ (صحیح بخاری:6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''
انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''
آپ ﷺ نے فرمایا:
''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا) اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآنِ حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قـرآنًا عَجَبًا** کے نام سے مرتّب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات [points] کی صورت میں ان کا جواب قرآنِ حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات tips پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے:

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (البقرة:32)
''پاک تو آپ (اللہ تعالیٰ) ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔''

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیے۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

دُعاؤں کی طلب گار
نگہت ہاشمی

آیاتھا ۲۰۰ ۳ سورۃ آل عمران مدنیۃ ۸۹ رکوعاتھا ۲۰

سوال1: اس سورۃ کا نام آل عمران کیوں ہے؟

جواب: اس سورۃ میں ایک جگہ پر آل عمران کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی کو سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

سوال2: سورۃ کی آیات اور رکوعات کی تعداد لکھیں نیز یہ بھی بتائیں کہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟

جواب: اس سورۃ کی 200 آیات ہیں اور یہ 20 رکوعات پر مشتمل مدنی سورت ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن قرآن مجید اوران لوگوں کو جو اس پر عمل کرنے والے تھے،لایا جائے گا۔ان کے آگے سورۃ البقرہ اور آل عمران ہوں گی۔''رسول اللہ ﷺ نے ان سورتوں کے لیے تین مثالیں ارشادفرمائی ہیں جنہیں میں اب تک نہیں بھولا، وہ اس طرح سے ہیں جس طرح کے دو بادل ہوں یا دوسیاہ سائبان ہوں اور ان دونوں کے درمیان روشنی ہو یا صف بندھی ہو، پرندوں کی دو قطاریں ہوں، وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی۔(صحیح مسلم: 1876)﴿2﴾ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کرآئے گا اور دو روشن سورتوں کو پڑھا کرو: سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کیونکہ یہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے کہ دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا دو اڑتے ہوئے پرندوں کی قطاریں ہوں اور اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گے۔سورۃ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کو حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔''(صحیح مسلم:1874)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿الٓمّٓ(1)﴾

''ا۔ل۔م''(1)

سوال: ﴿الٓمّٓ﴾ ''ا۔ل۔م'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ حروف مقطعات ہیں یعنی کٹے ہوئے حروف۔ان کی مراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ان پر ایمان لانا فرض ہے۔

ان کے معانی کی کھوج میں نہیں پڑنا چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے ان حروف کی کوئی تفسیر بیان نہیں کی۔

﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (2) ﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔''(2)

سوال1: ﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس جملے میں نفی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہو اور اثبات اس بات کا ہے کہ ہر قسم کی الوہیت اور عبودیت کے حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ ﴿2﴾ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کسی قسم کی عبادت نہ کی جائے۔اس کے سوا نہ کسی کے لیے قیام ہے، نہ رکوع، نہ سجدہ، نہ قربانی، نہ نذر و نیاز۔ ہر حالت میں صرف اسی سے دعا کی جائے، اس کے سوا کسی سے دعا نہ کی جائے، صرف اسی کے گھر بیت اللہ کا طواف کیا جائے، صرف اسی کی قسم کھائی جائے، صرف اسی کی غیر مشروط حاکمیت تسلیم کی جائے۔اس کی عبادت میں کوئی اس کا ساجھی، شریک اور مدمقابل نہیں ہے۔ ﴿3﴾ اس سورت کی شروع کی اسی (80) سے زیادہ آیات عیسائیوں سے مباحثہ اور ان کے مذہب کی تردید اور انہیں سچے دین یعنی اسلام کو قبول کرنے کی دعوت پر مشتمل ہیں۔جس طرح سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات یہود سے مناظرہ پر مشتمل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اپنی الوہیت کے اعلان سے شروع کی ہے۔اس نے بتایا ہے کہ وہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔عبادت صرف اسی کی اور اسی کے لیے ہونی چاہیے۔لہٰذا اس کے سوا جس معبود کی بھی پوجا کی جاتی ہے وہ باطل ہے۔اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے جو الوہیت کی تمام صفات سے موصوف ہے جن سب کا تعلق حیات اور قیومیت کی صفات سے ہے۔ (تفسیر سعدی:338,337/1)

سوال2: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: **افضل ذکر لا الہ الا اللّٰہ** ہے۔(سنن نسائی:10599) ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کبھی بھی بندہ کبائر سے اجتناب کرتے ہوئے اخلاص سے **لا الہ الا اللّٰہ** کہتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ (کلمہ توحید) عرش تک پہنچ جاتا ہے۔''(ترمذی:3824) ﴿3﴾ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔''(مسلم:47)

سوال3: اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿ الْحَیُّ ﴾ ''ہمیشہ زندہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿الْحَيُّ﴾ ''ہمیشہ زندہ ہے'' سے مراد ہے: ﴿1﴾ وہ ذات کہ جس کی زندگی ذاتی اور دائمی ہے یعنی انہیں کسی اور نے زندگی نہیں دی۔ دائمی زندگی سے مراد ہے کہ ان کی زندگی میں تسلسل اور دوام ہے۔ نہ پہلے اور نہ کبھی بعد میں، کبھی زوال نہیں ہے۔ ﴿2﴾ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں اسم مبارک ﴿الْحَيُّ﴾ تمام صفات کمال کو لازم کر دیتا ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: 311/18) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کو عظیم ترین اور کامل ترین حیات کی صفات حاصل ہیں، جو ان تمام صفات کو مستلزم ہیں جن کے بغیر صفات حیات کی تکمیل نہیں ہوتی مثلاً سمع و بصر، قدرت، قوت، عظمت، بقا، دوام اور غلبہ۔ (تفسیر سعدی: 338/1)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿الْقَيُّوْمُ﴾ ''ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿الْقَيُّوْمُ﴾ ''ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے'' سے مراد ہے: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کی تخلیق، رزق، دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہر چیز کا وجود، بقا اور تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔ ﴿2﴾ القیوم کا مطلب ہے کہ وہ خود بخود قائم ہے لہٰذا تمام مخلوقات سے بے پرواہ ہے اور وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس لیے تمام مخلوقات وجود میں آنے، تیار ہونے اور ترقی کرنے میں اس کی محتاج ہیں۔ وہی تمام مخلوقات کا مدبر اور ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ جسموں، روحوں اور دلوں کے تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی قیومیت اور رحمت کی بنا پر اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر وہ کتاب نازل کی جو سب سے عظیم کتاب ہے۔ (تفسیر سعدی: 338/1) ﴿3﴾ شیخ عبدالرحمٰن سعدی رضی اللہ عنہ نے لکھا: ''بلاشبہ سب صفات افعال ﴿الْقَيُّوْمُ﴾ میں داخل ہیں کیونکہ القیوم وہ ہیں جو خود بخود قائم ہیں اور اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہیں انہوں نے ساری موجودات کو قائم کیا، انہیں وجود میں لائے انہیں باقی رکھا اور انہیں اپنے وجود کی بقا کے لیے جو کچھ درکار رہے وہ مہیا فرمایا۔'' (تیسیر الکریم الرحمٰن: 202/1) ﴿4﴾ کائنات کی ہر چیز کا قیام صرف اللہ رب العزت کے ساتھ ہے۔ وہ کمزور کو برقرار رکھتا ہے تو اسے کوئی گرا نہیں سکتا اور طاقت ور کو ہٹا اور مٹا دے تو اسے کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت القیوم میں کمزور اور ضعیف کے لیے حقیقی اطمینان ہے کہ جب معاملہ رب قیوم کے ساتھ ہے تو ساری کائنات مل کر بھی گرا نہیں سکتی۔ اس میں طاقت ور کے لیے تنبیہہ ہے کہ سارا زور اور قوت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، پھر وہ چاہے تو نشان بھی مٹ جائے۔ ﴿6﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ۔ تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی معبود تیرے سوا نہیں، تیری ایسی ذات ہے جسے موت نہیں اور جن و انس فنا ہو جائیں گے۔ (صحیح بخاری: 7383)

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (3) ﴾

''اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے تورات اور انجیل

بھی نازل کی۔''(3)

سوال1: ﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اس نے آپ پرحق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے'' کتاب کوحق کے ساتھ نازل کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کتاب کوحق کے ساتھ نازل کرنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید برحق ہے۔اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ اس کواتارا۔اس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے،اس پرفرشتے گواہ ہیں۔﴿2﴾ قرآن مجید عظیم کتاب ہے،اس کی خبریں اور احکامات حق پر مبنی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کوحق کے ساتھ اس لیے نازل کیا تاکہ بندے اس کتاب کا نفع مند علم حاصل کریں،اس پر عمل کریں اوراپنے رب کی عبادت کریں۔

سوال2: ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''جواپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے'' یہ بتا کر اللہ تعالیٰ نے کس حقیقت سے روشناس کروایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''جواپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے'' اللہ تعالیٰ نے یہاں اس حقیقت سے روشناس کروایا ہے کہ اگر قرآن مجید کسی انسان کی کوشش کا نتیجہ ہوتا یا کسی اور کی طرف سے نازل ہوتا توان آسمانی کتابوں میں ایک جیسے مضامین نہ ہوتے بلکہ یہ کتابیں ایک دوسرے سے ٹکراتیں۔﴿2﴾ قرآن مجید پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔جس بارے میں یہ کتاب فیصلہ کردے وہی حق ہے اور مقبول ہے اورجس بارے میں قرآن مجید تردید کردے وہ ناقابل قبول ہے۔﴿3﴾ قرآن مجید ان تمام مسائل کے مطابق ہے جن پرتمام رسولوں کا اتفاق ہے۔اس سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے۔اہل کتاب جب تک قرآن (مجید) پرایمان نہ رکھیں تب تک اپنی کتابوں کوسچا نہیں مان سکتے کیونکہ قرآن (مجید) کاانکاران کتابوں پرایمان کوکالعدم کردیتا ہے۔(تفسیر سعدی:338/1)

سوال3: ﴿ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴾ ''اوراس نے تورات اورانجیل بھی نازل کی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اوراس نے تورات اورانجیل بھی نازل کی'' سے مراد یہ ہے کہ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پرتورات اورعیسیٰ علیہ السلام پرانجیل کونازل کیا۔قرآن مجید تورات اورانجیل میں بتائی گئی سچائیوں اورپیشن گوئیوں کااعتراف کرتا ہے۔﴿2﴾ یعنی پہلی کتابیں قرآن مجید کی سچائی کوتسلیم کرتی ہیں کیونکہ ان میں قرآن مجید کی بشارت اورقرآن مجید میں ان کی صداقت ہے۔

﴿ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (4) ﴾

''اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے۔اوراسی نے حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اتارا ہے،یقیناً جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیا،ان کے لیے زبردست عذاب ہے اوراللہ تعالیٰ سب پرغالب،بدلہ لینے والا ہے۔''(4)

سوال1: ﴿مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ ''اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اوراسی نے حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اتارا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے یعنی قرآن مجید کو نازل کرنے سے پہلے۔ ﴿2﴾ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کی ہدایت کے لیے یعنی قرآن مجید کو لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے راہ نما بنا کر نازل کیا جیسے تورات اور انجیل کو نازل کیا تھا۔ ﴿3﴾ اب جو کوئی قرآن مجید کی ہدایت کو قبول کرلے وہ ہدایت پا گیا اور جو انکار کردے وہ گمراہ ہوگیا۔ ﴿4﴾ تورات اور انجیل اپنے دور کے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھیں۔قرآن مجید نازل ہونے کے بعد اب صرف یہی کتاب ہدایت کا ذریعہ ہے۔

سوال2: ﴿وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ ''اوراسی نے حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اتارا ہے'' قرآن حکیم کے فرقان ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید میں ایسے دلائل ہیں جن سے حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہوجاتا ہے۔ ﴿2﴾ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورت کے مطابق تفصیل بیان کی ہے جس سے احکامات واضح ہوجاتے ہیں۔ ﴿3﴾ قرآن حکیم ساری آسمانی کتابوں کی اصل ہدایات اور بدلی گئی باتوں کے درمیان فرق کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ اصل کیا ہے اور تبدیلی کیا ہے۔ ﴿4﴾ یہ قرآن مجید ہدایت اور گمراہی میں، حق اور باطل میں، صحیح اور غلط میں اپنی دلیلوں اور واضح بیانات سے فرق کردیتا ہے۔ جو اس پر ایمان نہیں لاتا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں رہنے دیتا۔ اس لیے قرآن حکیم فرقان ہے۔

سوال3: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ '' یقیناً جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیا، ان کے لیے زبردست عذاب ہے'' اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے والوں کے لیے کیا سزا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا کفر کرنے والوں کو دھمکی دی ہے کہ جن لوگوں نے معزز رسولوں کی مخالفت کی اوراس کی آیات کو جھٹلایا وہ انہیں انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑے گا، ان کے لیے زبردست عذاب ہے کیونکہ اس نے تمام شبہات کو دور فرمادیا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا کفر کرنے والوں کو دھمکی دی ہے کہ قیامت کے دن ان کی سخت پکڑ ہوگی، اس کے قہر اور عذاب سے کوئی چھڑا نہیں سکے گا، جس کی شدت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔

سوال4: ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ '' اوراللہ تعالیٰ سب پر غالب، بدلہ لینے والا ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ عزیز ہے، سب پر غالب ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اس کے سامنے انسان مغلوب ہوجائیں گے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ذوانتقام ہے، انتقام لینے پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ بے پناہ قوتوں کا مالک ہے، اس کی پکڑ شدید ہے، وہ خوفناک انتقام بھی لے سکتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ اس سے انتقام لے گا لہٰذا آیات کا انکار کرنے سے بچ جاؤ۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (5) ﴾

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا نہ ہی زمین میں اور نہ ہی آسمان میں۔''(5)

سوال: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا نہ ہی زمین میں اور نہ ہی آسمان میں'' یہ کہہ کر کس حقیقت کا احساس دلایا جا رہا ہے؟

جواب ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا نہ ہی زمین میں اور نہ ہی آسمان میں'' یہ کہہ کر اس حقیقت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ظاہر اور پوشیدہ تمام معلومات پر محیط ہے۔ ﴿1﴾ اس کائنات میں اس سے کوئی چیز پوشیدہ رکھی نہیں جا سکتی۔ ﴿2﴾ کسی نیت اور ارادہ کو بھی اللہ تعالیٰ سے چھپایا نہیں جا سکتا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کے غیب کو جانتا ہے۔ ﴿4﴾ کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ ﴿5﴾ اس لیے کوئی سزا سے بچ جائے اس کا امکان نہیں۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، اس سے کوئی چھپ نہیں سکتا، کوئی بچ نہیں سکتا، اس لیے اس کی آیات کا انکار کرنے سے باز آ جاؤ۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (6) ﴾

''وہی ہے جو رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''(6)

سوال1: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ ''وہی ہے جو رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہی ہے جو رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے'' ماؤں کے پیٹوں کے بچوں کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ باریک بینی سے انہیں سنبھالتا ہے۔ مکمل وجود رکھنے والے اور ناقص بچوں کو بھی وہ پورے طریقے سے سنبھالتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ جو خود ماں کے پیٹ سے جنم لے وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے سلسلے کو خود قائم کیا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر کشی کی جیسے اس نے چاہا ہی لہٰذا یہ عقیدہ باطل ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں یا اس کے بیٹے۔ ﴿4﴾ جو رب ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے صورتیں بناتا ہے پھر وہ بچے کی چھوٹی بڑی ضرورتیں پوری کرتا ہے، یقیناً وہی راہ نمائی کر سکتا ہے۔

سوال2: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس سے اس کا

معبود ہونا ثابت اور متعین ہوتا ہے یعنی الوہیت اور عبودیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اس کے ماسوا جس جس کو پوجا جاتا ہے ان کی الوہیت باطل ہے۔﴿2﴾اس سے عیسائیوں کے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہیں۔﴿3﴾''اس کے سوا کوئی معبود نہیں''اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کسی قسم کی عبادت نہ کی جائے،اس کے سوا نہ کسی کے لیے قیام ہے،نہ رکوع،نہ سجدہ،نہ قربانی،نہ نذر و نیاز۔ ہر حالت میں صرف اسی سے دعا کی جائے،اس کے سوا کسی سے دعا نہ کی جائے،صرف اسی کے گھر بیت اللہ کا طواف کیا جائے،صرف اسی کی قسم کھائی جائے،صرف اسی کی غیر مشروط حاکمیت تسلیم کی جائے۔اس کی عبادت میں کوئی اس کا ساجھی شریک اور مدمقابل نہیں ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ العزیز ہے وہ حیات اور تصویر سازی پر پوری طرح غلبہ رکھتا ہے۔وہ ایسی غیر فانی عزت والا ہے جسے کوئی پا نہیں سکتا۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ﴿الْحَكِيْمُ﴾''کمال حکمت والا ہے''اس کے تمام احکام حکمتوں پر مبنی ہیں۔اس کا تخلیقی عمل جو گہری ٹیکنالوجی پر مبنی ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی،نہ کوئی دوسرا اس کام میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ(7)﴾

''وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس میں سے بعض محکم آیات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں سے ان آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں،فتنہ کی تلاش کے لئے اور اس کی اصل مراد کی تلاش کے لئے،حالانکہ ان کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور علم میں پختگی رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے،سب ہی ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر جو عقل مند ہیں۔''(7)

سوال1:﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾''وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس میں سے بعض محکم آیات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾''وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر کتاب نازل کی ہے۔﴿2﴾﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾جس میں سے بعض محکم آیات ہیں۔قرآن مجید سب کا سب محکم(پختہ،مضبوط)ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھر کمال حکمت والے،پوری خبر رکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔(ہود:1)لہٰذا یہ انتہائی مضبوطی،عدل اور احسان پر مشتمل ہیں۔﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾اور کون اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کرنے میں بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں؟(المائدہ:50) (الف)

﴿ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم سمجھنے میں کسی کو مشکل پیش نہیں آتی۔ان کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور ہر شخص اسے سمجھ لیتا ہے، اس میں کائناتی نشانیاں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ان میں احکامات،مسائل، تاریخی واقعات،عبرت اور نصیحت کی باتیں محکم ہیں۔(ب) جن میں اللہ تعالیٰ کی حجتیں،لوگوں کا بچاؤ اور حق و باطل کے نزاع کے فیصلے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:200/1)(ج) محکم کی سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ جس کا معنی واضح اور جس کی دلالت ظاہر ہو۔(تیسیر الرحمٰن: 165/1)(د) ایسی آیات میں دنیا کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے،ان آیات میں گمراہیوں کی تردید اور سیدھے راستے کی وضاحت کی گئی ہے، ان آیات میں دین کے بنیادی اصول بتائے گئے ہیں،دنیا کی زندگی کے احکامات ہیں مثلاً عبادات،اخلاق،فرائض اور امر و نہی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔﴿3﴾﴿ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ ''وہی کتاب کی اصل ہیں''﴿ أُمُّ ﴾ ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔مقاتل بن حیان نے کہا:﴿ أُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اہل دین میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان پر راضی نہ ہو۔(ابن ابی حاتم:593/2) ﴿4﴾ ﴿ وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ ''اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں''﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی سمجھنے میں بعض لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔جن کا مفہوم ذہن انسانی کی دسترس سے بالا ہوتا ہے۔(تیسیر القرآن:246/1) جس کا معنی واضح نہ ہو یا جس کی دلالت ظاہر نہ ہو۔(تیسیر الرحمٰن:165/1) مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات،اللہ تعالیٰ کی صفات،مثلاً ''رحمٰن عرش پر مستوی ہے'' کسی کو معلوم نہیں یا جنت دوزخ کے حالات،تقدیر کے مسائل اور ملائکہ وغیرہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہو۔﴿5﴾ قرآن مجید کی بہت زیادہ آیات محکم ہیں جو آسانی سے ہر شخص کی سمجھ میں آجاتی ہیں ان کی طرف ہر شخص کو رجوع کرنا چاہیئے۔قرآن مجید کی کچھ آیات متشابہ ہیں جو بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایسی آیات کو ایسی صورت میں محکم آیات کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔اس طریقے سے آیات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں۔

سوال 2: ﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کس کے دل میں شک پیدا نہیں کرتیں؟

جواب: ﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ اس شخص کے دل میں شک پیدا نہیں کرتیں جس کو یہ یقین آجاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے پھر اس کے اندر خلجان پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ:﴿1﴾ ایسا شخص سیدھا سادا مفہوم لیتا ہے۔﴿2﴾ جہاں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے وہاں کھوج لگانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان لاکر اپنی توجہ دوسری طرف کر لیتا ہے۔

سوال 3: ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ﴾ ''پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں سے ان آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں فتنہ کی تلاش کے لئے اور اس کی اصل مراد کی تلاش کے لئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ ﴾ ''پھر جن کے دلوں میں کجی ہے'' پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے یعنی جو لوگ سیدھے

راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔جن کے دل ہدایت پر نہیں، جو گمراہ ہیں، جن کے ارادے ٹیڑھے ہیں۔﴿ زَيْغٌ ﴾'' دل کی کجی'' سے مراد عقل کی کجی ہے یعنی وہ کسی معاملے کو نہ صحیح رخ سے دیکھے، نہ صحیح رائے قائم کر سکے اور اس طرح غلط فہمیوں میں پڑ جائے۔دل کی کجی سے مراد شبہات، شہوات اور فتنوں کی وجہ سے حق سے ہٹ جانا ہے۔(ایسر التفاسیر:157,158)﴿ 2 ﴾﴿ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ﴾'' وہ اس میں سے ان آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں''یعنی دل اور عقل کی کجی والے محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور محکم آیات کو متشابہ کی روشنی میں سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کے پیچھے وہ لوگ پڑتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شک کرنے والے ﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کے پیچھے پڑتے ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم:595/2)﴿ 3 ﴾﴿ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ﴾'' فتنہ کی تلاش کے لئے''یعنی وہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرتے ہیں۔متشابہ میں چونکہ اشتباہ موجود ہوتا ہے اس لیے اس کے ذریعے دل اور عقل کی کجی والے فتنہ اٹھاتے ہیں۔'' فتنہ کی تلاش کے لئے''لوگ ﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کے پیچھے ایسے پڑتے ہیں جیسے عیسائی پڑے۔انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی گئی بات'' عبداللہ''یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ اور'' نبی''یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو چھوڑ کر'' کلمۃ اللہ''اور'' روح اللہ''کو لے کر اس کی ایسی تاویلیں کیں جس سے ان کے عقائد کی گمراہی کی تائید ہوتی ہے۔ایسے ہی مسلمانوں میں سے بھی بدعات میں مبتلا ہونے والوں کا حال ہے۔﴿ 4 ﴾﴿ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيْلِهٖ ﴾'' اور اس کی اصل مراد کی تلاش کے لئے''تاویل سے مراد کسی چیز کی اصل حقیقت ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آیات کی حقیقی مراد نہیں جانتا۔دل اور عقل کی کجی والے تاویل کی تلاش میں اس طرح رہتے ہیں کہ آیت کو اپنے خیال کے مطابق لے کر اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں یعنی قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنا دیتے ہیں۔

سوال4:﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ﴾'' حالانکہ ان کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' حالانکہ ان کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا''اس سے مراد یہ ہے کہ ﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کی تاویل یعنی ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سوال5:﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب: ﴿ 1 ﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' قرآن کریم میں شبہہ کر کے جھگڑنا کفر ہے۔''(سنن ابی داؤد:4603)﴿ 2 ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو اس کے غلط مطالب بیان کرے گی۔(تفسیر ابن کثیر:390/1)﴿ 3 ﴾سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی (**ھو الذی انزل علیک الکتاب آخر آیت اولوا الباب تک**) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' جب تم لوگ ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہوں تو یاد رکھو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، اس لیے ان سے بچتے رہو۔''(صحیح بخاری:4547، جامع ترمذی:2994)﴿ 4 ﴾سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول

اللہ ﷺ سے آیت (فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ) ''وہ لوگ جن کے دلوں میں کج روی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں فتنہ تلاش کرتے ہوئے اوراس کی تاویل تلاش کرتے ہوئے'' کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم انہیں دیکھو گی تو پہچان لوگی۔'' یزید کہتے ہیں: آپ ﷺ نے یہ کلمات دو یا تین بار ارشاد فرمائے۔(جامع ترمذی:2993)

سوال6:﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ ''اور علم میں پختگی رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہی ہمارے رب کی طرف سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ ''اور علم میں پختگی رکھنے والے لوگ'' سے مراد علماء ہیں جو محکمٰت اور متشٰبہٰت کو جانتے ہیں۔﴿2﴾ نافع بن یزید کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں، جو عاجزی کرنے والے ہوں، رب کی رضا سے راضی ہوں، اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں اور اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں۔(تفسیر ابن کثیر:392/1)﴿3﴾ یعنی جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ علم وفہم بھی رکھتے ہیں وہ محکمات کو اصل سمجھتے ہیں اور متشابہات کے من عنداللہ ہونے پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ان کی تفصیلات سمجھنے اور متعین کرنے کے درپے نہیں ہوتے۔(تفسیر الحواشی:61/1)﴿4﴾**﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ﴾** ''کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے'' پختہ علم والے لوگ علم کی وجہ سے جان لیتے ہیں کہ انسانی عقل وفکر اپنی موجودہ قوت اور موجودہ ذرائع سے متشابہات کے مفہوم کو نہیں پاسکتیں، اس لیے وہ پورے اطمینان سے کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔﴿5﴾**﴿ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾** ''سب ہی ہمارے رب کی طرف سے ہے'' پختہ علم والوں کو ان کا ایمان آگے بڑھاتا ہے اور وہ کہتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اس لیے حق ہیں۔﴿6﴾ جن اشیاء کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت وکیفیت، آخرت میں پیش آنے والے اوصاف کی حقیقت وغیرہ، ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا واقعی کوئی نہیں جانتا۔اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ ایسی چیز کی کوشش ہے جسے جاننا ممکن ہی نہیں۔امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اس آیت کا کیا مطلب ہے؟﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ رحمان عرش پر مستوی ہے۔(طٰہٰ:5) سائل نے کہا: ''کس طرح مستوی ہے؟'' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: استواء (قائم ہونا) معلوم ہے (یعنی واضح لفظ ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں) اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔اس پر ایمان لانا واجب ہے۔اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔'' اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے بارے میں یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ان کی کیفیت دریافت کرے تو امام مالک رحمہ اللہ کی طرح کہہ دیا جائے کہ یہ صفت تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔تاہم اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا (کہ یہ صفت کس طرح ہے) بدعت ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ صفات بتائی ہیں۔ان کی کیفیت بیان نہیں فرمائی لہٰذا ہمیں اپنی حد تک آکر رک جانا چاہیے۔حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔گمراہ لوگ ان متشابہ امور کے بارے میں بے فائدہ بحث کرتے ہیں، اور اس چیز کے حصول کی کوشش کرتے ہیں جنہیں معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں، کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔پختہ کار اہل علم ان پر ایمان لاتے ہیں،

اوران کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔اس طرح (فرمان الٰہی کو) تسلیم کرکے (تکلفات اور غلطیوں) سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:341/1)

سوال7: علم میں پختگی کیسے آتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ علم میں پختگی اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین سے آتی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین سے آتی ہے۔ ﴿3﴾ تکبر میں مبتلا نہ ہونے سے آتی ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونے سے آتی ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر استقامت کی دعاؤں سے آتی ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے آتی ہے۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اللہ تعالیٰ کے عہد پر پورا بھروسہ کرکے پختگی آتی ہے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے صحیح شعور سے پختگی پیدا ہوتی ہے۔ ﴿9﴾ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر پر پختہ یقین رکھنے سے علم میں پختگی آتی ہے۔ ﴿10﴾ اللہ تعالیٰ کا خوف دل کے اندر موجزن ہونے سے پختگی آتی ہے۔ ﴿11﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی غافل نہ رہنے سے پختگی آتی ہے۔ ﴿12﴾ اپنے روز وشب میں فرائض کی ادائیگی کو نہ بھولنے سے علم میں پختگی آتی ہے۔

سوال8: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ ''اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر جو عقل مند ہیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ ''اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر جو عقل مند ہیں'' اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور اس کی طرف سے آنے والے علم کو قبول کرنے والے صرف وہ لوگ ہیں جو عقل میں کامل ہیں۔ان کی عقلوں تک نصیحت پہنچتی ہے تو انہیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے اور وہ اس پر عمل کر لیتے ہیں اور انہیں اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہوتی ہیں تو وہ ان سے بچ جاتے ہیں۔دوسرے لوگوں کے پاس عقل ہی نہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ ﴿2﴾ نبی ﷺ نے عقل وفہم کی درستگی کے لیے راہ نمائی فرمائی ہے۔سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے حاصل کرنا باعث خشیت ہے، اور اس کی جستجو عبادت ہے، اسے دہرانا تسبیح ہے، اس کی تحقیق جہاد ہے، اسے سکھانا صدقہ ہے، اسے مستحقین کے لیے عام کرنا باعث تقرب ہے کیونکہ یہ حلال وحرام کی نشاندہی کرتا ہے اور اہل جنت کے راستوں کا مینار ہے۔ یہ بے زاری میں باعث الفت اور سفر کا ساتھی ہے، تنہائی میں باتیں سنانے والا اور تنگی اور آسانی میں راہ نما ہے، دشمنوں کے خلاف ہتھیار اور دوستوں کے لیے زینت ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے کئی لوگوں کو رفعت بخشے گا اور انہیں ایسا بہترین قائد اور پیش رو بنائے گا کہ ان کے قدموں کے نشانات کی پیروی کی جائے گی، ان کی عادات کو اپنایا جائے گا اور ان کی رائے کو صحیح سمجھا جائے گا۔فرشتے ان سے دوستی کے خواہاں ہوں گے اور اپنے پروں سے ان کی گرد ہٹائیں گے۔ ہر خشک وتر ان کی مغفرت کی دعا کرے گا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آبی جانور، جنگل کے درندے اور خشکی کے چوپائے بھی، کیونکہ علم دلوں کو جہالت (کی موت) سے (بچا کر) زندگی بخشتا ہے اور نگاہوں کو اندھیروں سے نکال کر روشن چراغ کا کام دیتا ہے۔علم کے ذریعے آدمی اچھے لوگوں کے مرتبے کو جا پہنچتا ہے اور دنیا و آخرت میں بلندیوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔علمی سوچ بچار روزے کے برابر ہے۔اسے پڑھنا پڑھانا تہجد کے

برابر ہے۔ اسی کے ذریعے صلہ رحمی کا سبق ملتا ہے اور اسی کے ذریعے حلال وحرام کا امتیاز ہوتا ہے۔ یہ عمل کا امام ہے اور عمل اس کا مقتدی ہے۔ یہ سعادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم:268)

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ (8) ﴾

"اے ہمارے رب! آپ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دینا، اس کے بعد کہ جب آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمانا، بے شک آپ ہی بے حد عطا کرنے والے ہیں۔" (8)

سوال1: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ "اے ہمارے رب! آپ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دینا، اس کے بعد کہ جب آپ نے ہمیں ہدایت دی" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ "اے ہمارے رب! آپ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دینا، اس کے بعد کہ جب آپ نے ہمیں ہدایت دی" اے ہمارے رب ہمیں سیدھے راستے پر چلنے والا بنا، ہدایت پانے والا بنا اور ہدایت دینے والا بنا۔ ہمیں ان برے اعمال سے محفوظ رکھیں جن میں گم راہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ ﴿2﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اکثر اوقات یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ "یَا مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ" "اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما دے" میں نے عرض کیا: آپ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمام دل اللہ رحمان کی دو انگلیوں کی گرفت میں ہیں۔ جب وہ دلوں کو سیدھا کرنا چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے اور جب وہ ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ (ترمذی:2140) ﴿3﴾ سیدھے راستے پر آنے کے بعد بھی دل پھر جاتے ہیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا دل بھی پھر جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہر ایک کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے خواہ وہ اسے ہدایت پر قائم رکھے یا پھیر دے۔" (ابن حاتم)

سوال2: اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کے بعد دلوں کو ٹیڑھا کیسے کر دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب لوگ جہالت یا عناد کی وجہ سے حق سے روگردانی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دلوں کو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ ﴿2﴾ دل متشابہ آیات کی وجہ سے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ دل دنیا کی محبت اور غیر اللہ کی محبت کی وجہ سے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔

سوال3: ﴿ وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ﴾ "اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمانا" اس دعا میں جس یقین کی جھلک ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس دعا میں یہ یقین جھلک رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہر بھلائی کا حصول ممکن ہے اور اس کی رحمت کی وجہ سے ہر برائی

سے بچنا ممکن ہے۔

سوال4: ﴿ **اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ** ﴾"بے شک آپ ہی بے حد عطا کرنے والے ہیں"اللہ تعالیٰ کی صفت" الوہاب" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ"الوہاب" ہے کثیر عطا کرنے والا ہے،موقع پر پہنچانے والا ہے۔وہ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق جیسے چاہے تقسیم کرتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے،جس قدر چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ثبات عطا فرماتا ہے۔ہدایت اس کی عطا ہے،ثبات اس کی عطا ہے۔﴿3﴾پختہ علم والے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک الوہاب کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں کہ تو کثیر عطا کرنے والا ہے۔ہمیں ہدایت عطا فرمادے،تو ہی مواقع بہم پہنچانے والا ہے ہمیں نفع مند علم کے مواقع عطا فرمادے۔تو اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق تقسیم کرتا ہے،تو ہمارے حق میں اعمال صالحہ اور اپنی رضا کو رکھ دے۔آمین۔

﴿ **رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ**(9) ﴾

"اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ ہی لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں ،بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"(9)

سوال1:﴿ **رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ﴾"اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ ہی لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں ،بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد ہے کہ اے ہمارے رب! آپ لوگوں کو جزا کے دن جمع کرنے والے ہیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ آپ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور آپ کی بات حق ہے اور اس میں جزا دینے کا وعدہ کیا ہے اور آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔(تفسیر مراغی:458/1)﴿2﴾ام ہانی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پہلے اور بعد میں آنے والوں کو قیامت کے دن ایک میدان میں جمع کرے گا۔(مسلم:327)﴿3﴾یہ ایمان عمل پر آمادہ کرتا ہے اور غلطیوں سے بچاتا ہے۔

سوال2:﴿ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ﴾"بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا" کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے قول:﴿ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ﴾"بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کے لیے ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔(تفسیر ابن ابی حاتم:602/2)

رکوع نمبر2

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ(10) ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے اور وہی لوگ آگ کا ایندھن ہیں۔''(10)

سوال1: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' اللہ تعالیٰ نے کفر یعنی انکار حق کے پیچھے کام کرنے والی نفسیات پر ایسے ضرب لگائی ہے کہ آج جو چیزیں تمہیں اہم دکھائی دیتی ہیں، کل حشر کے دن وہ تمہارے کام نہیں آئیں گی۔ آج کی چیزوں کی اہمیت اس وقت تک ہے جب تک معاملہ انسان اور انسان کے درمیان ہے۔ کل جب معاملہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو جائے گا، جب غیب کا پردہ پھٹ جائے گا تو یہ چیزیں اتنی بے وقعت ہو جائیں گی جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ ﴿2﴾ ﴿ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ﴾ ''ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے'' جو لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں اپنے کفر کی وجہ سے سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ وہاں ان کے اعمال اور ان کی اولادیں کام نہیں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون امتوں میں بھی جاری رہا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان اور اعمال صالح کی قدر ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓي اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴾ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارے قرب میں نزدیک کر دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو یہی لوگ ہیں جن کے عمل کی بنا پر ان کی دوگنی جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں پرامن ہوں گے۔ (سبا:37)

سوال2: ﴿ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴾ ''اور وہی لوگ آگ کا ایندھن ہیں'' کون سی چیز انسان کو دوزخ کا ایندھن بناتی ہے؟

جواب: حق کا انکار کرنا اور کفر کرنا انسان کو دوزخ کا ایندھن بناتا ہے۔

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ(11) ﴾

''جیسے فرعون کی قوم کا اور ان سے پہلوں کا حال ہوا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''(11)

سوال1: ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ''جیسے فرعون کی قوم کا حال ہوا اور ان

سے پہلوں کا حال ہوا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''جیسے فرعون کی قوم کا حال ہوا'' آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو، اس کے طریق کار کو نہیں مانا۔ انہوں نے رسولوں کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کیا اور ان سے دشمنی رکھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے بدلے میں پکڑ لیا۔ ﴿2﴾ ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''اور ان سے پہلوں کا'' پہلوں سے مراد پہلی امتیں ہیں مثلاً قوم نوح، قوم ہود، قوم شعیب وغیرہ۔ ﴿3﴾ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا'' آیات کو جھٹلانے سے مراد آیات کا انکار کرنا، ان کو غلط ثابت کرنا، ان کو اپنے لیے ضروری خیال نہ کرنا اور انہیں قابل عمل نہ سمجھنا ہے۔ ﴿4﴾ ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا'' اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور آیات کو جھٹلانے کے سبب انہیں پکڑ لیا تھا۔

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون کے انجام سے اپنے ﴿شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ یعنی سخت عذاب والا ہونے کا شعور دلایا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے۔

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (12)﴾

''آپ ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے کفر کیا عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''(12)

سوال 1: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''آپ ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے کفر کیا'' کافروں سے یہاں کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: یہاں کافروں سے مراد یہود مدینہ بنو قینقاع ہیں۔ (ایسر التفاسیر:159)

سوال 2: ﴿سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ''عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾ ''عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے'' نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ کافروں سے کہہ دیں۔ کافروں کی مغلوبیت کی پیشین گوئی جلد پوری ہوگئی۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کئے گئے اور بنو قریظہ قتل کئے گئے پھر خیبر فتح کر کے تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ (فتح القدیر) ﴿2﴾ ﴿وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ﴾ ''اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی موت کے بعد تم جہنم میں اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ یہ تمہارے کفر، عناد اور حق کو پہچاننے کے بعد انکار کی بناء پر ہے۔

﴿3﴾﴿ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾''اوروہ بہت ہی براٹھکانہ ہے''اپنی موت کے بعدحق کو پہچاننے کے بعدانکارکی بناء پرتم جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گےاوروہ بہت ہی براٹھکانہ ہے۔(ایسرالتفاسیر:160)﴿4﴾اس آیت میں مومنوں کی مدداورفتح کی جانب اشارہ ہےاورکافروں کے لیےتنبیہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہودی اورعیسائی کافروں کے خلاف مومنوں کی مددفرمائی۔وہ قیامت تک مددفرماتارہےگا۔اس میں عبرت ہےاورقرآن کی ایسی نشانی ہے جوآنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافردنیامیں مغلوب ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن جمع کرکےجہنم کی طرف ہانک دیے جائیں گے جوبراٹھکانہ ہےاوران کے بداعمال کابرابدلہ ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی وعیدکہ کافرمغلوب کیے جائیں گےاورجہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے،کےانسان پرکیااثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾''عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گےاورجہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے''یہ الفاظ انسان کواس کی سرکشی کے بارے میں سوچنے پرمجبورکرتے ہیں۔﴿2﴾ کفرحق کوچھپانابھی ہےاورسرکشی کارویہ بھی،مغلوبیت کے ساتھ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جانے کے الفاظ سے انسان سرکشی کی وجوہات پرغوروفکرکرکےسرکشی چھوڑنے کے لیےاندرسےمجبورہوجاتاہے۔﴿3﴾''بہت ہی براٹھکانہ ہے''کے الفاظ تومہر ثبت کردیتے ہیں اورانسان اگرشعورسے کام لینے والاہوتوکفرچھوڑنے کافیصلہ کرلیتاہے۔

﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ (13) ﴾

''یقیناً تمہارے لیےان دوگروہوں میں ایک نشانی تھی جوایک دوسرے کےمقابلےمیں آئے۔ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑرہاتھا اوردوسراگروہ کافرتھا،وہ کھلی آنکھوں سےانہیں اپنے سےدوگنادیکھتے تھےاوراللہ تعالیٰ جس کوچاہتاہےاپنی مددسےقوت پہنچاتاہے۔بلاشبہ اس میں یقیناًاہل بصیرت کے لیے بڑی عبرت ہے۔''(13)

سوال1: ﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ﴾''یقیناً تمہارے لیےان دوگروہوں میں ایک نشانی تھی جوایک دوسرے کےمقابلے میں آئے''،دوگروہوں سے کون سے گروہ مرادہیں؟

جواب: ﴿1﴾﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ ﴾''یقیناً تمہارے لیےان دوگروہوں میں ایک نشانی تھی''یقیناً تمہارے لیےعظیم عبرت تھی۔﴿2﴾﴿ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ﴾دوگروہوں میں جوایک دوسرے کےمقابلےپرآئے۔یہ معاملہ غزوہ بدرمیں ہواتھا۔﴿3﴾سیدنامجاہدنے کہا:اس سےمراد محمد ﷺ اوران کےاصحاب اورمشرکین قریش ہیں جوبدرکےدوگروہ ہیں۔

سوال2: ﴿ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ﴾''ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑرہاتھااوردوسراگروہ کافرتھا''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ﴿**فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ**﴾''ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا''اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔جن کی تعداد313 تھی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑ رہے تھے۔﴿2﴾﴿**فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ**﴾''اللہ تعالیٰ کی راہ میں''سعید بن جبیر اللہ عزوجل کے قول﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں:اس سے مراد ہے اللہ عزوجل کی اطاعت میں۔(تفسیر ابن ابی حاتم:605/2)﴿3﴾﴿**وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ**﴾''اور دوسرا گروہ کافر تھا''اس سے مراد مشرکین قریش ہیں جن کی تعداد1000 کے قریب تھی جو طاغوت کے راستے میں لڑ رہے تھے۔

سوال3:﴿**يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ**﴾''وہ کھلی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دوگنا دیکھتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''وہ کھلی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دوگنا دیکھتے تھے''مومن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کافر تعداد میں ان سے بہت زیادہ ہیں۔یہ اضافہ تین گنا سے زیادہ تھا۔﴿2﴾رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ﴾اور جب تم مقابل ہوئے،وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم دکھاتا تھا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں بہت کم کرتا تھا۔(الانفال:44)یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد تھی کہ وہ ظاہری طور پر کھلی آنکھوں سے کفار کو دوگنا دیکھنے کے باوجود مشرکین کی تعداد کو کم محسوس کر رہے تھے۔اس وجہ سے بھی مسلمان حوصلے میں تھے۔﴿3﴾سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کی تعداد اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے اس نے کہا،نہیں نہیں سو ہوں گے جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو اس سے مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر:395/1)

سوال4:﴿**وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ**﴾''اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوت پہنچاتا ہے''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی مدد سے کیسے قوت پہنچائی؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد یہ تھی کہ کفار کو مومن اپنے سے دوگنا نظر آنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کیا تاکہ کفار پر رعب طاری ہو جائے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرشتوں کے ذریعے بھی کی۔﴿3﴾جب دونوں فوجیں ٹکرا گئیں تو اللہ تعالیٰ نے کفار کی نظر میں مومنوں کو دوگنا کر کے دکھایا تاکہ ان پر رعب طاری ہو جائے اور وہ بری طرح شکست کھائیں۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تو انہوں نے کفار کو شکست دی،ان کے سرداروں کو قتل کیا اور بہت سے افراد کو قید کر لیا۔اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

سوال5:﴿**اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ**﴾''بلاشبہ اس میں یقیناً اہل بصیرت کے لیے بڑی عبرت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''بلاشبہ اس میں یقیناً اہل بصیرت کے لیے بڑی عبرت ہے''یعنی جن کی بصیرت اور عقل کامل ہے جس کی وجہ سے وہ دیکھ رہے ہیں کہ جس جماعت کی مدد کی گئی ہے وہی اہل حق ہیں اور دوسرے باطل ہیں۔ورنہ محض ظاہری اسباب،سامان اور تعداد پر نظر رکھنے والا یہی

فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کا اتنی بڑی جماعت پر فتح پانا بالکل محال اور ناممکن ہے۔ان اسباب کے پیچھے ایک عظیم تر سبب بھی ہے جسے بصیرت، ایمان اور توکل علی اللہ کی نظر ہی دیکھ سکتی ہے اور وہ سبب ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں کو تقویت بخشنا اور اپنے کافر دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرنا۔(تفسیر منان:345/1)

سوال 6: غزوۂ بدر سے کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب: غزوۂ بدر سے یہ سبق ملتا ہے کہ ﴿1﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قوت سے غافل ہوتے ہیں اور اپنے اسلحے اور افرادی قوت پر پھولے نہیں سماتے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے شکست دلواتے ہیں۔وہ دیکھ لیں کہ چند مفلس مہاجرین اور مدینے کے کاشتکاروں کی چھوٹی سی جماعت سے قریش کے مضبوط قبیلے کو جو عرب کا سرتاج تھا اللہ تعالیٰ نے کیسے شکست دلوائی۔﴿2﴾ غزوۂ بدر سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کی قوت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔﴿3﴾ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اس جہان میں قوت والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔﴿4﴾ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے فتح دے دے اور جسے چاہے شکست دے دے۔

سوال 7: غزوۂ بدر کے ذریعے مومنوں اور کافروں کا فرق کیسے واضح ہوا؟

جواب: دونوں میں اخلاقی اعتبار سے واضح فرق تھا۔﴿1﴾ کافروں کے لشکر میں شراب کے دور چل رہے تھے، ناچنے اور گانے والی لونڈیاں آئی ہوئی تھیں اور خوب دادعیش دی جارہی تھی۔﴿2﴾ مسلمانوں کے لشکر میں پرہیزگاری، خداخوفی اور انتہا درجے کا نظم وضبط ان کی نمازوں کے ذریعے پتہ چل رہا تھا۔بات بات پر اپنی قوت کا نہیں اللہ تعالیٰ کا نام تھا اور اسی کے آگے دعائیں اور التجائیں تھیں۔﴿3﴾ کامل عقل والے مومنوں اور کافروں کا فرق بھی دیکھ رہے تھے اور یہ بھی کہ جن لوگوں کی مدد کی گئی ہے وہ حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ظاہری معاملات کو دیکھنے والا یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ چھوٹی جماعت اتنی بڑی جماعت پر غالب نہیں آسکتی۔اہل بصیرت ایمان اور توکل علی اللہ کی وجہ سے بصارت سے نظر نہ آنے والے اسباب کے پیچھے عظیم سبب دیکھتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے خلاف اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (14) ﴾

''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی، جو عورتیں اور بیٹے اور سونا چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔''(14)

سوال 1: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ﴾ ''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی'' اس سے کیا واضح کیا گیا

ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اس نے لوگوں کے لیے دنیا کی مرغوب چیزوں کی محبت مزین کردی ہے۔ان میں سے کچھ چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔باقی چیزیں ان کے بعد آتی ہیں۔اس آیت کے ذریعے خواہشات اور مرغوبات کے مزاج اور ان کی حقیقت کو سمجھا دیا گیا ہے۔﴿2﴾ خواہشات اور مرغوبات مستحب ہیں۔﴿3﴾ خواہشات اور مرغوبات مکروہ اور غلیظ نہیں ہیں۔﴿4﴾ انسان اپنی شہوتوں سے اندھی محبت کرتا ہے لیکن جب وہ حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہیں تو ان کا غلام جانوروں سے قریب ہوجاتا ہے۔﴿5﴾ یہ آیت خواہشات اور مرغوبات کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم کرتی ہے۔﴿6﴾ مرغوبات میں دلوں کو مائل کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔اس لیے دل ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔اس طرح لوگوں کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں ایک طرف وہ لوگ ہیں جو مادی اشیاء کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ان کی فکر،ان کے خیالات،ان کے اعمال،ان ہی مرغوبات کے لیے ہوکر رہ گئے ہیں۔وہ اپنا مقصد زندگی بھول گئے ہیں۔دنیا سے ان کا تعلق جانوروں کا سا ہے۔وہ مرغوبات سے لذت لیتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ انہوں نے انہیں کیسے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ایسے لوگوں کے لیے دنیا عذاب کے مقام جہنم تک جانے کا سبب بن جاتی ہے،دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے مرغوبات کا اصل مقصد سمجھ لیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون اپنی خواہشات اور لذتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتا ہے۔انہوں نے دنیا کو آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا۔وہ دنیا سے اس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے مددگار ثابت ہو۔ان کے جسم،ان لذتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے میں مددگار ہوں۔ان کے جسم تو ان کے ساتھ ہوتے ہیں مگر دل ان سے دور ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے۔﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک روحانی تعلق کے ذریعے سے انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ مرغوبات کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

سوال2: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ﴾ لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنانے میں کیا حکمتیں ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت طبعی طور پر انسان کے دل میں ڈال دی ہے،جس میں بے شمار حکمتیں ہیں: ﴿1﴾ اگر انسان طبعی طور پر ان چیزوں کی طرف مائل اور ان سے محبت کرنے والا نہ ہوتا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا،دنیا کی بقا کا انحصار اس پر تھا کہ لوگوں میں فطری طور پر ان چیزوں کی محبت پیدا کردی جائے تاکہ وہ ان چیزوں کے مہیا کرنے اور باقی رکھنے کی فکر میں پڑ جائیں۔﴿2﴾ اگر خواہشات کی محبت و رغبت انسان کے دل میں نہ ہوتو اس کو آخرت کی نعمتوں کا ذائقہ ہی معلوم نہیں ہوگا نہ ہی ان میں رغبت ہوگی پھر نیک اعمال کی کوشش کرکے جنت حاصل کرنے کی اس کو کیا ضرورت ہوگی؟ اور برے اعمال چھوڑ کر دوزخ سے بچنے کی کیا فکر ہوگی؟ ﴿3﴾ خواہشات کی محبت اور رغبت فطری طور پر انسان کے دل میں پیدا کرکے انسان کا امتحان لینا مقصود ہے کہ کون ان چیزوں کی محبت

میں مبتلا ہوکر آخرت کو بھلا بیٹھتا ہے اور کون ان کی اصل حقیقت اور ان کے فانی ہونے کا یقین کر کے اپنی ضرورت کے مطابق ان کی فکر کرتا ہے اور ان کو آخرت کے کام میں لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواہشات کی محبت کو آزمائش کے لیے مرغوب بنا دیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ یقیناً ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ (الکھف:7)

سوال 3: ﴿ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ ''عورتیں'' خواہشات کی محبت میں عورتوں کو پہلے درجے پر کیوں رکھا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے عورت میں مرد کے لیے رغبت رکھی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے عورت کے پاس ہی سکون رکھ دیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی، بلاشبہ اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (الروم:21) ﴿3﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' (نسائی:3391) ﴿4﴾ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر نقصان دینے والا اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ (صحیح بخاری:5096) ﴿5﴾ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948)

سوال 4: ﴿ وَالْبَنِيْنَ ﴾ ''اور بیٹے'' بیٹوں کی محبت کو انسان کے لیے کیوں خوش نما بنا دیا گیا؟

جواب: بیٹوں کی محبت کو انسان کے لیے اس لیے خوش نما بنا دیا گیا کہ بیٹوں کی محبت نسل کے تسلسل اور بقاء کے لیے ہوتی ہے۔ ﴿1﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ جان لو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد واقعتاً آزمائش ہیں۔ (الانفال:28) ﴿2﴾ ﴿ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ چنانچہ ان سے ہوشیار رہو۔ (التغابن:14)

سوال 5: ﴿ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾ ''اور سونا چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے'' سونا چاندی کی محبت کو انسان کے لیے خوش نما بنا دیا گیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: سونا چاندی سے انسان محبت کرتے ہیں اسی لیے انہیں خزانوں کی صورت میں جمع کرتے ہیں۔ ﴿1﴾ سیدنا کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو بھوکے بھیڑیے جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے وہ اتنا نقصان

نہیں پہنچاتے جتنا دین کو مال اورعزت کی حرص برباد کرتی ہے۔''(جامع ترمذی:2376)﴿2﴾سیدنا کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا،آپ ﷺ نے فرمایا:''ہرامت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔''(جامع ترمذی:2336)﴿3﴾سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال،حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں: جو کھایا اور ختم کرلیا،جو پہنا اور پرانا کرلیا اور جو اس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیا اور (یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کرلیا)اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''(صحیح مسلم:7422)﴿4﴾سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کی محبت ،لمبی زندگی اور مال کی کثرت پر جوان ہے۔''(جامع ترمذی:2338)

سوال6:انسان کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں بیوی،بچوں اور مال وجائیداد کے گرد کیوں جمع ہوجاتی ہیں،وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾انسان کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں بیوی بچوں اور مال وجائیداد کے گرد اس لیے جمع ہوجاتی ہیں کہ انسان کے لیے ان چیزوں کو مزین کیا گیا اور محبوب بنادیا گیا ہے۔﴿2﴾یہ انسان کا فطری میلان ہے،اس کی شخصیت میں یہ رغبت موجود ہے۔

سوال7:﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾''اور نشان زدہ گھوڑے''ان کی محبت کو انسان کے لیے خوش نما بنادیا گیا،اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''نشان زدہ گھوڑے''قیمتی اور قابل قدر چیز سمجھے جاتے تھے۔مسند احمد کی حدیث میں ہے انسان کا بہترین مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھل دار درخت کھجور ہے۔(تفسیر ابن کثیر:397/1)﴿2﴾مسند احمد میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں۔رحمٰن کا گھوڑا،انسان کا گھوڑا اور شیطان کا گھوڑا۔رحمٰن کا گھوڑا وہ ہے جو فی سبیل اللہ باندھا جائے۔اس کا گوبر،پیشاب اور لید سب کا اجر ہے۔شیطان کا گھوڑا جس کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کیا جاتا ہے اور انسان کا گھوڑا جس پر لوگ سواری کرتے ہیں،جو اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

سوال8:﴿وَالْاَنْعَامِ﴾''اور مویشی''مویشی جانوروں کی محبت کو انسان کے لیے خوش نما بنادیا گیا،اس کی وضاحت کریں؟

جواب:مویشی جانوروں پر عرب کی معیشت کا انحصار تھا ان کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فخر کیا کرتے تھے۔رب العزت نے اسی لیے بندوں پر اپنے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾اور اس نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی حاصل کرنے کا سامان ہے اور بہت سے فوائد بھی اور ان ہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔اور ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب شام کے وقت تم چرا کر لاتے ہو اور جب صبح کے وقت تم انہیں چرانے لے جاتے ہو۔اور وہ تمہارے بوجھ اس شہر تک

اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم جانوں کی مشقت کے بغیر کبھی پہنچنے والے نہیں تھے۔ یقیناً تمہارا رب بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (النحل:5،7)

سوال9: ﴿وَالْحَرْثِ﴾ ''اور کھیتی'' کی محبت کو انسان کے لیے کیوں خوش نما بنا دیا گیا؟

جواب: کھیتوں کے ساتھ انسانی اور حیوانی زندگی کی بقا کا تعلق ہے۔ ان کی ضرورت تمام ضروریات سے بڑھ کر ہے۔ انسانوں اور حیوانوں کی خوراک ان ہی کھیتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی محبت کو دلوں کے اندر بسا دیا گیا۔

سوال10: ﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہیں'' یہ کہہ کر کس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ مرغوبات دنیا کی زندگی کے لیے ضروری سامان ہے۔ ﴿2﴾ یہ مرغوبات ہمیشہ کی اعلیٰ زندگی کا سامان نہیں ہیں۔ ﴿3﴾ ان مرغوبات سے زیادہ قیمتی، زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ مقصد آخرت کی کامیابی ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے۔'' (صحیح مسلم:3649) ﴿5﴾ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سو کر بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کے پہلو مبارک پہ نشان پڑے ہوئے تھے، ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کے لیے بستر نہ بنا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میں تو دنیا میں ایک سوار کی طرح ہوں (جو دوران سفر) کسی درخت کے سایہ میں ٹھہرتا ہے اور آرام کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف روانہ) ہو جاتا ہے۔'' (جامع ترمذی:2377) ﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا ملعون ہے اور اس کی ہر چیز ملعون ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور عالم یا طالب علم'' (ملعون نہیں ہیں)۔ (جامع ترمذی:2322) ﴿7﴾ دنیا ان کے لیے آخرت کے سفر کا زادِ راہ بن جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دنیا کے دھوکے سے بچتے ہیں۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کو مرغوبات کی محبت سے روکنے کے لیے دار القرار یعنی متقیوں کا انجام بیان کیا ہے۔

سوال11: دنیا میں انسان کی خواہشات کے ذریعے اس کا امتحان کیسے لیا جاتا ہے؟

جواب: دنیا امتحان کی جگہ ہے اور یہاں کی چیزوں میں انسان کے لیے کشش رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ﴿1﴾ کون ہے جو ظاہر سے اوپر اٹھ کر آخرت کی ان دیکھی چیزوں کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے؟ ﴿2﴾ اور کون ہے جو ظاہری کشش سے متاثر ہو کر دنیا کی چیزوں میں کھو جاتا ہے؟

سوال12: دنیا کی چیزوں کی اہمیت کا احساس انسان کو آخرت سے کیسے غافل کر دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا میں انسان اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی تعمیر میں اتنا مشغول ہو جاتا ہے کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ دنیا سے آگے بھی کوئی مستقبل ہے جس کی تعمیر کی اسے فکر کرنی چاہئے۔ ﴿2﴾ دنیا میں انسان کو اپنا گھر آباد کرنا اتنا محبوب ہو جاتا ہے کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا

کہ اس کے سوا بھی کوئی گھر ہے جسے آباد کرنے کے لیے مجھے مصروف ہونا چاہیے۔﴿3﴾ دنیا میں دولت سمیٹنا اور جائیدادیں بنانا انسان کو اتنا قیمتی لگتا ہے کہ وہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس کے سوا بھی کوئی دولت ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہیے۔

سوال13: خواہشات کی محبت کے بارے میں اسلام نے کیا راہ نمائی کی ہے؟

جواب:﴿1﴾ ایسی حدود کے اندر رہ کر خواہشات پوری کی جائیں جن سے نفس کی تعمیر ہو۔﴿2﴾ خواہشات کی محبت کی وجہ سے زندگی کی نشو ونما ہو۔﴿3﴾ انسان خواہشات کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے۔﴿4﴾ خواہشات کی محبت میں بھی انسان کا مقصد آخرت کے گھر کا حصول ہو۔﴿5﴾ انسان خواہشات کی محبت میں غرق ہو کر نہ رہ جائے۔﴿6﴾ اسلام نے شہوت ولذت اور اخلاقی بلندی و پاکیزگی میں توازن پیدا کیا ہے اور حد اعتدال میں اجازت دی ہے۔﴿7﴾ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت خیال کرتے ہوئے ذریعہ آخرت بنایا جائے اور شریعت کی حدود میں رہ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ مذموم اور مبغوض نہیں بلکہ پسندیدہ ہیں۔اصل چیز نیت اور عمل ہیں۔

سوال14:﴿ **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے'' دنیا اور اس میں جو کچھ ہے، پانی کی طرح ہے۔اس میں انسان کا دل ایک کشتی کی طرح ہے۔پانی جب تک کشتی کے نیچے اور ارد گرد رہے تو کشتی کے لئے مفید اور اس کے مقصد وجود کو پورا کرنے والا ہے۔اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو یہی کشتی کے غرق ہونے اور تباہی کا سامان ہو جاتا ہے۔دنیا کا مال ومتاع جب تک انسان کے دل پر غالب نہ ہو اس کے لئے دین و دنیا میں مددگار ہے اور جس وقت اس کے دل پر چھا جائے تو دل کی بربادی ہے۔﴿2﴾ دنیا میں جو کچھ ہے قلیل ہے، زائل ہونے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔﴿ **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے''یعنی لوٹ کر جانے کی بہترین جگہ ہے۔اس لیے دنیا سے وہ طلب نہ کرو جو﴿ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴾''اچھا ٹھکانہ'' کو حرام کر دے۔یا اللہ ایسے حُسْنُ الْمَاٰبِ کو ہمارے لیے حرام نہ کر دینا۔(ترمذی:2322)

﴿ **قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ(15)** ﴾

''آپ کہہ دیں کیا میں تمہیں ان سب سے بہتر نہ بتاؤں؟ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور نہایت پاک صاف بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔''(15)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ جب کہ تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے بہترین چیزیں بتاتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر:397/1)

سوال2: ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''آپ کہہ دیں کیا میں تمہیں ان سب سے بہتر نہ بتاؤں؟ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ جو ان تمام چیزوں سے عورتوں، بیٹوں، مال اور جائیداد وغیرہ سے زیادہ بہتر ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ ''پرہیزگاروں کے لیے'' جو اپنے رب سے ڈر گئے اور جنہوں نے شرک کو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کو چھوڑ دیا۔ ﴿3﴾ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں'' ان کے محلات اور درختوں کے نیچے سے نہریں بہیں گی۔ دودھ، شہد، شراب اور شفاف پانی کی نہریں۔ ﴿4﴾ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی وہ اس میں رہیں گے تو اس کے بعد کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے متقیوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ ان کے لیے آخرت کی نعمتیں دنیا کی مرغوبات سے بہتر ہیں۔ وہاں کے باغات میں خوب صورت محلات، پھلوں سے لدے ہوئے درخت، ان کے نیچے سے بہتی نہریں، پاک بیویاں اور ہمیشہ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا جس سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں۔ ان دونوں جہانوں کا موازنہ کر کے انتخاب کر لیں۔

سوال3: تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے تمام خواہشات کی محبت سے افضل کیوں قرار دیا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے عذابوں کے خوف سے اس کے روکے سے رک جانا تقویٰ ہے۔ ﴿2﴾ تقویٰ اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کا ڈر ہے جو روحانی اور مادی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ خواہشات میں غرق ہونے سے بچاتا ہے۔ ﴿4﴾ تقویٰ دنیا کی خواہشات کے مقابلے میں آخرت کی خواہشات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھنے کی وجہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دنیا اور آخرت کی خواہشات کے مقابلے میں سب سے بھاری، سب سے بڑی نعمت ہے۔

سوال4: جو شخص ہمیشہ کی زندگی کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے اس کی زندگی کیسی ہوگی؟

جواب:﴿1﴾جوشخص ہمیشہ کی زندگی کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے دنیا کی رونقیں اس کی نظر میں حقیر ہوجائیں گی۔﴿2﴾اس کا دل اس یقین سے بھر جائے گا کہ آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔﴿3﴾ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرے گا۔﴿4﴾ایسا شخص آخرت کے لیے زیادہ حریص بن جائے گا۔﴿5﴾ایسا شخص معاملات میں اپنی خواہشات کے پیچھے نہیں بھاگے گا۔﴿6﴾ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے عدل کو سامنے رکھ کر اپنا رویہ متعین کرے گا۔﴿7﴾ایسے شخص کے قول اور عمل میں فرق نہیں ہوگا۔﴿8﴾ایسے شخص کا مال اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوجائے گا۔﴿9﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی بھی مشکلات آئیں ایسا شخص پوری استقامت کے ساتھ اس راستے پر قائم رہے گا۔﴿10﴾اس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے پگھلے گا۔﴿11﴾اس کی تنہائیاں رب کی محبت میں بسر ہوں گی۔﴿12﴾اس کے پاس اس کے سوا کہنے کے لیے کچھ نہیں ہوگا کہ اے میرے اللہ! مجھے معاف کردے۔

سوال5:﴿وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾''اورنہایت پاک صاف بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اورنہایت پاک صاف بیویاں ہیں''،جو حیض،منی،بول اور ہر طرح کے ظاہری و باطنی عیب اور نجاست سے پاک ہوں گی۔﴿2﴾''اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے''،اللہ عزوجل کی رضا ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے جیسا کہ فرمایا:﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی سب سے بڑی ہے۔(التوبہ:72)﴿3﴾سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگ خوش ہوگئے؟ تو اہل جنت کہیں گے: ہم کیوں نہ خوش ہوتے؟ تو نے تو ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو بھی نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں ایسی رضامندی جس کے بعد تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔(صحیح مسلم:7140)

سوال6:﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾''اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اور ان کی اچھی بری صفات کی خبر رکھتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ کون نعمتوں کو پاکر اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے؟﴿3﴾اللہ تعالیٰ بصیر ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کو ان کے حق کے مطابق اجر دے گا۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ(16)﴾

''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''(16)

سوال1: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ ''جولوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جولوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے''ایمان دل میں راسخ یقین کو کہتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم دل میں راسخ یقین کے ساتھ اس پر ایمان لائے جو آپ نے اپنے رسولوں پر نازل کیا ہے۔ ﴿3﴾ ایمان عقل پر نگہبان اور بدنی اعمال پر غالب رہتا ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں پھرتا الا یہ کہ نادانی یا بھول چوک ہو جائے۔ ﴿4﴾ ایمان کی وجہ سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ ﴾ اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا صرف انہی کے لیے ہے جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر جلد ہی اس سے توبہ کرتے ہیں۔(النساء:17) ﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴾ اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں۔(طٰہٰ:82)

سوال 2: اس آیت میں متقیوں کی کن خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔؟

جواب: اس آیت میں جنت الفردوس کے وارث ہونے والے متقیوں کی صفت ایمان، خشیت اور ان کی دعا کا ذکر کیا گیا۔

سوال3: ﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ ''سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے''ایمان لانے کے بعد انسانوں کو گناہوں کی بخشش کی فکر کیوں لاحق ہو جاتی ہے؟

جواب: ''سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے''ایمان لانے کے بعد ہی انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال صالحہ کی جزا اور گناہوں کی سزا ملے گی۔اس لیے اسے گناہوں کی بخشش کی فکر لاحق ہو جاتی ہے تاکہ وہ آگ کے عذاب سے بچ سکے۔

سوال4: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ ''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے''متقی اللہ تعالیٰ سے کیسے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ ''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لائے''متقی سب سے پہلے اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور قبولیت کی گھڑیوں میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم آپ پر، آپ کی کتاب پر، آپ کے نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان کی بنیاد پر مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ ''سو ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دیں''متقی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے ایمان کی بدولت ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے۔اپنی رحمت سے ہماری خطائیں معاف فرما دیجئے۔ ﴿3﴾ ﴿ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔متقیوں کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں گناہوں کے برے نتائج یعنی جہنم کی آگ سے بچا لیجئے۔ ﴿4﴾ اس آیت سے رات کے آخری حصے میں استغفار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا:

رات کے آخری حصے میں برکت اور بلندی والا معبود پہلے آسمان پر اتر کر اعلان فرماتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ (سنن ترمذی)

﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (17) ﴾

''وہ صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرماں برداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور سحری کے اوقات میں بخشش مانگنے والے ہیں۔'' (17)

سوال 1: ﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ ''وہ صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرماں برداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور سحری کے اوقات میں بخشش مانگنے والے ہیں'' اس آیت میں تقویٰ والوں کی کن صفات کمال کا تذکرہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں متقیوں کی جن صفات کمال کا تذکرہ ہے وہ صبر، صداقت، قنوت، انفاق اور سحری کے وقت استغفار ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''صبر کرنے والے'' جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں پر کاربند رکھتے ہیں، اس کی ناراضگی کے کاموں یعنی گناہوں سے بچنے کے لیے استقامت اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق پیش آنے والے مصائب اور مشکلات پر صبر کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ ﴿ وَالصّٰدِقِيْنَ ﴾ جو اپنے ایمان، اقوال اور حالات میں سچے ہیں۔ ﴿4﴾ ﴿ وَالْقٰنِتِيْنَ ﴾ ''اور فرماں برداری کرنے والے'' قتادہ اور ربیع بن انس نے کہا: ''جو دل کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (ابن ابی حاتم) ﴿5﴾ ﴿ وَالْمُنْفِقِيْنَ ﴾ ''اور خرچ کرنے والے'' جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ ضرورت مندوں کو بھی دیتے ہیں اور دین کی حفاظت کے کاموں میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ ﴿6﴾ ﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ ''اور سحری کے اوقات میں بخشش مانگنے والے ہیں'' اس سے مراد رات کے آخری حصے میں تہجد ادا کرنا اور کثرت سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہے۔

سوال 2: صبر انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب: صبر سے انسان کے اندر تین بنیادی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں: ﴿1﴾ ثابت قدمی۔ ﴿2﴾ مشکلات میں بھی اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہنا۔ ﴿3﴾ انسان کا اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جانا کہ یہ میرے بارے میں میرے رب کا فیصلہ ہے۔

سوال 3: صدق (سچائی) سے انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: صدق انسان کو نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت تک لے جاتی ہے۔

سوال 4: قنوت کسے کہتے ہیں؟

جواب:(i)اطاعت پر ہمیشگی اختیار کرنا۔(ii)اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع کے ساتھ دل کو جھکائے رکھنا۔(iii)قنوت عبادت کی روح اور خلاصہ ہے۔(iv)قنوت کے بغیر عبادت بے روح اور بے ثمر درخت ہے۔

سوال5: انفاق سے کیا مراد ہے؟

جواب: انفاق سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا ہے خواہ وہ واجب نفقہ ہو یا مستحب۔انفاق نیکی کے تمام کاموں میں ہوتا ہے جس پر شارع نے رغبت دلائی ہو۔

سوال6: انفاق فی سبیل اللہ کا فائدہ کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾انفاق فی سبیل اللہ سے انسان کو بخل سے نجات ملتی ہے۔﴿2﴾انفاق سے مومن عملاً انسانی اخوت کو ذاتی خواہشات اور لذّات پر ترجیح دیتا ہے۔﴿3﴾انفاق کی وجہ سے مومن دولت کے ہاتھوں رسوا نہیں ہوتا۔﴿4﴾انفاق سے مومن social security کا ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جو سب انسانوں کے لیے خوش گوار ہوتا ہے۔﴿5﴾انفاق فی سبیل اللہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

سوال7: رات کے پچھلے پہر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کون کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾جس کے لیے آخرت کی کامیابی سب سے بڑا کام بن جائے۔﴿2﴾جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول سب سے بڑا مشن بن جائے۔﴿3﴾جو اپنے آپ کو معمولی اور گناہ گار سمجھتا ہے اس لیے رب سے مغفرت کی درخواست کرتا ہے اور ایسا وقت منتخب کرتا ہے جب دعائیں قبول ہوتی ہیں۔﴿4﴾سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول رات، درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھے ہیں سب سے آخری وقت رسول اللہ ﷺ کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا۔﴿5﴾سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام سیدنا نافع سے پوچھتے کیا سحر ہوگئی؟ جب وہ کہتے: ہاں تو آپ رضی اللہ عنہ صبح صادق کے نکلنے تک دعا و استغفار میں مشغول رہتے۔﴿6﴾سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے، اے اللہ تو نے مجھے حکم کیا میں بجالایا، یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخشش دے، میں نے دیکھا تو وہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔﴿7﴾سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم جب تہجد کی نماز پڑھیں، تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں، اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں۔(تفسیر ابن کثیر:398/1)

سوال8: رات کی آخری گھڑیوں میں استغفار کرنا انسان کے لیے کیسے بہت مفید ہو جاتا ہے؟

جواب: رات کی آخری گھڑیوں میں استغفار کرنا انسان کے لیے اس اعتبار سے بہت مفید ہو جاتا ہے کہ ﴿1﴾یہ وقت پرسکون ہوتا ہے۔﴿2﴾اچھے خیالات کا انسان کے دل وذہن پر القاء ہوتا ہے۔﴿3﴾اس میں انسانی نفس کے تصورات جاگ جاتے ہیں۔﴿4﴾ایسے وقت میں انسان کی روح اور کائنات کی روح رب کائنات کے سامنے ایک ہو جاتی ہے۔﴿5﴾ایسے وقت میں استغفار انتہائی عمدہ روحانی

اثرات پیدا کرتی ہے۔

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (18) ﴾

''اللہ تعالیٰ نے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے گواہی دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب پر غالب، بکمال حکمت والا ہے۔'' (18)

سوال 1: ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے گواہی دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے معبود برحق ہونے کی شہادت کیسے دی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا پختہ ترین ثبوت پیش کیا ہے وہ ہے اللہ عز وجل کی اپنی گواہی اور اس کی مخلوق میں سے معزز ترین افراد یعنی فرشتوں اور علماء کی گواہی۔ (تفسیر سعدی: 348/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور جو کچھ وحی کے ذریعے سے بیان کیا اس کے ذریعے اس نے اپنی وحدانیت کی شہادت دی ہے۔ (فتح القدیر) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی شہادت یہ ہے کہ اس نے توحید پر قطعی دلائل قائم فرمائے ہیں۔ اس عظیم اصول پر آفاق والنفس کے دلائل قائم ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا جو بندہ بھی توحید کا علم لے کر اٹھا ہے اس نے ہمیشہ توحید کا انکار کرنے والوں اور مشرکوں کے خلاف اس کی مدد کی ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ اس کے سوا کوئی مشکلات کو دور نہیں کر سکتا۔ ﴿6﴾ مخلوق کے تمام افراد عاجز ہیں جو نہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں اور نہ کسی اور کے نفع ونقصان پر اختیار رکھتے ہیں۔ ﴿7﴾ یہ زبردست دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا واجب ہے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا باطل ہے۔ (تفسیر سعدی: 348/1) ﴿8﴾ ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ ''اور فرشتوں اور اہل علم نے'' فرشتے اور اہل علم بھی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ فرشتوں کی گواہی کا علم ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بتانے سے ہوا ہے۔ ﴿9﴾ ﴿ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ اور اہل علم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کتاب اور سنت کا علم رکھتے ہیں۔ (فتح القدیر) ﴿10﴾ اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر توحید کے معاملے میں۔ ﴿11﴾ علماء کا توحید پر اتفاق ہے۔ انہوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 349/1) ﴿12﴾ اہل علم اپنے علم کی وجہ سے باقی ساری کائنات کے مقابلے میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ﴿13﴾ عقیدہ توحید پر اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے جو ساری حقیقتوں کا براہ راست علم رکھتا ہے۔ معتبر فرشتوں کی گواہی ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چلتا۔ مخلوقات میں سے جن کے پاس علم ہے ان کی گواہی ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کی تدبیر اور انتظام کرنے والا ہے۔ ﴿14﴾ اللہ تعالیٰ نے

انبیاء کو منتخب کر کے اس عظیم معاملے میں شہادت دینے کے لیے مقرر کیا۔﴿15﴾﴿قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾''اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے''یعنی اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور بندوں کے معاملات کے فیصلے کرنے میں ازل سے انصاف کے ساتھ متصف ہے۔امر ونہی میں بھی اس کا راستہ صراط مستقیم ہے،خلق و تقدیر میں بھی۔(تفسیر سعدی:349/1)﴿16﴾اللہ تعالیٰ،اس کے معزز فرشتوں،اہل علم،اور انبیاء کی گواہیوں کی وجہ سے مخلوق پر واجب ہے کہ وہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔﴿17﴾توحید پر عظیم گواہیوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کا علم حاصل کرنا ہے۔

سوال2: امت مسلمہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے شہادت کے مقام پر فائز کیا ہے،قرآن حکیم سے مثال دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔(البقرہ:143)

سوال3:﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾''اس کے سوا کوئی معبود نہیں،سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے''کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾''اس کے سوا کوئی معبود نہیں''اس کے سوا کوئی رب نہیں،اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔﴿2﴾﴿هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾''وہ سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے''وہ اپنے ملک اور اپنی خلق میں غلبہ رکھنے والا العزیز ہے اور اپنے تصرف میں الحکیم ہے،وہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر نہیں رکھتا۔مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ عرفات میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو اس کے بعد فرمایا:﴿وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ یَارَب﴾یعنی اے پروردگار!اور میں بھی اس پر شاہد ہوں۔(ابن کثیر)

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ(19)﴾

''یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے،اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے اختلاف نہیں کیا۔مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا آپس میں ضد کی وجہ سے اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔''(19)

سوال1:﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾''یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے''دین کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾دین سے مراد ایسا نظام زندگی یا ضابطہ حیات ہے جسے انسان اس دنیا کے لیے یا دنیا و آخرت دونوں کے لیے بہتر سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔(تیسیر القرآن:252/1)﴿2﴾اسلام کا مطلب سر تسلیم خم کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اطاعت پر جس کی دعوت اس کے رسولوں نے دی،جس کی ترغیب اس کی کتابوں نے دی۔اس کے سوا کوئی دین قبول نہیں۔﴿3﴾اسلام میں یہ بھی شامل ہے کہ محبت،خوف،امید،انابت اور دعا خالصتاً اس کے لیے ہو اور اس مقصد کے لیے اس کے رسول ﷺ کی پیروی کی جائے۔یہی تمام رسولوں کا دین ہے

جوان کی پیروی کرے گا وہ ان کے راستے پر ہوگا۔(تفسیر منان:351)《4》ہر نبی کے زمانے میں ان کا لایا ہوا دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول تھا۔سب سے آخر میں نبی ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام کہلایا جو قیامت تک باقی رہے گا۔《5》رب العزت کا فرمان ہے:《وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ》اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔(آل عمران:85)《6》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے،(شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔"(صحیح مسلم:386)《7》اہل کتاب اور مشرکین عرب کو آپ ﷺ نے دعوت دی۔آپ ﷺ نے اس آیت کے مطابق عرب وعجم کے تمام ملوک وامرا کو دعوتی خطوط لکھے۔

سوال2:《وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ》"اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا آپس میں ضد کی وجہ سے"اہل کتاب نے علم آجانے کے بعد کیوں اختلاف کیا؟

جواب:《1》اہل کتاب کو ان کی کتابیں متحد ہو کر دین پر عمل کرنے کا حکم دیتی تھیں۔لیکن انہوں نے علم آجانے کے بعد ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے باہم اختلاف کیا۔《2》لوگوں کے باہمی اختلاف سے مراد ایک ہی دین کے ماننے والوں کے درمیان اختلاف ہے مثلاً یہودیوں کے اختلافات،عیسائیوں کی فرقہ بندیاں۔《3》اختلافات کی بنیاد دلائل نہیں بلکہ حسد اور بغض تھا۔《4》《بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ》"آپس میں ضد کی وجہ سے"اس سے مراد ظلم اور حسد ہے۔《5》اختلاف کی وجہ ضد ہے اور حسد اور تکبر کی نفسیات اسلام کی سچائی کا اعتراف نہیں کرنے دیتی۔《6》اختلاف کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حق واضح نہیں۔حق واضح ہوتا ہے لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتے۔

سوال3:《وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ》"اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہاں آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے سچے دین ہونے پر گواہ ہیں۔《2》مسند احمد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا وہ بیمار پڑ گیا۔نبی ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا آپ ﷺ نے فرمایا:اے فلاں لا الہ الا اللہ کہہ۔اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کو خود بھی چپ ہو گیا،آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا۔اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا:ابوالقاسم ﷺ کی مان لے تو اس بچے نے کہا:اشهد ان لا الـه الا الله وانک رسول الله ۔نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچالیا۔(تفسیر ابن کثیر:400,401/1)《3》اللہ تعالیٰ نے

اپنے سریع الحساب ہونے کاعلم اس لئے دلایا ہے کہ لوگ باہمی اختلافات چھوڑ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا حساب دینا ہے۔

﴿ فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (20) ﴾

''پھر وہ لوگ اگر آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دو کہ میں نے اور جنہوں نے میری پیروی کی اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور آپ ان لوگوں سے جو کتاب دیے گئے اور ان پڑھوں سے کہہ دیں: ''کیا تم تابع ہو گئے''؟ پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو یقیناً ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔''(20)

سوال1: ﴿ فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ ''پھر وہ لوگ اگر آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دو کہ میں نے اور جنہوں نے میری پیروی کی اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا'' اس بات سے کیا توجہ دلائی جا رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَإِنْ حَآجُّوكَ ﴾ ''پھر وہ لوگ اگر آپ سے جھگڑا کریں'' یعنی باطل دلیلوں سے آپ کے ساتھ جھگڑیں۔ ﴿2﴾ ﴿ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ ﴾ ''تو آپ کہہ دو کہ میں نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا'' اس سے مراد ہے کہ میں نے اپنے تمام قلبی اور بدنی اعمال اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لیے خالص کر لیے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ﴿ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ یقیناً میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یکسو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: 79) ﴿3﴾ ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے یعنی جنہوں نے اپنے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا۔ ﴿4﴾ میں نے اور میرے پیروکاروں نے اپنے مالک کے سامنے سر جھکا دیے ہیں اور ہم نے اسلام کے سوا سارے مذاہب کو چھوڑ دیا۔

سوال2: ﴿ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ﴾ ''اور آپ ان لوگوں سے جو کتاب دیے گئے اور ان پڑھوں سے کہہ دیں: ''کیا تم تابع ہو گئے''؟ پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو یقیناً ہدایت پا گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اہل کتاب اور امیوں سے کہہ دو۔ ﴿2﴾ ﴿ أُوتُوا الْكِتَابَ ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ﴿3﴾ امیوں سے مراد مشرکین عرب ہیں کیونکہ ان میں پڑھے لکھے لوگ قلیل تھے۔ ﴿4﴾ ﴿ أَأَسْلَمْتُمْ ﴾ ''کیا تم تابع ہو گئے؟'' کیا تم اسلام لے آئے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کو مان لیا ہے؟ ﴿5﴾ ﴿ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ﴾ ''پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو یقیناً ہدایت پا گئے'' اگر وہ آپ کی دعوت قبول کر لیں تو وہ ہدایت کے راستے پر آ جائیں گے۔ ﴿6﴾ جس طرح تم ہدایت کے راستے پر ہو ایسے ہی وہ بھی تمہارے بھائی بن جائیں گے، ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تمہیں حاصل

ہیں اوران کے وہی فرائض ہوں گے جو تمہارے ہیں۔﴿7﴾انسان کو ہدایت اللہ تعالیٰ کے آگے سرِتسلیم خم کرنے سے، اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے سے ملتی ہے۔اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے سے اوراللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے سے انسان کو ہدایت ملتی ہے۔

سوال3:﴿وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ﴾''اوراگروہ منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اوراگروہ منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا ہے''اس سے مراد یہ ہے کہ اگرانہوں نے حق سے منہ موڑ لیا اور اس کو پہچاننے کے بعداس سے اعراض کیا تو ان کا معاملہ آپ کو نقصان نہیں دے گا جب کہ آپ نے انہیں حق پہنچا دیا۔﴿2﴾اگر کوئی ہدایت کے راستے پر آنے سے منہ پھیر لے تو دعوت دینے والا یقین رکھے کہ اس کا کام محض پہنچا دینا ہے۔﴿3﴾ہرایک نے حساب اپنے رب کو دینا ہے۔

سوال4:﴿وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾''اوراللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اوراللہ تعالیٰ بندوں کوخوب دیکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال دیکھنے والا ہے اوران کی نیتوں کو جاننے والا ہے۔

رکوع نمبر3

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ(21)﴾

''یقیناً جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اورلوگوں میں سے انہیں قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں تو آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔''(21)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ﴾''یقیناً جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اورلوگوں میں سے انہیں قتل کرتے ہیں جوانصاف کا حکم دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یہاں کفر کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں جو بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوئے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جوحق کا ثبوت پیش کرتی ہیں اورحق کا انکار کرنے والا ہی کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔﴿2﴾﴿وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ﴾''اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں''جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کرتے تھے جن کا حق اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا ہے۔انبیاء پر ایمان لانا،ان کی عزت کرنا،ان کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔﴿3﴾﴿وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ﴾''اورلوگوں میں سے

انہیں قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں'' وہ ان لوگوں کو بھی قتل کرتے تھے جو انصاف کا حکم دیتے تھے یعنی جو احسان اور خیر خواہی سے اچھی بات بتاتے اور بری بات سے روکتے انہیں وہ شہید کر دیتے۔ اپنے ان جرائم کی وجہ سے وہ دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

سوال2: پیغمبروں کو کیوں ناحق قتل کیا جاتا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ پیغمبروں کو اس لیے ناحق قتل کیا جاتا تھا کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دیتے تھے۔ جن لوگوں پر یہ دعوت ناگوار ہوتی تھی وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے، وہ دعوت دینے والے پیغمبر سے جان چھڑانا چاہتے تھے تاکہ کوئی ان کے معاملات پر تنقید نہ کرے، کوئی انہیں اپنی زندگی کی تبدیلی کی طرف توجہ نہ دلائے۔ اس وجہ سے پیغمبر کی طرف سے مسلسل دعوت یہودیوں کے اندر دشمنی کی آگ بھڑکاتی تھی حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا تھا جب لوگ غرور اور تکبر کی وجہ سے پیغمبر کو قتل کر دیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''غرور حق کو نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔'' ﴿2﴾ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے دن کس شخص کی سزا سب سے زیادہ سخت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی سزا سب سے سخت ہوگی جس نے کسی نبی کو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے شخص کو قتل کیا ہوگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: عبیدہ! ابو بنی اسرائیل نے نئے دن کے اول حصے میں اچانک حملہ کر کے تینتالیس (43) انبیاء کو بیک وقت قتل کر دیا تھا پھر بنی اسرائیل میں سے ایک سو بارہ عابد و زاہد میدان میں آگئے اور انہوں نے ان قاتلین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ شروع کر دی۔ شام ہوتے ہوتے یہ تمام لوگ موت کی گھاٹ اتار دیئے گئے یہ سب کچھ ایک دن میں ہوگیا۔ (فتح القدیر:417/1)

سوال3: یہود نے انصاف کا حکم دینے والوں کو کیوں قتل کیا؟

جواب: ﴿1﴾ یہود نے انصاف کا حکم دینے والوں کو اس لیے قتل کیا کہ وہ بھلائی کی طرف رغبت دلاتے تھے اور برائی سے نفرت دلاتے تھے اور انہیں حق ناگوار تھا۔ ﴿2﴾ یہود کو اصلاح کی کوششیں کرنے والے ناپسند تھے اس لیے انہوں نے اصلاح کرنے والوں کو قتل کیا۔ ﴿3﴾ یہودی غرور و تکبر میں مبتلا تھے انہیں سچی باتیں اور عدل و انصاف کی ترغیب ناگوار تھی اس لیے انہوں نے انبیاء اور انصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کیا۔

سوال4: ﴿فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ''تو آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو'' یہودیوں کو عذاب الیم کی بشارت کیوں دی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو قتل کیا، حق سے منہ پھیرا، غرور اور تکبر میں مبتلا ہوئے، لوگوں پر اپنی بڑائی جتانے لگے اور لوگوں میں سے انہیں قتل کرنے لگے جو انہیں انصاف کا حکم دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آخرت کی رسوائی کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب تیار کر دیے جس کی تکلیف بدنوں، دلوں اور روحوں کے لیے ہے جس کی شدت اور دکھ کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس قوم پر زیادہ ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ یہ معاملہ کیا اور آپ ﷺ اس وقت اپنے دانت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی پر بھی اللہ تعالیٰ کا غصہ زیادہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کا رسول، اللہ رب العزت کے راستہ میں قتل کرے۔ (صحیح مسلم:4648)

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ(22) ﴾

''یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔''(22)

سوال1: ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے'' یعنی ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضائع ہوگئیں۔ ﴿2﴾ حبوط کے لغوی معانی کسی جانور کا زہریلی گھاس کھا کر پھول جانا ہیں۔ اس سے بظاہر تو جانور موٹا تازہ ہوجاتا ہے لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ برباد اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی میں تو کافروں کے بڑے بڑے کارنامے ہیں لیکن قیامت میں ان کے کام کچھ نہیں آئے گا دنیا میں ان کے باطل کے لیے لگائی جانے والی قوتیں اور مال سب ضائع ہوجائیں گے اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿3﴾ اعمال کے ضائع ہوجانے سے مراد دنیا میں ان کا قبول نہ ہونا اور آخرت میں ان پر جزا کا نہ ملنا ہے۔

سوال2: یہود کو ان کے اعمال کی پاداش میں کون سی وعیدیں دی گئیں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے۔ ﴿2﴾ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ﴿3﴾ ان کے لیے دردناک، ذلیل کرنے والے عذاب تیار کر لیے گئے ہیں۔

سوال3: ﴿ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴾ ''اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلا دے۔ کوئی ایسا نہیں جو ان کی سزا میں ذرہ برابر کمی کروا سکے۔ وہ ہر خیر سے محروم ہوگئے اور ہر شر اور مصیبت کے حق دار بن گئے۔ یہی حالت ان ہی جیسے دوسرے لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر، انبیاء پر اور نیک لوگوں پر جری ہوجاتے ہیں۔

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ(23) ﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان

کے درمیان فیصلہ کرے پھران میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے،اس حال میں کہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔''(23)

سوال1:﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾'' کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی حالت بیان فرمائی ہے۔یہاں اہل کتاب سے مراد مدینہ کے یہودی ہیں جن کی اکثریت اسلام قبول کرنے سے محروم رہی، جورسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے حتیٰ کہ ان کے ایک قبیلے کوقتل اور دوسرے کوجلاوطن کر دیا گیا۔﴿2﴾﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾'' کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟'' یہودیوں اورعیسائیوں کوکتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا اور مسلمانوں کو پوری کتاب دی گئی ہے کیونکہ قرآن حکیم دین کے تمام اصولوں کا مجموعہ ہے اور پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔الکتاب سے مراد وہ سارا ریکارڈ ہے جواللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی زمانے، کسی بھی دور میں کسی بھی نبی پر اترا۔کتاب بھیجنے والا یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے،اس کی نگہبانی ایک ہے اور حقیقتاً کتاب بھی ایک ہے۔﴿3﴾ کتاب کا تقاضا تھا کہ وہ سب سے زیادہ اس پر قائم رہتے،اس کے احکامات کو مانتے لیکن ان کی حالت یہ ہوگئی کہ انہیں کتاب کے فیصلے کوقبول کرنے کی طرف بلایا جاتا ہےتو ان میں سے کچھ لوگ اپنے دلوں، اپنی روحوں اور اپنے بدنوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اس میں مسلمانوں کے لیے تنبیہ ہے کہ یہود جیسے نہ ہوجائیں ورنہ ان جیسی سزا کے مستحق ہوجائیں گے۔

سوال2: کیا پچھلی کتابوں کو جاننے اور ماننے والوں کے لیے قرآن کو پہچاننا ممکن ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں پیغمبروں پر وحی نازل کی ہے۔آخر میں قرآن حکیم کی صورت میں نبی ﷺ پر وحی نازل کی ہے۔اس لیے پچھلی کتابوں کو جاننے اور ماننے والوں کے لیے قرآن حکیم کو پہچاننا ممکن ہے۔﴿2﴾ہدایت ایک ہے، ہدایت بھیجنے والا ایک ہے۔یہ یکسانیت ہے اور یکسانیت کی وجہ سے پہچاننا مشکل نہیں ہے۔

سوال3: قرآن مجید کی دعوت اور پچھلی آسمانی کتابوں کی دعوت میں کیا فرق ہے؟

جواب:﴿1﴾ قرآن مجید کی دعوت خالص اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔﴿2﴾ پچھلی آسمانی کتابوں میں انسانی کلام کی آمیزش ہوگئی ہے۔﴿3﴾ قرآن مجید کی دعوت انسانوں کی ملاوٹ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پاک کررہی ہے۔

سوال4: قرآن مجید کی دعوت کا انکار کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ قرآن مجید کی دعوت کولوگ اپنے لیے سنجیدہ معاملہ نہیں سمجھتے تو خودساختہ عقیدوں کی وجہ سے آخرت کے عذاب سے خودکومحفوظ سمجھتے ہیں۔﴿2﴾ حق کے داعی کی طرف سے جب قرآن مجید کی دعوت دی جاتی ہےتو جولوگ قبول نہیں کرتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کوقبول نہ کرنے سے ان کی کامیابی خطرے میں پڑنے والی نہیں ہے۔

سوال5: کتاب اللہ کی دعوت کیا ہے؟

جواب:《1》زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے راہ نمائی لی جائے۔《2》معاشرے اور معاش کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لیے جائیں۔《3》نظریاتی اور عملی امور میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال6:《يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ》''انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان معاملات میں حکم بنایا جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تھے۔قرآن مجید کا ان کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ وہ ہدایت پر نہیں اس لیے ان سے منہ پھیرلیں۔(تفسیر خازن:234,235/1)

سوال7:《ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ》''پھر ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے،اس حال میں کہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے ہیں'' کتاب اللہ سے منہ موڑنے اور اس سے فیصلے نہ لینے کا اصل سبب کیا ہے؟

جواب:《1》یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی ہے جنہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ کنی کترا کر نکل جاتے تھے، جو یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم تورات اور انجیل پر عمل پیرا ہیں۔جب تورات اور انجیل کے حکم پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی کہ اس میں محمد ﷺ کی پیروی کا حکم ہے تو آؤ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور محمد ﷺ کی اتباع کرو تو وہ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔《2》کتاب اللہ سے منہ موڑنے اور اس سے فیصلے نہ لینے کا اصل سبب آخرت کے حساب و کتاب کے بارے میں یقین نہ ہونا ہے۔《وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ》اور جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اچانک ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے والا ہوتا ہے۔(النور:48)《3》جس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جائے اس کا فرض ہے کہ اس کتاب کو مانے،اسے دل سے تسلیم کرے اور اس کی اطاعت کرے۔رب العزت کا ارشاد ہے:《إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا》درحقیقت مومنوں کی بات ہی یہ ہوتی ہے جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے،وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرماں برداری کی۔(النور:51)

《ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ(24)》

''یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا تھا گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی،اور اس چیز نے ان کے دین کے بارے میں انہیں دھوکے میں ڈال دیا جو وہ گھڑا کرتے تھے۔''(24)

سوال1: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا تھا گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا تھا گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی'' وہ عقیدہ جس کی وجہ سے یہودیوں نے دھوکا کھایا تھا، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے، وہ یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں، اس لیے ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی اور اگر ہم دوزخ میں گئے تو صرف 7 دن جائیں گے۔ ان کے نظریے کے مطابق دنیا کی عمر 70,000 سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلے میں ہم ایک دن جہنم میں جائیں گے۔

سوال2: ﴿ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور اس چیز نے ان کے دین کے بارے میں انہیں دھوکے میں ڈال دیا جو وہ گھڑا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں کی افتراپردازی تھی کہ ہم جہنم میں 7 دن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنی کسی کتاب میں نازل نہیں کی۔ ان کی اسی افتراپردازی نے انہیں اپنے دین کے معاملے میں دھوکے میں مبتلا کیا۔ انہوں نے اپنی جانب سے ایک بات گھڑی کہ ہم جنت میں جائیں گے پھر اسی کو حقیقت سمجھ لیا اور گناہوں سے اجتناب نہیں کیا۔ یہ بات بہت بڑا جھوٹ ہے کیونکہ ان کا ہلاکت خیز انجام ہونے والا ہے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ جب بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا ہے وہ اس سے کنی کتراتے ہیں۔

سوال3: کیا آج مسلمانوں نے بھی خودساختہ عقیدے بنا رکھے ہیں جن کا دین سے تعلق نہیں، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ آج مسلمانوں نے بھی خودساختہ عقیدے بنا رکھے ہیں جن کا دین سے تعلق نہیں مفاد سے تعلق ہوتا ہے مثلاً (i) زندگی دنیا کا نام ہے اور دنیا کے ساتھ دین کا کیا تعلق؟ (ii) خاندانی زندگی میں دین کی ضرورت نہیں۔ (iii) لوگوں کی روزمرہ زندگی، معاشرتی رابطوں اور معاشی معاملات میں دین کو لانے کی ضرورت نہیں۔ ﴿2﴾ دین کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں مثلاً (i) دین پر عمل نہیں کیا جا سکتا بہت مشکل ہے۔ (ii) دین پر عمل کیا تو دنیا چھوٹ جائے گی۔ (iii) انسان نماز، روزہ، زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لے یہی کافی ہے۔ (iv) بندہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کر لے بس یہ کافی ہے۔ (v) عورت اپنے گھر اور بچوں کا خیال رکھ لے بس یہ کافی ہے۔ (vi) عورت اپنے شوہر کو خوش کر دے تو جنت اسی کی ہے چاہے وہ نمازیں نہ پڑھے، چاہے وہ دین پر نہ چلے۔ (vii) بس انسان کا اخلاق اچھا ہونا چاہئے۔ (viii) تجارتی معاملات میں کسی کو دھوکہ نہ دے یہی کافی ہے۔ (ix) اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ (x) اللہ تعالیٰ آخرت میں مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے چند دن دوزخ میں رکھ کر جنت میں داخل کر دے گا۔

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (25) ﴾

’’ تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لئے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘(25)

سوال1: ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ’’ تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لئے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں‘‘ اس تصور کے بندۂ مومن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’ تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لئے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں‘‘ یہ ایک خوف ناک دھمکی ہے جسے سن کر مومن کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ دن بڑا خوف ناک ہوگا۔ وہ انصاف کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا دن ہوگا، اس دن ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے جواب نہیں دیا، جواب تو خود ہی نظروں کے سامنے آ گیا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ’’اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں‘‘ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

سوال2: ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ ’’ اور ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سعید ابن جبیر نے کہا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ سے مراد نیک اور فاجر ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ مَّا كَسَبَتْ ﴾ سے مراد جو کچھ اچھا یا برا کام کیا۔ ﴿3﴾ قیامت کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿4﴾ ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ ’’ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘ ان پر ان کے اعمال کے بارے میں ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کی نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اور برائیوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہودیوں کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں جو شدید ترین عذاب کا حق دار بناتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوگا جو ان کے جیسے عمل کرتے ہیں۔

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (26) ﴾

’’ آپ کہہ دیں اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، تیرے ہاتھ میں ہی سب بھلائی ہے، تو ہر چیز پر یقیناً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘(26)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے دعا فرمائی کہ روم اور فارس کی بادشاہت آپ کی امت کو دے دی جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(جامع البیان:246/3)

سوال2: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ ''آپ کہہ دو کہ اے اللہ! بادشاہی کے مالک!'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کا طریقہ سکھایا ہے اور تسبیح وتحمید کی تعلیم دی ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت میں ملک سے مراد نبوت ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جو تمام ملکوں کا مالک ہے، بادشاہ ہے۔ ﴿4﴾ مالک کا لفظ دعا کے شروع ہی میں لا کر یاد دلا دیا کہ مالکانہ تصرف کا حق واختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جارہی ہے۔ ﴿5﴾ یعنی اے اللہ! تو بادشاہ ہے جو تمام ملکوں کا مالک ہے۔ بادشاہ کی صفت علی الاطلاق تیرے لیے ہے اور آسمان کی اور زمین کی تمام سلطنت تیری ہی ہے اس میں تبدیلیاں لانا اور انتظام کرنا سب تیرے ہاتھ میں ہے۔(تفسیر سعدی:354/1)

سوال3: اللہ تعالیٰ کے مالک الملک ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ وہ ہے جو ساری کائنات اور تمام انسانوں کا مالک ہے۔ ﴿2﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ وہ ہے جو تمام اختیارات کا مالک ہے۔ ﴿3﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ ﴿4﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ وہ ہے جو جسے چاہے بادشاہ بنادے جسے چاہے فقیر کردے۔ ﴿5﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ وہ ہے جو جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کردے۔ ﴿6﴾ وہ جو کچھ چاہتا ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اس کی عطا عاریتاً ہے۔ ﴿7﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ جب چاہتا ہے، جس سے چاہتا ہے اپنا ملک واپس لے لیتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے مالک الملک ہونے کا یقین انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے مالک الملک ہونے کے یقین سے یہ شعور ملتا ہے کہ کسی بھی چیز کا کوئی اصلی مالک نہیں کہ وہ اپنی ذاتی خواہش کے مطابق اسے استعمال کرے۔ ﴿2﴾ انسانوں کی ملکیت عارضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو ان شرائط اور پابندیوں کے تحت ہے جن کے ماتحت عطا کرنے والے نے عطا کی ہے۔ ﴿3﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ کی تعلیم اور راہ نمائی کے مطابق حکومت اور ملکیت میں تصرّف ہوگا۔ ﴿4﴾ ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ کی شرائط کے خلاف اگر حکومت اور ملکیت میں تصرف ہوگا تو وہ باطل ہوگا۔ ﴿5﴾ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس دنیا میں ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ کی شرائط کے خلاف ہر تصرف کو مسترد کردیں۔

سوال5: ﴿تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ ''تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے'' یعنی بادشاہت اور تصرف کے اختیارات بھی تیرے ہاتھ میں ہیں جس کو جو چاہے عطا

کردے، مالک تو ہی ہے۔﴿2﴾تو جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔حکومت کا چھن جانا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔﴿3﴾اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایران کے کسریٰ بادشاہوں سے اور روم کے قیصر بادشاہوں سے اور ان کے پیروکاروں سے حکومت چھین کر محمد ﷺ کوعطا فرمائے گا اور ایسا ہی ہوا۔﴿4﴾حکومت کا مل جانا اور چھن جانا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے کچھ دینی اور تکوینی اسباب بھی قائم کر رکھے ہیں۔یہ اسباب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ نے حکومت کے حصول کے لیے جو اسباب مقرر کیے ہیں ان میں سے ایمان اور اعمال صالحہ، مسلمانوں کا باہمی اتحاد، صبر وثبات اور باہمی تنازعات سے پرہیز وغیرہ ہیں۔﴿6﴾رب العزت نے فرمایا:﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بہ ضرور جاں نشین بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جاں نشین بنایا تھا۔(النور:55)﴿7﴾﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(الانفال:45،46) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مومنوں کی باہمی محبت، ثابت قدمی اور اتفاق دشمنوں پر فتح کا باعث ہے۔مسلمانوں کی حکومت کے ختم ہونے کا بڑا سبب دین سے دوری اور باہمی اختلاف ہے جس سے دشمن کو حوصلہ ملتا ہے اور وہ ان کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔

سوال6: ﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ ’’اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، تیرے ہاتھ میں ہی سب بھلائی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے تیرے ہاتھ میں ہی سب بھلائی ہے‘‘ یعنی ﴿1﴾عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے حکم، فیصلوں اور ارادے میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی جبر نہیں۔﴿4﴾سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ عزت اور ذلت دیتا ہے۔﴿6﴾اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی وجہ سے عزت اور معصیت کی وجہ سے ذلت دیتا ہے۔﴿7﴾اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ معزز ہے جو ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت سمجھے۔جو عزت اور ذلت کو خالص اللہ تعالیٰ کی چیز سمجھے۔﴿8﴾اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ عزت کے لائق نہیں جو ہر چیز پر اپنی ملکیت سمجھے، جو عزت کو خالص اپنا ذاتی حق سمجھے۔﴿9﴾﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ ’’تیرے ہاتھ میں ہی سب بھلائی ہے‘‘ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سارے اختیارات ہیں اور اس کی نگہبانی میں سب کا بھلا ہے۔﴿10﴾تمام بھلائیاں صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی

بھلائی دینے والانہیں۔وہ کائنات اور انسان کی نگہبانی انصاف اور عدل کے ساتھ کرتا ہے۔اس کا دینا اور واپس لینا سب انصاف کے ساتھ ہے۔اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہ ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔وقت کے بڑے جس کو بے حقیقت سمجھیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے حق میں سر بلندی کا فیصلہ کر دے۔نصرت، غنیمت اور عزت اسی کے ہاتھ میں ہے۔علم کی مسند پر بیٹھنے والے جس کی جہالت کا فتویٰ دے دیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو اسی کے ذریعے علم کا چشمہ جاری کر دے۔

سوال 7: ﴿ **اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ﴾ ''تو ہر چیز پر یقیناً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کیسے یقین دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو ہر چیز پر یقیناً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کوئی چیز تیرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی سب کچھ تیری قدرت اور مشیت کے تحت ہے۔صرف تیرے ہاتھ میں ہر خیر کے خزانے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:177/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دینے اور چھین لینے سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے عزت اور ذلت دینے سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے بے جان سے جان دار اور جان دار سے بے جان پیدا کرنے سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے بے حساب رزق دینے سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔

﴿ **تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ٘ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ٘ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ** (27) ﴾

''تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور تو ہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔'' (27)

سوال 1: ﴿ **تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ** ﴾ ''تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے'' رات کو دن میں داخل کرنے اور دن کو رات میں داخل کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد موسموں کی تبدیلی ہے۔غیر محسوس طور پر کائنات میں ہونے والی حرکت سے رات دن کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور دن رات میں پرو دیا جاتا ہے۔گرمیوں میں رات کا ایک حصہ دن میں بدل جاتا ہے اور سردیوں میں دن کا ایک حصہ رات بن جاتا ہے۔رات کی تاریکی میں دن کی روشنی داخل ہو جاتی ہے اور دن کی روشنی میں رات داخل ہو جاتی ہے۔زمین تاریک ہے۔وہ سورج کے سامنے اپنے مرکز کے گرد گھوم رہی ہے۔اس طرح تاریک حصہ روشن حصے سے بدلتا رہتا ہے اور روشن حصہ تاریک سے بدلتا رہتا ہے۔کائنات کے

اندر ہونے والی یہ مسلسل حرکت بتا رہی ہے کہ اس نظام میں بلاشبہ حکیم و دانا کا ہاتھ ہے۔ یہ کائنات کی گواہی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ ”تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے“ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے موسموں میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ روشنی، دھوپ، سایہ، سکون اور انتشار پیدا ہوتا ہے رات اور دن بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، حکمت اور رحمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (تفسیر سعدی: 355/1)

سوال 2: ﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ”اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور تو ہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے“ اللہ تعالیٰ مردہ عناصر سے زندگی کو وجود میں لاتا ہے اور زندہ چیزوں کو مردہ عناصر میں بدل دیتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ زندگی کو موت کی طرف بڑھاتے ہیں اور موت سے زندگی کو نکالتے ہیں۔ ﴿3﴾ ایک زندہ مخلوق پر جو لمحہ بھی گزرتا ہے اس میں زندگی کے ساتھ موت بھی طاری کرتے رہتے ہیں۔ اس کی زندگی کو موت کھا لیتی ہے اور پھر سے زندگی نمودار ہوتی ہے مثلاً: (i) زندہ جسم کے اندر موت کو دیکھنا چاہیں تو ایک زندہ مخلوق کے خلیے [cells] ختم ہوتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ جدید خلیے پیدا ہوتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔ (ii) جو cells مرجاتے ہیں وہ دوسرے period میں دوبارہ زندہ ہوجاتے ہیں اور جو زندہ ہوجاتے ہیں وہ دوسرے دور میں پھر dead ہوجاتے ہیں۔ ﴿4﴾ زندہ وجود پورے کا پورا ختم ہوجاتا ہے تو اس کے cells ذرّات کی شکل اختیار کرتے ہیں اور پھر دوسرے زندہ جسم میں آتے ہیں۔ اس طرح زندگی اس جسم میں داخل ہوتی ہے۔ ﴿5﴾ انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کوئی زندہ مخلوق تیار کرسکتا ہے۔ ﴿6﴾ اس دعوے پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ موت و حیات کا یہ نظام اتفاقاً قائم ہوگیا ہے۔ ﴿7﴾ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیاء مسخر ہیں۔ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ متضاد اشیاء کو پیدا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سبب مجبور کرتا ہے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرتے ہیں۔ ﴿9﴾ ﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے“ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے چوزے کو انڈے سے نکالتا ہے۔ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے، درخت کو بیج سے نکالتا ہے اور کافر سے مومن کو نکالتا ہے۔ ﴿10﴾ ﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ”اور تو ہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے“ جیسے پرندے سے انڈا، درخت سے گٹھلی اور مومن سے کافر وغیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

سوال 3: رات اور دن کا نظام اور موت و حیات کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس سے کیا سمجھانا مطلوب ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رات اور دن کا نظام اور موت و حیات کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے یہ سمجھانا مطلوب ہے کہ انسانی زندگی کے لیے راہ نمائی کا نظام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿2﴾ انسان دوسرے انسانوں کو اپنا غلام نہیں بنا سکتے، اپنی فکر اور اپنے نظریے

کو جبراً دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتے۔انسان صرف اللہ تعالیٰ کا غلام ہے۔

سوال4: ﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''اور تو جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تو جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے جہاں سے انسان کو گمان بھی نہیں ہوتا اور نہ اس نے کمائی کی ہوتی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن (سواری پر) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے! میں تجھے چند باتیں بتلاتا ہوں۔تو اللہ تعالیٰ کے (احکام) کی حفاظت کر! اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا۔تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھ، تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔جب تو سوال کرے تو صرف اللہ تعالیٰ سے کر، جب تو مدد چاہے تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر اور یہ بات جان لے کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور وہ اگر تجھے کچھ نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔(جامع ترمذی:2516) ﴿2﴾ وہ نیک اور فاجر کو بے حساب دیتا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اسی کا ہر چیز پر اختیار ہے۔

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ (28)﴾

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح سے بچنا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''(28)

سوال1: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں'' غیر مسلموں سے دوستی پر اللہ تعالیٰ نے پابندی کیوں عائد کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں سے دوستی لگانے سے روکا ہے کہ نہ ان سے محبت رکھیں، نہ ان کی مدد کریں، نہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سے مدد لیں۔﴿2﴾ مومن سارے انسانوں کے ساتھ نیکی اور عدل کا سلوک کرنے کا پابند ہے۔اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہیں۔غیر مسلم اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والا اس کے دشمن سے دوستی کیسے رکھ سکتا ہے؟ ﴿3﴾ جب غیر مسلموں سے دوستی مسلمانوں کے مفادات کی قیمت پر ہو تو ایسی دوستی مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

سوال2: ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ﴾ ''اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ کافروں سے دوستی کرنے والے کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ ﴿2﴾اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں سے دوستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ نہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے کٹ گیا ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ کافروں سے دوستی اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے ایمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں یعنی مومنوں سے تعاون کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿3﴾ایسا شخص نہ اللہ تعالیٰ کے دین پر ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا رابطہ ہے اور نہ دوستی۔ ﴿4﴾جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی لگا تا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اس کے اولیاء کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ایسا شخص مسلمانوں کی جماعت سے نکل جاتا ہے اور کافروں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ انہی میں سے ہے۔ (المائدۃ:51)

سوال3:﴿اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح سے بچنا'' کیا کفار کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ان سے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح سے بچنا'' بچاؤ کی تدبیر کے طور پر کسی مسلمان کو غیر مسلم گروہ سے ظاہری طور پر وقتی تعلق قائم کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہو، اسے حساب دینے کا پورا احساس ہو تو اس کی طرف سے پکڑ نہیں ہوگی۔ ﴿2﴾وہ مسلمان جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہیں وہ اگر حکومتی شر سے بچ سکتے ہوں تو ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے یقیناً انہوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ (الممتحنۃ:1) ﴿4﴾ ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ آپ ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کا خاندان ہو۔ (المجادلۃ:22) ﴿5﴾اگر تمہیں ان سے جان کا خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے زبان سے تقیہ کر سکتے ہو اور ظاہری طور پر ایسا کام کر سکتے ہو جس سے تقیہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر منان:357/1) ﴿6﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے میں بھی ہرگز نہ دے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:629/2)(تفسیر ابن کثیر:404/1) ﴿7﴾امام بخاری نے ابو درداء کا قول نقل کیا ہے کہ ہم لوگ بعض قوموں کے سامنے مصنوعی مسکراہٹ کا اظہار کرتے تھے

حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے تھے۔(بخاری کتاب الأدب،باب:82)

سوال 4: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے کہ تم اس کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ لوٹ کر تو اس کی طرف جانا ہے اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا۔حشر کے دن حساب وکتاب کے لیے جانا ہے۔پھر وہ تمہارے اعمال کو شمار کرے گا اور ان کی جزا وسزا دے گا لہٰذا ایسے کام کرنے سے بچو جس کی وجہ سے سزا کے مستحق ہو جاؤ۔

﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ(29)﴾

''آپ کہہ دو جو تمہارے سینوں میں ہے، تم اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔''(29)

سوال 1: ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ ''آپ کہہ دو جو تمہارے سینوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ جو تمہارے سینوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے کسی انسان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں خواہ اعلانیہ کی گئی ہو یا چھپ کر۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے خوف کے ذریعے توجہ دلائی ہے کہ اس کے انتقام سے اپنے آپ کو بچاؤ۔اس کے پاس علم کے ایسے ذرائع ہیں کہ اس سے بچ کر تم کہیں نہیں جا سکتے۔ ﴿4﴾ اس میں اشارہ ہے کہ دلوں کو پاک رکھنا چاہئے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے علم کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔اس کے نتیجے میں بندے کو اس بات سے شرم آئے گی کہ اس کا مالک اس کے دل کو گندے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا دیکھے بلکہ وہ اپنی سوچ کو ایسے امور میں مشغول کرے گا جن سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو مثلاً قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث پر غور وفکر کرنا یا ایسے علم کو سمجھنے کی کوشش کرنا جس میں اسے فائدہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق یا اس کی نعمت کے بارے میں سوچنا یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے کسی کام کی سوچ بچار۔جب اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کا ذکر فرماتا ہے تو اس میں ضمناً اعمال کی جزا وسزا بھی شامل ہوتی ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگی۔اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا وسزا ملے گی۔(تفسیر سعدی:357,358/1)

سوال2: ﴿ **وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** ﴾ ''اور جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

سوال3: ﴿ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿ **يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ(30)** ﴾

''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی اور جو اس نے برائی کی، اس دن آدمی تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان میں بہت دور کا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے۔''(30)

سوال1: ﴿ **يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ** ﴾ ''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی اور جو اس نے برائی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا** ﴾ ''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی'' ایک دن ایسا آئے گا جب امتحان کا پردہ ہٹ جائے گا اور انسان اپنے اعمال کے سرمائے کے سامنے کھڑا ہوگا۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی نیکیاں مکمل طور پر محفوظ ہوں گی ان میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال:7) ﴿3﴾ خیر ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہر نیک عمل شامل ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿4﴾ ﴿ **وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ** ﴾ ''اور جو اس نے برائی کی'' اور اس کی برائیاں بھی محفوظ ہوں گی۔ ﴿5﴾ سوء ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہر چھوٹا بڑا برا عمل شامل ہے۔

سوال2: ﴿ **تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا** ﴾ ''اس دن آدمی تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان میں بہت دور کا فاصلہ ہوتا'' اس دن انسان کیوں چاہے گا کہ اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان دوری ہو جائے؟

جواب: ﴿1﴾ اس دن بے انتہا افسوس اور شدید غم کی وجہ سے آدمی تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان میں بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ ﴿2﴾ وہ منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ انسان چاہے گا کہ جو چیزیں دنیا میں اس کے لیے لذت کا سامان بنی ہوئی تھیں اس سے دور ہو

جائیں۔《3》اس دن آدمی تمنا کرے گا کہ کاش یہ دن نہ آتا! لیکن وہ آگیا، انسان پکڑا گیا، اب کوئی چھٹکارا نہیں، اب کوئی جائے فرار نہیں۔《4》رب العزت نے فرمایا:《 يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ 》جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی تمنا کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کردی جائے۔(النساء:42)《5》《 حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ 》یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کہ کاش میرے اور تمہارے درمیان مشرقوں کا فاصلہ ہوتا! چنانچہ بہت ہی براوہ ساتھی ہے۔(الزخرف:38)《6》آج گناہوں کو ترک کردینا ممکن ہے اس لیے آج انہیں چھوڑنا ہے۔

سوال3:《 وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ 》''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے کیسے ڈرایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تاکہ لوگ اس کی نافرمانی سے بچیں ورنہ اس دن بندہ کہے گا۔《 يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ 》ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی۔(الزمر:56)《2》《 وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۞ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا 》اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا، وہ کہے گا: اے کاش کہ میں رسول کے ساتھ (ہدایت) کا کچھ راستہ اختیار کرتا! ہائے میری بربادی! کاش میں فلاں شخص کو دلی دوست نہ بناتا۔(الفرقان:27,28)《3》اللہ تعالیٰ نے محبت کرتے ہوئے اپنے آپ سے اور آنے والے وقت سے ڈرایا تاکہ نیک اعمال کی ترغیب ہو جس کے نتیجے میں امید اور عمل صالح حاصل ہو اور ترہیب ہو جس کے نتیجے میں خوف حاصل ہو اور گناہ چھوٹ جائیں۔

سوال4:《 وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ 》''اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امید دلائی ہے کہ وہ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کمال درجے کا مہربان ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی رحمت سے اپنا خوف نصیب فرمائے تاکہ ہم وہ کام نہ کریں جس سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

رکوع نمبر 4

《 قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (31) 》

''آپ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا، اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، بے حد رحم والا ہے۔''(31)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:《1》نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم مسیح کی تعظیم اور ان کی اور ان کی ماں کی تقدیس اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔کیونکہ یہ اس کی محبت ہے جس سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم ہے جس کی وہ

تعظیم کرتا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان سے کہہ دیں: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو جو تم توحید عبادت کی دلیل لے کر آئے ہو اس کے مطابق میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بھی معاف کرے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، بے حد رحم والا ہے۔(ایسر التفاسیر:170) ﴿2﴾ حسن نے کہا: عہد نبوی ﷺ میں لوگوں نے کہا: اے محمد ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت کی اور آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنے عذاب کی علامت بنا دیا۔(جامع البیان: 256/3) (فتح القدیر:424/1)

سوال2: ﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''آپ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا'' اللہ تعالیٰ کی محبت کی کیا علامات ہیں؟

جواب: سہل بن عبداللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت قرآن مجید کی محبت ہے۔قرآن مجید کی محبت کی علامت نبی ﷺ کی محبت ہے اور نبی ﷺ کی محبت کی علامت سنت کی محبت ہے اور سنت کی محبت کی علامت آخرت کی محبت ہے اور آخرت کی محبت کی علامت اپنے نفس کی محبت ہے اور اپنے نفس کی محبت کی علامت دنیا سے بغض ہے اور دنیا سے بغض کی علامت یہ ہے کہ اس سے بقدر ضرورت لیا جائے۔(تفسیر قرطبی:47/2)

سوال3: اللہ تعالیٰ کی محبت کے کیا مطالبات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت صرف زبانی دعویٰ نہیں ہے، اس کے ساتھ رسول ﷺ کی اتباع ضروری ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔جس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہیں کی وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والا نہیں۔ ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں ہو، اقوال وافعال میں، ظاہر وباطن میں، عقائد واعمال میں بھی۔ ﴿4﴾ جتنی کسی میں اتباع ہوگی اتنا ہی اس میں ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصہ ہوگا اور جتنی اتباع میں کمی ہوگی اتنا ہی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہوگی۔ ﴿5﴾ ﴿ فَاتَّبِعُوْنِيْ ﴾ ''تو میری پیروی کرو'' اتباع کے مفہوم میں اطاعت کی نسبت بہت زیادہ وسعت ہے۔اطاعت صرف اوامر و نواہی میں ہوتی ہے جب کہ اتباع یہ ہے کہ جیسے تم رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھو ویسے ہی تم بھی کرنے لگ جاؤ جس بات کو وہ ناپسند کریں اسے تم بھی ناپسند کرو۔(تیسیر القرآن) ﴿6﴾ سیدنا نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا: **الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ** سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ** تو میں بھی کہتا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یوں سکھایا ہم **الحمد للّٰہ علی کل حال** کہیں (لہٰذا جو سنت کا طریقہ ہے وہی اختیار کرو)(جامع ترمذی للالبانی:2200) ﴿7﴾ ﴿ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا'' رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔تمہاری اطاعت اوراپنے دلوں کو پاک کرنے اورتقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ ﴿8﴾ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ ''اورتمہارے گناہ معاف کرے گا'' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو ڈھانپ دے گا اور ان پر مواخذہ نہیں کرے گا۔

سوال4: اللہ تعالیٰ بندے سے کیسے محبت کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے جس نے محمد ﷺ کی اتباع کی۔اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے اوراس پر رحمت فرماتا ہے اورسیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو آسمان والے اورزمین والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس کو دوست رکھو۔پس جبریل علیہ السلام اس کو دوست رکھنے لگتے ہیں پھر جبریل علیہ السلام تمام آسمان والوں میں اعلان کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس کو دوست رکھو چنانچہ اس کو تمام آسمان والے دوست رکھتے ہیں پھر زمین (والوں) میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے''۔(بخاری:1357)

سوال5: رسول کا نمونہ ہی دنیا میں واحد مستند نمونہ کیوں ہے؟

جواب: رسول وہ شخص ہے جس کے کامل خداپرست ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔اس لیے خداپرستانہ زندگی کے لیے رسول کا نمونہ ہی واحد نمونہ ہے۔

سوال6: ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،بے حد رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفوراوررحیم کا کیسے یقین دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی معافی سے اپنی مغفرت اوررحمت کا یقین دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کے نتیجے میں اپنی محبت کا یقین دلاتے ہوئے اپنی رحمت کا یقین دلایا ہے۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (32)﴾

''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کی اوراس کے رسول کی اطاعت کرو،پھراگر وہ منہ موڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔''

(32)

سوال1: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کی اوراس کے رسول کی اطاعت کرو'' اللہ تعالیٰ اوررسول کی اطاعت میں کیا کچھ شامل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی اور رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت میں ایمان اور توحید شامل ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت میں ایمان کی شاخیں یعنی ظاہری اور باطنی اقوال و افعال شامل ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے رکنا بھی شامل ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی کتاب کے احکامات پر عمل پیرا ہونے سے ممکن ہے۔

سوال2: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کیسے ممکن ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ان کی زندگی میں ان کے احکامات پر عمل کرنے سے اور ان کی وفات کے بعد ان کی سنت پر عمل کرنے سے اور اقوال و افعال اور احوال میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت کرنے سے ہو سکتی ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کیا کرتے تھے' کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں سے کوئی چیز بھی چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (متفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان:1150) ﴿3﴾ سیدنا نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور راستے کی دوسری سمت کافی دور نکل گئے اور مجھ سے پوچھا: ''اے نافع! کیا کچھ سن رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: ''نہیں'' تب انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں سے نکالیں اور فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا رسول اللہ ﷺ نے بانسری کی آواز سنی اور ایسے ہی کیا (جیسے میں نے اب کیا) سیدنا نافع نے یہ بھی بتایا اس وقت میں چھوٹی عمر کا لڑکا تھا۔ (سنن ابی داؤد للالبانی:4116) ﴿4﴾ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا بھتیجا پہلو میں بیٹھا کنکریاں پھینک رہا تھا سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے منع کیا اور بتایا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنے سے نہ تو شکار ہو سکتا ہے نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سے کسی کا دانت ٹوٹ سکتا ہے یا آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔ بھتیجے نے دوبارہ کنکریاں پھینکنی شروع کر دیں' تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا'' میں نے تجھے بتایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور تو پھر وہی کام کر رہا ہے' لہٰذا میں اب تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔'' (سنن ابن ماجہ:17) ﴿5﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔'' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے کہا'' ہم تو روکیں گے'' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما سخت ناراض ہوئے اور فرمایا'' میں تیرے سامنے حدیث رسول ﷺ بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم انھیں ضرور روکیں گے۔'' (سنن ابن ماجہ:16)

سوال3: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ '' پھر اگر وہ منہ موڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو یقیناً پسند نہیں کرتا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ '' پھر اگر وہ منہ موڑ جائیں'' سے مراد ایمان اور اطاعت سے منہ موڑنا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

﴿الْكٰفِرِيْنَ﴾اللہ تعالیٰ نے اپنی اوراپنے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔(i)اللہ تعالیٰ نے اپنی اوراپنے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔(ii)اس آیت میں منکرین حدیث اور اتباع رسول سے گریز کرنے والوں کے لئے وعید ہے کیونکہ دونوں طرح کے لوگوں کے رویے کو اللہ تعالیٰ نے کفر قرار دیا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ اطاعت نہ کرنے والوں کے فعل سے راضی نہیں ہوتا اس لیے ان کی مغفرت نہیں فرماتا۔﴿4﴾طریقہ محمدی ﷺ کی مخالفت کفر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر انہوں نے اعراض سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ طریقہ محمدی ﷺ سے اعراض کرنے والا کافر ہوتا ہے۔(تیسیر الرحمٰن :173/1)﴿5﴾رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اوراپنے اعمال ضائع نہ کرو۔(محمد:33)﴿6﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت کے سارے لوگ جنت میں جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس نے انکار کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری:7280)﴿7﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔''(صحیح مسلم:4747)﴿8﴾عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ نامقبول ہے۔(صحیح مسلم:4493)﴿9﴾عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حمد وثنا کے بعد (یاد رکھو) بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''(صحیح مسلم:2005)﴿11﴾سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین میں نئی چیزوں سے بچو اس لیے کہ ہر نئی بات گمراہی ہے۔(سنن ابن ماجہ، للالبانی:40)﴿12﴾سیدنا سہل بن سعد کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ جو وہاں آئے گا پانی پیئے گا اور جس نے ایک بار پانی پی لیا اس کو پیاس نہیں لگے گی اور بعض ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کو میں پہچان لوں گا (اور سمجھوں گا یہ میرے امتی ہیں) اور وہ بھی مجھ کو پہچان لیں گے کہ میں ان کا رسول ہوں پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے امتی ہیں لیکن مجھ کو بتایا جائے گا: اے محمد ﷺ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے جانے کے بعد انہوں نے کیسی کیسی بدعتیں رائج کیں، پھر میں کہوں گا: دوری ہو، دوری ہو ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین بدل دیا۔(صحیح بخاری:6583)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (33) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا ہے۔'' (33)

سوال1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے انتخاب کے بارے میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منتخب فرمایا اس لیے سب انبیاء علیہم السلام برگزیدہ تھے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت کی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے چن لیا تھا تاکہ وہ قافلہ ایمان کے سالار رہیں۔ ﴿3﴾ رسالت ابتداء سے ایک ہی تھی۔ ﴿4﴾ جس دین کو پیش کیا گیا وہ دین بھی ایک ہی تھا۔ ﴿5﴾ یہ واضح کیا گیا کہ یہ لوگ ایک ہی سلسلے کے تھے، ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ ﴿6﴾ یہ ثابت کیا گیا کہ سب انبیاء علیہم السلام انسان تھے۔ ﴿7﴾ یہ ثابت کیا گیا کہ ان میں سے کوئی الٰہ نہیں تھا۔

سوال2: آغاز میں سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کی ذاتی حیثیت اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عمران علیہ السلام کے خاندانوں کا ذکر کیا گیا، اس طرح کس چیز کو سمجھانے کی کوشش کی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام اپنی ذاتی حیثیت میں قابل احترام تھے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عمران علیہ السلام کی ذاتی حیثیت کے علاوہ ان کی اولاد بھی قابل احترام تھی۔

سوال3: سیدنا آدم علیہ السلام کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم عطا کیا۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں رہائش عطا کی۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو عزت دی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴾ اور بلاشبہ ہم نے یقیناً اولاد آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور ہم نے جن کو پیدا کیا ان میں سے بہت سوں پر انہیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا۔ (بنی اسرائیل:70)

سوال4: سیدنا نوح علیہ السلام کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو اس وقت رسول بنا کر بھیجا جب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کو

اختیار کرلیا تھا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو طویل عمر عطا کی۔ ﴿3﴾ سیدنا نوح علیہ السلام کو ساڑھے نوسو برس قوم کو تبلیغ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ﴿4﴾ سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا سے اہل ایمان کو بچا لیا گیا اور کافروں کو ہلاک کردیا گیا۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر وقت صبر، برداشت، شکر اور تبلیغ کی وہ توفیق بخشی جس کی وجہ سے وہ منتخب قرار دیے جانے کے لائق ہوگئے۔ ﴿6﴾ آپ علیہ السلام کی نسل کو قیامت تک باقی رکھا۔ ﴿7﴾ ہر زمانے میں لوگ آپ کی تعریف کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ (تفسیر منان: 361/1)

سوال5: آل ابراہیم کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آل ابراہیم علیہ السلام میں خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں جو خلیل الرحمٰن تھے۔ ﴿2﴾ آل ابراہیم علیہ السلام میں وہ تمام انبیاء شامل ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے، وہ سب آپ کی نسل سے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے فضائل سے نوازا کہ وہ سارے جہان میں برگزیدہ ہوئے۔ ﴿3﴾ آخری نبی ﷺ اور کائنات میں سب سے افضل ہستی محمد رسول اللہ ﷺ بھی ان ہی کی نسل سے تھے اور ان کی دعا کا نتیجہ تھے۔

سوال6: آل عمران سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عمران بنی اسرائیل کے صالحین میں سے تھے۔ وہ سیدہ حنہ کے شوہر تھے اور سیدہ مریم علیہا السلام کے والد تھے۔ ﴿2﴾ آل عمران کو بلند درجہ سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے عطا کیا گیا۔

سوال7: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عمران علیہ السلام کی اولادیں قابل احترام اور برگزیدہ تھیں، وہ اسلام کے کس اصول کے تحت برگزیدہ تھیں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عمران علیہ السلام کی اولادیں اپنے تعلق باللہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے قابل احترام اور برگزیدہ تھیں۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ برکت اور احترام جو خاندان نبوت میں آتا ہے وہ خونی وراثت کی وجہ سے نہیں بلکہ نظریاتی وراثت کی وجہ سے آتا ہے، عقیدے اور اعمال صالحہ کی وجہ سے آتا ہے۔

سوال8: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ آل عمران کا ذکر کیا گیا، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام تو بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے پیشوا تھے اور یہاں بات عیسائیوں کے بارے میں ہونے والی تھی اس لیے ان دونوں ہستیوں کے تذکرے کی ضرورت نہ تھی۔ ﴿2﴾ آل عمران کا ذکر سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قصوں کی تمہید کے طور پر کیا گیا۔

﴿ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (34) ﴾

''وہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(34)

سوال1: ﴿ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ﴾ ''وہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں'' اس سے مراد ہے کہ انبیاء تخلیق کے لحاظ سے بھی مشابہ تھے اور اخلاق حسنہ کے لحاظ سے بھی۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور ان کے بعض آباؤاجداد کو اور ان کی بعض اولادوں کو اور ان کے بعض بھائیوں کو بھی اور انہیں ہم نے چن لیا اور ہم نے انہیں سیدھا راستہ دکھلایا۔(الانعام:87) ﴿2﴾ انبیاء کے عقائد ایک تھے۔

سوال2: ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سمیع اور علیم کا کیسے یقین دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، آل ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کے انتخاب سے اپنے ''سمیع'' اور ''علیم'' ہونے کا یقین دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی غلطی پر ان کی دعا سنی اور قبول کر لی یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا اور سننے والا ہے اسی نے انہیں فضیلت عطا کی۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو فضیلت عطا کی اور ان کے حالات سے اپنے علیم ہونے اور ان کی بددعا پر اپنے عذاب سے اپنے ''علیم'' اور ''سمیع'' ہونے کا یقین دلایا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا سے اپنے ''علیم'' اور ''سمیع'' ہونے کا یقین دلایا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی عبادت گزاریوں، پاکیزگی اور صداقت پر اپنے ''علیم'' اور ''سمیع'' ہونے کا یقین دلایا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے واقعات کیوں سنائے ہیں؟

جواب: انبیاء کے واقعات اس لیے سنائے ہیں تاکہ ہم ان سے محبت رکھیں، ان کی اتباع کریں، ان جیسے نیک اعمال کی توفیق مانگیں، ان جیسے اعمال کرنے پر خود کو حقیر سمجھیں۔

﴿ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (35) ﴾

''جب عمران کی بیوی نے کہا: ''اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے نذر مانی ہے کہ تیرے لیے چھوڑا ہوا ہوگا۔ پس آپ مجھ سے قبول فرمائیں، یقیناً آپ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔''(35)

سوال1: ﴿ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ﴾ ''جب عمران کی بیوی نے کہا: ''اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے نذر مانی ہے کہ تیرے لیے چھوڑا ہوا ہوگا۔ پس آپ مجھ سے قبول فرمائیں'' کی

وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عمران کی عورت سے مراد سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ حنہ ہیں۔ ﴿2﴾ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کا دل ایمان کے نور سے بھر پور تھا۔ ﴿3﴾ ﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا﴾ ''اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے نذر مانی ہے کہ تیرے لیے چھوڑا ہوا ہوگا'' انہوں نے اپنے عزیز ترین سرمائے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پیش کر دیا تھا (یعنی وہ بچہ جو ان کے پیٹ میں تھا)۔ ﴿4﴾ ان کی پیش کش کے ساتھ کوئی شرط اور قید نہیں تھی۔ ﴿5﴾ اس نذر کے ساتھ انہوں نے کوئی شرکیہ تصور وابستہ نہیں کیا تھا۔ ﴿6﴾ ان کی نذر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے حق کا تصور نہیں تھا۔ ﴿7﴾ ان کی دعاؤں میں خشوع وخضوع تھا۔ ﴿8﴾ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی مسلم اور مطیع فرمان تھیں۔ ﴿9﴾ ان کے دل میں رضائے الٰہی کے جذبے کے سوا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ ﴿10﴾ ﴿مُحَرَّرًا﴾ ''چھوڑا ہوا ہوگا'' اللہ تعالیٰ کے نام پر چھوڑنے سے مراد عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف کرنا ہے۔ ﴿11﴾ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ میرے پیٹ کا بچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اس کے بیت المقدس کی خدمت کرے گا۔ ﴿12﴾ ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ﴾ ''پس آپ مجھ سے قبول فرمائیں'' یہ دعا سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے تب مانگی تھی جب سیدہ مریم علیہا السلام ان کے پیٹ میں تھیں کہ تو میری دعا سن رہا ہے میری نیت اور ارادے سے باخبر ہے مجھ سے قبول فرمالے۔

سوال2: ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ ''یقیناً آپ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ﴿السَّمِیْعُ﴾ اور ﴿الْعَلِیْمُ﴾ کا کیسے یقین دلایا ہے؟

جواب: ''یقیناً آپ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر سے اپنے ﴿السَّمِیْعُ﴾ اور ﴿الْعَلِیْمُ﴾ ہونے کا یقین دلایا ہے۔ انہوں نے کہا: اے میرے رب میں نے آپ کے لیے نذر مانی، آپ کی رضا کے لیے آپ کے گھر کی خدمت کے لیے میں نے اپنا بچہ آزاد کر دیا۔ آپ مجھ سے یہ مبارک عمل قبول فرمالیں۔ اس واقعہ سے سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کے اللہ تعالیٰ کے السمیع اور العلیم ہونے پر یقین کامل کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (36)﴾

''پھر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو کہا: ''اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دے دیا'' حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا'' اور لڑکا تو لڑکی جیسا نہیں ہوتا، اور بلاشبہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور یقیناً میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' (36)

سوال1: سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ کیوں کہا: ﴿ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى ﴾ ''اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دے دیا''؟

جواب: '' پھر جب اس بچے کو جنم دیا تو کہا: '' اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دے دیا'' سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ یہ کہہ کر معذرت کر رہی ہیں کہ اگر لڑکا ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت اچھے طریقے سے ادا کرتا۔

سوال2: ﴿ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے تھے کہ اس نے کس کو جنم دیا ہے۔ اسے تو اس وقت بھی علم تھا جب ان کی والدہ کو بھی علم نہ تھا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کیسے نہ جانتے جب کہ وہ ماہر خلاق اور علیم ہیں۔

سوال3: ﴿ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى ﴾ ''اور لڑکا تو لڑکی جیسا نہیں ہوتا'' اس بات کی حقیقت واضح کریں کہ لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا؟

جواب: ﴿1﴾ لڑکے میں وہ فطری کمزوریاں نہیں ہوتیں جو لڑکی میں ہوتی ہیں۔ ﴿2﴾ لڑکے کے اوپر وہ تمدنی پابندیاں بھی نہیں ہوتیں جو لڑکی پر ہوتی ہیں۔ ﴿3﴾ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ لڑکی ہونے کی صورت میں نذر کا مقصد اچھی طرح پورا نہیں ہوتا۔ ﴿4﴾ اس دور میں لڑکوں کی نذر دی جاتی تھی تا کہ وہ ہیکل کی خدمت کریں، صرف عبادت کے لیے وقف ہوں اور دنیا سے کٹ جائیں۔

سوال4: سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ جس انداز سے بات کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، اس سے ان کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ تعلق براہ راست ہے جس میں دل کی پوری بات بتائی جا رہی ہے اور بالکل واضح انداز میں بتائی جا رہی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہے جس میں نہ تکلف ہے، نہ پیچیدگی۔ ان کی بات سے اللہ تعالیٰ کی قربت جھلک رہی ہے۔ ﴿3﴾ یہ احساس جھلک رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

سوال5: ﴿ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ﴾ ''اور بلا شبہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے'' سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے ان کا نام رکھا اس سے بچے کا نام رکھنے کے بارے میں کن امور کا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے ان کا نام رکھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیدائش کے وقت بچے کا نام رکھنا جائز ہے۔ ﴿2﴾ ماں اپنے بچے کا نام رکھ سکتی ہے بشرط یہ کہ باپ کو یہ بات ناپسند نہ ہو۔ (تفسیر منان: 363/1) ﴿3﴾ حافظ ابن قیم نے پہلے، تیسرے اور ساتویں روز نام رکھنے کو درست قرار دیا ہے۔ ﴿4﴾ حافظ سیوطی نے (الاکلیل) میں لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ بچے کا نام ولادت کے دن ہی رکھنا جائز ہے ساتویں دن کی ہی تعیین صحیح نہیں۔

سوال6: سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے کہا: ﴿وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ ''اور یقیناً میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور یقیناً میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں'' یہ بات سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کے دل کے خلوص کو ظاہر کر رہی ہے۔ ﴿2﴾ اپنی اولاد کے لیے جو تحفظ چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے شیطان مردود سے بچائے۔ ﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے پیدا ہوتے ہی چھوتا ہے، جس سے وہ بچہ چلاتا ہے سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو (وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) یہ کلمہ سیدہ مریم علیہا السلام کی ماں نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان کے ہاتھ لگانے سے بچا لیا۔ (صحیح بخاری:4548)

سوال7: سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے اپنی اولاد کے بارے میں معاشی توقعات نہیں باندھیں بلکہ نیک تمنا رکھی، اولاد کے بارے میں نیک تمنائیں کیا ہو سکتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اولاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرگرم عمل ہو جائے۔ ﴿2﴾ اولاد شیطان کے شر سے بچے۔ ﴿3﴾ اولاد نیک لوگوں کی جماعت میں شامل ہو جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری والدہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور انہوں نے مجھے اپنے آدھے دوپٹے کی چادر بنادی اور آدھے کو مجھے اوڑھا دیا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بیٹا انس ہے۔ میں اسے آپ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کرنے آئی ہوں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا مانگیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں زیادتی فرما۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! میرا مال بہت کثیر ہے اور میری اولاد کی اولاد کی تعداد آج کل ایک سو ہے۔'' (صحیح مسلم:6376)

سوال8: والدین کے بچوں پر کیا اثرات ہو سکتے ہیں؟

جواب: والدین کے نیک جذبات کے اثر سے: ﴿1﴾ اولاد دنیا کی زندگی میں اپنے نفس پر قابو پانے والی ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ وہ نیکی اور بدی میں سے نیک راستے کو اختیار کرتی ہے۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (37)﴾

''سو اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی بہترین پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست

بنایا۔زکریا جب کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے ،وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''(37)

سوال1: ﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ '' سو اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی بہترین پرورش کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ ﴾ '' سو اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو نذر کے طور پر قبول فرمایا اور انہیں اور ان کی اولاد کو شیطان سے محفوظ فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ '' اور اس کی بہترین پرورش کی'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی پرورش اچھے طریقے سے کی۔ان کی ماں کے دل میں جو اخلاص تھا اور اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنے کا جو جذبہ تھا یہ اس کا صلہ تھا۔ ﴿3﴾ سیدہ مریم علیہا السلام کو نفخ روح کے لیے،کلمۃ اللہ کی والدہ بننے کے لیے تیار کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خوب تربیت کی اور عمدہ طریقے سے پرورش کی۔ ﴿4﴾ صحیحین میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوا سنا: '' دنیا کی سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔'' (صحیح بخاری:3432)

سوال2: ﴿ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ﴾ '' اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا'' سیدنا زکریا علیہ السلام سیدہ مریم علیہا السلام کے کفیل کیسے بنے ،وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو سرپرست بنا دیا گیا۔یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ آل ہارون میں سے سیدنا زکریا علیہ السلام کو سیدنا مریم علیہا السلام کی نشو ونما اور تربیت کے لیے منتخب کیا جائے۔ ﴿2﴾ سیدنا زکریا علیہ السلام کی کفالت کی وجہ سے سیدنا مریم علیہا السلام کی جسمانی اور اخلاقی تربیت بہت اچھی ہوئی۔

سوال3: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾ '' زکریا جب کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدہ مریم علیہا السلام کی کفالت سیدنا زکریا علیہ السلام نے کی تھی۔وہ جب کبھی آپ علیہا السلام کے پاس محراب میں یعنی ان کی عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو ان کے پاس جنت کے پھل پاتے۔گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں ہوتے۔

سوال4: ﴿ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ '' وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے'' یہ الفاظ کیا وضاحت کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ '' وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے'' یہ الفاظ ان کے اپنے رب سے تعلق کی

وضاحت کرتے ہیں۔﴿2﴾سیدہ مریم علیہا السلام کے اندر رزق کی فراہمی کے غیر معمولی سلسلے کی وجہ سے کوئی غرور نہ تھا۔﴿3﴾سیدہ مریم علیہا السلام میں تواضع اور کسرِ نفسی جھلک رہی ہے۔﴿4﴾سیدہ مریم علیہا السلام نے واضح کیا کہ اس میں ان کی محنت ومشقت شامل نہیں بلکہ یہ رزق انہیں اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر عطا فرمایا۔

سوال5: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بےحساب رزق عطا فرماتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے رزق سے سیدنا زکریا علیہ السلام کی حیرت پر اپنے بےحساب رزق کا یقین دلایا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بےحساب رزق عطا فرماتا ہے۔اس نے فرمایا:﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ گیا ہوگا۔(الطلاق:2,3)

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ(38)﴾

''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا:''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلا شبہ تو ہی دعا کا خوب سننے والا ہے۔''(38)

سوال1: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾ ''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا'' سیدنا زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا کی، یہ تمنا ان کے دل کے اندر کیسے پیدا ہوئی؟

جواب: ''وہیں زکریا نے اپنے ربّ کو پکارا'' سیدنا زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا کی۔اولاد کی تمنا ایک فطری خواہش ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس فطری تمنا پر کی ہے کہ اس کے بعد کوئی اس کا جانشین ہو۔سیدہ مریم علیہا السلام جیسی صالحہ لڑکی اور ان کے پاس غیر معمولی رزق کی کرامت دیکھ کر ان کے دل کے اندر امید پیدا ہوئی۔

سوال2: ﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ ''اس نے کہا:''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلا شبہ تو ہی دعا کا خوب سننے والا ہے'' سیدنا زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا میں کیا خصوصی درخواست کی؟

جواب: ﴿1﴾ ''اس نے کہا:''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما'' یعنی خوش اخلاق اور خوش اطوار یعنی دینی اور دنیاوی نعمتوں کی تکمیل ہو جائے۔﴿2﴾سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں اولاد کے لئے دعا کرنے کا خیال بے موسم کے پھلوں کو دیکھ کر آیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بوڑھا اور ان کی بیوی کو بانجھ ہونے کے باوجود اولاد عطا کر دے گا۔﴿3﴾ ''بلا شبہ تو ہی دعا کا خوب سننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ

سمیع الدّ عاء ہے یعنی دعاؤں کا سننے والا ہے۔ یہ یقین انسان کے اندر توکل کی صفت پیدا کرتا ہے۔انسان اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے سہارے کومضبوطی سے تھام لیتا ہےاورسیدھے راستے پر چلنے لگتا ہے۔

﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ(39) ﴾

''چنانچہ فرشتوں نے اس کوآواز دی جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز ادا کرر ہے تھے:''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جواللہ تعالیٰ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اوراپنے اوپر بہت ضبط رکھنے والا ہوگا اور نیک لوگوں میں سے نبی ہوگا۔''(39)

سوال1: ﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ﴾''چنانچہ فرشتوں نے اس کوآواز دی جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز ادا کرر ہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' چنانچہ فرشتوں نے اس کوآواز دی جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز ادا کرر ہے تھے''اوراپنے رب کی عبادت اورمناجات میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا قبول فرمالی۔

سوال2: ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جواللہ تعالیٰ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اوراپنے اوپر بہت ضبط رکھنے والا ہوگا اور نیک لوگوں میں سے نبی ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کی خوش خبری دی، بچے کا نام خود یحییٰ رکھا اور بتایا کہ پہلے آج تک کسی انسان کا یہ نام نہیں رکھا۔(تیسیر القرآن:262/1)﴿2﴾سیدنا یحییٰ نام اس لیے تجویز ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ زندگی دے گا۔﴿3﴾﴿ مُصَدِّقًا ﴾سے مراد سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی تصدیق ہے۔﴿4﴾''اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے کی'' اس سے مراد سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔﴿5﴾﴿ وَسَيِّدًا ﴾''اورسردار'' سے مراد بنی اسرائیل کا سردار ہوگا۔قوم کی خراب حالت کی اصلاح کرے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی صفات عطا فرمائے گا کہ آپ سردار بنیں گے،قوم کی راہ نمائی کریں گے،لوگ اپنے معاملات میں آپ سے راہ نمائی لیں گے۔﴿6﴾﴿ وَّحَصُوْرًا ﴾''اوراپنے اوپر بہت ضبط رکھنے والا'' سے مراد نہ ان کی عورتوں کی طرف رغبت ہوگی نہ گناہ کے کاموں کی طرف رغبت ہوگی۔ نکاح نہ کرنا سیدنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی خصوصیت تھی۔رب کی خدمت اوراطاعت میں مشغول رہنے کی وجہ سے بے رغبتی تھی۔﴿7﴾''اور نیک لوگوں میں سے نبی ہوگا'' سے مراد ہے کہ وہ نبی ہوگا اور پاک باز لوگوں میں سے ہوگا۔﴿8﴾سیدنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے کردار پر جوروشنی قرآن نے

ڈالی ہے،اس سے یہ نقشہ سامنے آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔سرداری و بزرگی کی شان والا ہوگا،اپنی جنسی خواہشات پر پوری قدرت رکھنے والا ہوگا،نبوت سے سرفراز ہوگا،ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ (40) ﴾

’’زکریا نے کہا :’’اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟‘‘(اللہ تعالیٰ نے)فرمایا:’’اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔‘‘(40)

سوال1: ﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ﴾’’زکریا نے کہا :’’اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟‘‘سیدنا زکریا علیہ السلام نے یہ کیوں کہا تھا؟

جواب: ’’اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟‘‘سیدنا زکریا علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا تھا کیونکہ انہیں ایسا بیٹا ملنے کی خوش خبری دی گئی جو کامل صفات والا اور نبی ہوگا۔سیدنا زکریا علیہ السلام انتہائی خوشی کی حالت میں پکار اٹھے۔’’اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟

سوال2: ﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴾’’فرمایا:’’اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے‘‘اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے‘‘اس سے مراد ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے گا۔﴿2﴾جو رب اسباب کے ساتھ اولاد دیتا ہے وہ بغیر اسباب کے اولاد دے تو اس کے لیے مشکل نہیں۔ارشاد فرمایا:﴿ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَـيْـــًٔـا ﴾ اور یقیناً میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔(مریم:9) ﴿3﴾سیدنا زکریا علیہ السلام کے یہاں اولاد ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بے قید ہے،وہ ظاہری اسباب کے بغیر بھی اپنا کام کر سکتا ہے،بڑھاپا اور بانجھ پن اس کے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتے۔

﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (41) ﴾

’’زکریا نے کہا:’’اے میرے ربّ! میرے لیے کوئی نشانی بتا دیں‘‘،(اللہ تعالیٰ نے)فرمایا: آپ کے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کرسکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔‘‘(41)

سوال1: ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ﴾’’زکریا نے کہا:’’اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بتا دیں‘‘سیدنا زکریا علیہ السلام نے نشانی کیوں مانگی؟

جواب:﴿1﴾''اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بتا دیں'' سیدنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام نے نشانی اس لیے مانگی کہ ان کے ہاں ولادت ایک غیرمعمولی واقعہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جب یہ غیرمعمولی واقعہ پیش آئے تو مجھے پیشگی اطلاع ہوجائے۔﴿2﴾اولاد کی خوش خبری سن کر سیدنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام کے شوق میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے انہوں نے نشانی طلب کی۔

سوال2:﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا:'' آپ کے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کر سکو گے'' بچے کی ولادت میں کیا نشانی مقرر کی گئی؟

جواب:﴿1﴾'' آپ کے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کر سکو گے'' بچے کی ولادت کے لیے یہ نشانی مقرر کی گئی کہ تین دن کے لیے زبان بندی ہوجائے گی۔﴿2﴾لوگوں کی طرف متوجہ ہوں گے مگر کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کر سکیں گے۔﴿3﴾صرف رب کی طرف متوجہ ہوں، اس کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح کریں۔﴿4﴾زبان بندی کی نشانی میں بڑی حکمت تھی اس طرح روزمرہ کے معمولات سے باہر لا کر اپنی کامل قدرت کا یقین دلایا گیا۔﴿5﴾زبان بندی کی نشانی سے یہ یقین دلایا گیا کہ جس طرح اسباب موجودہ ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو کام کرنے سے روک سکتا ہے اسی طرح اسباب کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کے تحت ہیں۔(تفسیر منان:365/1)

سوال3:﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾''اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے شکرگزاری کے لئے سیدنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم دیا کہ خاموشی میں کثرت سے صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو تاکہ اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازے اور مزید شکر ادا کرنے کے قابل ہوجاؤ۔

سوال4:اس واقعے کو یہاں بیان کرنے کا اصل مقصد کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾اصل مقصد عیسائیوں کے عقیدے کی غلطی واضح کرنا تھا۔﴿2﴾سیدنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے معجزانہ طریقے سے پیدا ہوئے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر سیدنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی پیدائش معجزے سے ہو چکی اور انہیں الٰہ نہیں بنایا گیا تو سیدنا مسیح عَلَیْہِ السَّلَام اپنی غیرمعمولی پیدائش پر الٰہ کیسے ہوگئے؟

رکوع نمبر5

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ(42)﴾

''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں

پر آپ کومنتخب کیا ہے۔''(42)

سوال:﴿ وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰٮكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کومنتخب کیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو کیسے چن لیا تھا؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ ﴾''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے'' اس (برگزیدگی) کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو شروع ہی سے آپ علیہا السلام کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ علیہا السلام کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ علیہا السلام کو خلعت وجود بخشا گیا۔﴿2﴾ ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا، آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔﴿3﴾ آپ علیہا السلام کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی زکریا علیہ السلام تک کو متحیّر کر دیا، یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔(تفسیر ماجدی:569/1)﴿4﴾''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے'' اللہ تعالیٰ براہ راست ان کے اندر اپنی ایک روح ڈالنے والے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام میں روح ڈالی تھی۔﴿5﴾﴿ وَطَهَّرَكِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو حیض، نفاس، مردوں کے چھونے اور برے اخلاق سے پاک کیا۔(تفسیر منیر:242/2)﴿6﴾ سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں اور ایسی خرابیوں سے پاک کیا جو ان کی شان میں کمی کا باعث بن سکتی تھیں۔﴿7﴾﴿ وَاصۡطَفٰٮكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾''اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کومنتخب کیا ہے'' جہان سے مراد ساری عورتوں پر فضیلت ہے۔﴿8﴾ چند خواتین یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اس فضیلت میں شریک ہونا سیدہ مریم علیہا السلام کے اصطفاء کے منافی نہیں۔﴿9﴾ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی۔ مردوں میں سے تو بہت کامل ہو گزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران علیہا السلام اور فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی۔''(مسلم:2431)

﴿ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ(43) ﴾

''اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''(43)

سوال1:﴿ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ ﴾''اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو'' قنوت سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اے مریم اپنے رب کی اطاعت کرو۔﴿2﴾ قنوت سے مراد خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت پر مسلسل قائم رہنا ہے۔

سوال2:﴿ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴾’’اور سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو‘‘سیدہ مریم علیہا السلام کو عبادت کا حکم دیا گیا تو خاص طور پر رکوع اور سجدے کا ذکر کیا گیا، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاسْجُدِیْ ﴾’’اور سجدے کرو‘‘سیدہ مریم علیہا السلام کو عبادت کا حکم دیا گیا تو خاص طور پر رکوع اور سجدے کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ عبادت میں رکوع اور سجدے کا مقام دوسری تمام عبادتوں سے افضل ہے۔﴿2﴾رکوع اور سجدے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔﴿3﴾’’اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو‘‘اس سے مراد ہے بیت المقدس میں با جماعت نماز کے لیے حاضری دو۔(ایسر التفاسیر:173)﴿4﴾سیدہ مریم علیہا السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت پر مسلسل قائم رہیں۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ کے آگے سر بسجود رہیں۔﴿6﴾اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکیں۔﴿7﴾اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف رہیں۔﴿8﴾ایسی زندگی بسر کریں جو اللہ تعالیٰ سے جڑی ہوئی ہو۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ(44) ﴾

’’یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔‘‘(44)

سوال1:﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ﴾’’یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:’’یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں‘‘اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں جو خبریں دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کن حالات سے گزریں تو یہ غیبی معاملات تھے جن کا علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔(تفسیر منان:366/1)

سوال2:﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ﴾’’ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾’’ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے‘‘اس مشکل کو حل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی۔ تم تو اس وقت موجود نہ تھے جب سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ انہیں بیت المقدس کے ذمہ دار افراد کے پاس لے کر گئیں تو ان میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ ان کی کفالت کریں لیکن واقعات تمہیں صحیح صحیح بتائے جا رہے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن حکیم وحی الٰہی پر مبنی

ہے۔﴿2﴾﴿ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ﴾ ''کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا'' سیدہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان کی والدہ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے ہیکل کی نذر کیا تھا۔﴿3﴾ بیت المقدس کے سب ذمہ داروں کی خواہش تھی کہ وہ ان کی دیکھ بھال کا شرف حاصل کریں۔اس مشکل کو حل کرنے کے لیے انہوں نے قرعہ اندازی کی۔﴿4﴾ کفالت کے لیے قلم نہراردن میں پھینکے گئے۔طے یہ پایا کہ جس کا قلم پانی کے ساتھ نہیں بہے گا وہ سیدہ مریم علیہا السلام کا سرپرست قرار پائے گا۔یہ شرف سیدنا زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوا جوان کے نبی اور معزز ترین فرد تھے۔سبھی کے قلم بہہ گئے۔سیدنا زکریا علیہا السلام کا قلم اپنی جگہ موجود رہا۔یہ علامت تھی کہ کفالت کس کے حصے میں آئے گی۔

سوال3: ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ''اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے'' نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ آپ اس وقت موجود نہ تھے جب وہ سیدہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں جھگڑے کر رہے تھے۔﴿2﴾ نہ وہ یہ واقعات جانتے ہیں نہ ان کے آباؤاجداد،اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سچے ہیں اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت قبول کریں اور آپ ﷺ کا حکم مانیں۔

سوال4: کیا قرعہ اندازی جائز ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حلال کاموں میں قرعہ اندازی جائز ہے۔﴿2﴾ قرعہ اندازی سنت ہے۔نبی ﷺ سفر میں ساتھ لے جانے کے لیے اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے۔(بخاری:218/5)

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (45) ﴾

''جب فرشتوں نے کہا:اے مریم!یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوش خبری دیتا ہے،اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا،وہ دنیا وآخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا۔''(45)

سوال1: اللہ تعالیٰ کے فضل کو قبول کرنے کے لیے سیدہ مریم علیہا السلام کیسے تیار ہوئیں؟

جواب: سیدہ مریم علیہا السلام کی پاکیزگی، یک سوئی، مسلسل عبادت گزاری یہ تین خصوصیات ایسی تھیں جن کی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو قبول کرنے کے لیے اور ولادت مسیح کے لیے تیار ہوسکیں۔سیدہ مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے اطلاع دی کہ ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہوگی۔

سوال2: ﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﴾ ''جب فرشتوں نے کہا:''اے مریم!یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی

طرف سے ایک کلمے کی خوش خبری دیتا ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوش خبری دیتا ہے'' اس سے مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی فرمان کے ذریعے پیدا ہوئے۔ ﴿2﴾ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ اس لیے کہا گیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ اور خصوصی فرمان کے ذریعے پیدا ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام کے حالات اسباب سے خارج تھے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نشانی اور عجیب مخلوق بنایا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری۔ مقدس فرشتے کی یہ مقدس پھونک سیدہ مریم علیہا السلام کے جسم میں داخل ہوگئی جس سے وہ پاک روح پیدا ہوگئی۔ اس وجہ سے آپ علیہ السلام روحانی فطرت رکھتے تھے جو روحانی مادے سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی روح کہا گیا۔ (تفسیر منان:368,369/1)

سوال3: ﴿اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ ''اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا وہ دنیا و آخرت میں بہت مرتبے والا ہوگا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کیوں کہا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ ''اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہا گیا کیونکہ اندھوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں شفایاب کرتے تھے۔ ﴿2﴾ ''وہ دنیا و آخرت میں بہت مرتبے والا ہوگا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا کیا۔ وہ انسانوں کے ظرف کو جانتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ کس طرح ایک معجزے کا یہودی انکار کریں گے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی بن باپ کی پیدائش کی وجہ سے کس طرح طعنے برداشت کرنے پڑیں گے اس لئے پیدائش سے پہلے ہی ان کے بارے میں واضح کر دیا کہ دنیا میں بھی معزز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت کا مقام پائیں گے یعنی مقربین میں سے ہوں گے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اولوالعزم پیغمبروں میں شامل کیا جو بڑی شریعتوں کے حامل تھے۔ ان کے پیروکاروں کی کثیر تعداد تھی جو مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔ ﴿4﴾ ''اور مقرب بندوں میں سے ہوگا'' مقرب لوگوں میں سے ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والے ہوں گے، دوسرے انبیاء اور رسولوں کی طرح آپ بھی شفاعت کریں گے، جس سے آپ کا بلند مقام جہان والوں کے سامنے ثابت ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہیں، اپنے رب سے انتہائی قریب ہیں بلکہ آپ مقربین کے سرداروں میں سے ہیں۔ (تفسیر منان:369/1)

﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ(46)﴾

''اور وہ گود میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔''(46)

سوال: ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ''اور وہ گود میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ

نیک لوگوں میں سے ہوگا'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مسیح کا نام عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بتایا، وہ دنیا وآخرت میں بہت مرتبے والا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گود میں بات کرے گا، ادھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے کلام کرے گا، نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ ﴿2﴾ ﴿**وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ**﴾ ''اور وہ گود میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا'' وہ کلام عام کلام سے مختلف تھا۔ انہوں نے ایسی بات کی جس میں بھلائی اور کامیابی تھی۔ ﴿3﴾ وہ کلام اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی تھی جس سے مومنوں کو فائدہ ہوا، اور دشمنوں پر حجت قائم ہوئی اور یہ ثابت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ ﴿4﴾ وہ کلام ان کی والدہ کے لیے بھی نعمت بنا کیونکہ اس کے ذریعے ان کی والدہ پر لگنے والے الزام کی تردید ہوگئی۔ ﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴾ تو مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ''ہم اس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے؟'' بچے نے کہا: ''یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں۔ اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا۔ اور اس نے مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ (مریم:32-29) ﴿5﴾ ﴿**فِي الْمَهْدِ**﴾ ''گود میں'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گود میں تین بچوں کے سوا کسی نے بات نہیں کی۔ ان میں سے ایک عیسیٰ ابن مریم ہیں، دوسرا بنی اسرائیل کا وہ بچہ جسے جریج سے منسوب کیا گیا اور بچے نے جریج کی بریت کی اور بول کر اپنے اصلی باپ کا نام بتا دیا۔ تیسرے وہ بچہ جس نے ماں کی چھاتی چھوڑ کر کہا تھا: یا اللہ! مجھے اس ظالم سوار کی طرح نہ کرنا۔ (تیسیر القرآن:265/1) ﴿6﴾ ﴿**وَكَهْلًا**﴾ ''اور ادھیڑ عمر میں بھی'' جوانی اور بڑھاپے کے درمیان کی عمر ادھیڑ عمر کہلاتی ہے۔ ادھیڑ عمر میں کلام سے مراد ہے کہ جب بڑے ہو کر وحی اور رسالت عطا کئے جائیں گے تو کلام کریں گے۔ ﴿7﴾ اس سے یہ بھی مراد لی گئی ہے کہ جب قرب قیامت کے دور میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تب وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ یہی ادھیڑ عمر میں کلام سے مراد ہے۔ ﴿8﴾ ﴿**وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ**﴾ ''اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا'' نیک لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اس میں کمی نہیں کرتے۔

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (47) ﴾

''مریم نے کہا: ''اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا؟'' (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' (47)

سوال1: ﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ﴾ '' مریم نے کہا: '' اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا؟ '' سیدہ مریم علیہا السلام نے یہ بات کیوں کہی؟

جواب: ﴿1﴾ '' مریم نے کہا: '' اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا؟ '' سیدہ مریم علیہا السلام نے دوسرے انسانوں کی طرح روزمرہ زندگی میں سلسلہ اسباب کے عادی ہوجانے کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں لیکن یہ بات ان کے لئے معمہ بن گئی جس کے حل کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہی ہے کہ مرد سے تعلق کیے بغیر اولاد نہیں ہوتی۔ یہ بات مریم نے تعجب کے طور پر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرتے ہوئے نہیں فرمائی۔ (تفسیر منان:1/369)

سوال2: ﴿ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ﴾ '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے '' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے '' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ یہ معجزہ ہے، اسے پیدا کرنے والا وہ ہے جو کسی بھی کام کو کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔ ﴿2﴾ ان الفاظ سے سیدہ مریم علیہا السلام کو جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تو جو چاہے پیدا کرسکتا ہے اور سیدہ مریم علیہا السلام کے دل کو ڈھارس بندھائی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا انتخاب ہے، آپ کو اس پر مطمئن رہنا چاہیے۔

سوال3: ﴿ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ '' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس سے کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہو جاتا ہے '' اس سے کس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ '' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس سے کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہو جاتا ہے '' اس سے کائنات کی ابتدا کی طرف توجہ دلائی گئی کہ جس طرح کائنات ﴿ كُنْ ﴾ '' ہوجا '' سے وجود میں آ گئی تھی تو کیا کوئی انسان اس طرح وجود میں نہیں آ سکتا؟ ﴿2﴾ ﴿ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ سے اس طرف توجہ دلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا حکم دیں تو وہ ہوجاتا ہے خواہ کسی ظاہری سبب سے ہو یا بے سبب۔ ﴿3﴾ ﴿ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ '' ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے '' اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت دل کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہے۔ اس سے انسان کا دل مطمئن ہوجاتا ہے۔ اس سے انسان کو اپنے اوپر تعجب ہونے لگتا ہے کہ اتنی سادہ سی بات کیوں نہ سمجھ آئی۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی پیدائش اور ان کے گہوارے میں کلام کرنے سے تخلیق پر اپنی قدرت کا یقین دلایا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے کہ '' جب وہ کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے '' تخلیق پر اپنی قدرت کا یقین دلایا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور مادی اسباب کے بغیر سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی غیر معمولی پیدائش سے تخلیق پر اپنی قدرت کا یقین دلایا ہے۔

﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (48) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔''(48)

سوال: ﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت سکھائے گا'' اس لفظ سے کتاب کی جنس مراد ہوسکتی ہے۔ ﴿2﴾ اس کے بعد تورات اور انجیل کا ذکر کیا گیا۔ ﴿3﴾ علم دینے میں الفاظ اور معانی دونوں کا علم شامل ہے۔ ﴿4﴾ الکتاب سے کتابت یعنی لکھنے کا علم مراد ہوسکتا ہے۔ ﴿5﴾ حکمت سے مراد شریعت کا علم اور ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنے کا علم ہے۔ ﴿6﴾ حکمت سے مراد ایسا نافع علم ہے جو انسان کو احکامات کی سمجھ اور شریعت کے راز سکھاتا ہے۔ (تفسیر منیر:250/2) ﴿7﴾ ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ سے مراد اسرار شریعت کا علم اور ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنے کا علم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر یہ احسانات بیان فرمائے کہ انہیں لکھنا سکھایا اور علم وحکمت سے نوازا۔ یہ انسان کی ذات سے تعلق رکھنے والا کمال ہے۔ (تفسیر منان:370/1) حکمت انسان کی ذات سے تعلق رکھنے والا کمال ہے، اس سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔ ﴿8﴾ ﴿ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴾ ''اور تورات اور انجیل'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو تورات سکھانے کا سبب یہ تھا کہ تورات میں شریعت کے احکامات تھے اور انہیں نئی شریعت نہیں دی گئی تھی۔

﴿ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (49) ﴾

''اور وہ بنی اسرائیل کی جانب رسول ہوگا بلاشبہ میں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت جیسی چیز بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو بھی زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو بلاشبہ اس میں یقیناً تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔''(49)

سوال1: ﴿ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور وہ بنی اسرائیل کی جانب رسول ہوگا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا، وہ کیسی قوم تھی؟

جواب: ''اور وہ بنی اسرائیل کی جانب رسول ہوگا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی جانب بھیجا جو اپنے زمانے کی افضل ترین

قوم تھی۔

سوال2: ﴿ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''میں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی کن نشانیوں (معجزات) کا تذکرہ ان آیات میں ملتا ہے؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں: ﴿1﴾ مٹی سے پرندے کی صورت کا مجسمہ بنا کر پھونک مارنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا پرندہ بن جانا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا۔ ﴿3﴾ مردے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرنا۔ ﴿4﴾ لوگ جو کھا کر آتے تھے اور جو ذخیرہ کر کے رکھتے تھے وہ انہیں بتا دیتے تھے۔

سوال3: ﴿ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت جیسی چیز بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو بھی زندہ کرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت جیسی چیز بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو بھی زندہ کرتا ہوں'' ﴿1﴾ ایمان لانے والوں کے لیے معجزات اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بنتے ہیں اور وہ ہر معجزے میں اپنے رب کی قدرت کو پا لیتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اس لیے معجزات عطا فرمائے تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ ﴿3﴾ ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے'' اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر یہ معجزات ظاہر نہ ہوتے۔ ﴿4﴾ اس لیے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے عقیدے کی بھی نفی ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے۔

سوال4: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی تھی کہ بے جان مٹی زندہ جانور بن جائے، ایسے ہی بیمار تندرست ہوئے، مردے زندہ ہوئے اور غیبی امور کی خبریں دی گئیں۔ ﴿2﴾ اگر ایک نشانی بھی ہوتی تو بڑا معجزہ ہوتا۔ یہ نشانیاں یقین اور ایمان کے لیے تھیں۔

﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (50) ﴾

''اورتصدیق کرنے والا ہوں اس کے لیے جو مجھ سے پہلے تورات میں سے ہےاورتا کہ میں بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دوں جوتم پرحرام کردی گئی تھیں،اور میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لےکر آیا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤاورمیری اطاعت کرو۔''(50)

سوال1:﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾''اورتصدیق کرنے والا ہوں اس کے لیے جو مجھ سے پہلے تورات میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾میں ویسی ہی تعلیمات لے کرآیا ہوں جیسی سیدنا موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور جو تورات میں موجود تھیں۔﴿2﴾دین برحق اس وقت تورات میں پورا موجود تھا۔اس میں پوری شریعت موجود تھی۔﴿3﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی رسالت میں تورات پراعتماد فرماتے تھے۔

سوال2:﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾''اورتا کہ میں بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کردوں جوتم پرحرام کردی گئی تھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اورتا کہ میں بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کردوں جوتم پرحرام کردی گئی تھیں'سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ انجیل کی شریعت میں آسانی اورنرمی ہے۔﴿2﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے تورات میں سے بعض حرام چیزیں جوسزا کے طور پرحرام کی گئی تھیں،ان کوحلال کردیا۔﴿3﴾اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل نے تورات کے اکثر احکام منسوخ نہیں کیے بلکہ ان کی تکمیل کی ہے اورانہیں برقراررکھا ہے۔

سوال3:﴿ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾''اورمیں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لےکر آیا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اورمیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لےکرآیا ہوں'اس سے مرادسیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔﴿2﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات کا ذکراس لیے کیا کہ میں سچا ہوں اورمیری پیروی واجب ہے۔

سوال4:﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤاورمیری اطاعت کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤاورمیری اطاعت کرو'اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ،اس کے احکامات پرعمل کرو،اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جاؤ۔﴿2﴾میری اطاعت کروکیونکہ رسول کی اطاعت اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ(51) ﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اورتمہارا بھی،چنانچہ اسی کی عبادت کرویہی سیدھا راستہ ہے۔''(51)

سوال1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، چنانچہ اسی کی عبادت کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، چنانچہ اسی کی عبادت کرو''اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے توحید الوہیت کی دعوت دی ہے کہ جس طرح ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے، فاعبدوہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی جس طرح اس کو رب، خالق، رازق مانتے ہو اسی طرح صرف اسی کو معبود مانو، اسی سے محبت رکھو، اسی سے امید باندھو، اسی پر اعتماد کرو، اسی سے دعائیں کرو۔

سوال2: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت ﴿ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ سے عیسائیوں کی کیسے تردید ہوتی ہے؟

جواب: عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خود اقرار کیا کہ وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴾ بچے نے کہا: یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ (مریم:30)

سوال3: ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ ''یہی سیدھا راستہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ سیدھا راستہ ہے یعنی توحید کا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا، رسول اللہ کی فرماں برداری کا۔ یہی راستہ جنت تک پہنچاتا ہے۔

﴿ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ(52) ﴾

''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا: ''کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرا مددگار ہے؟'' حواریوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ ہو جائیں کہ یقیناً ہم فرماں بردار ہیں۔''(52)

سوال1: ﴿ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ ''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ ''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا'' یعنی جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ یہودی ان کی اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

سوال2: بنی اسرائیل کے بڑوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے سے انکار کیوں کیا؟

جواب: ﴿1﴾ بڑوں کے ہاتھ میں ہر قسم کے وسائل ہوتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو لوگ مذہب کی گدیوں پر قابض ہوتے ہیں عوام کی نظر میں وہی مذہب کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ﴿3﴾ مذہب کے نمائندے جس کو رد کر دیں عوام بھی اس کو رد کر دیتے ہیں۔ ﴿4﴾ جو لوگ حق کی زندگی کا

لیبل لگا کرلوگوں کے درمیان عزت کا مقام حاصل کر چکے ہیں وہ صرف خود انکار نہیں کرتے بلکہ دعوت دینے والے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سوال3: حق کی دعوت دینے والے کے خلاف محاذ آرائی کیسے ہوتی ہے؟

جواب: حق کی دعوت دینے والے کے خلاف اس طرح محاذ آرائی ہوتی ہے کہ ﴿1﴾ طرح طرح کے شوشے نکال کر عوام کو بھڑکایا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ اس پر وسائل حیات تنگ کئے جاتے ہیں۔ ﴿3﴾ لوگ ایسے فرد کو بے دین قرار دے دیتے ہیں۔ ﴿4﴾ آخر کار طاقت کے ذریعے اس کو مٹا دینے کا منصوبہ بناتے ہیں۔

سوال4: حق کے داعی کی مخالفت ہوتی ہے لیکن اس کا پیغام جاری رہتا ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد داعی کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے کوئی مخالفت اس کی آواز کو دبانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ ﴿2﴾ داعی مخالفتوں کے باوجود اپنا مشن جاری رکھتا ہے۔

سوال5: جو لوگ حق کی دعوت کی مخالفت کریں وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں کیسے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی نظر میں حق کی دعوت کے مخالف اور انکار کرنے والے مفسد ہیں۔ ﴿2﴾ حق کے مخالف انسانوں کو داعی کی طرف جانے سے نہیں جنت کی طرف جانے سے روکتے ہیں اور اس سے بڑا کوئی فساد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جنت کی طرف جانے سے روکا جائے۔

سوال6: ﴿ **قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ** ﴾ ''کہا: ''کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرا مددگار ہے'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت اور اس کے قیام کے لیے عام اپیل کس طرح کی؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ **مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ** ﴾ کون ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرا مددگار۔ ﴿2﴾ کون ہے جو دین کی دعوت اور اس کی نصرت کے لیے میرے ساتھ تعاون کرے گا۔ ﴿3﴾ کون ہے جو انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں میرا مددگار رہتا ہے تاکہ میں اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرسکوں۔

سوال7: دعوت دین کے لیے مددگاروں کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

جواب: حق کی طرف بلانے والے کو ساتھیوں کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ ﴿1﴾ اسے حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ اسے ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ ایسے افراد جو دعوت کا علم اٹھا کر چلتے رہیں۔ ﴿4﴾ ایسے افراد جو دعوت کو مسلسل پھیلاتے رہیں۔ ﴿5﴾ رسول اللہ ﷺ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے کے لئے مدد طلب کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی آواز پر انصار نے

لبیک کہا۔﴿6﴾رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خاندان سے تعاون طلب کیا۔اے حاضرین!میں تم سب کے لیے دنیا اور آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟ یہ سن کے سب کے سب چپ ہو گئے،سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: یارسول اللہ(ﷺ)!میں حاضر ہوں، نبی ﷺ نے ابوطالب سے کہا: تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے سنا کرو۔ یہ فقرہ سن کر مجمع خوب کھل کھلا کر ہنسا اور ابوطالب سے تمسخر کرنے لگا۔ دیکھو!محمد ﷺ نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔ (رحمۃ للعالمین:80)﴿7﴾عقبہ ثانیہ میں نبی ﷺ نے تعاون طلب کیا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سنایا جس کے سننے سے وہ ایمان اور ایقان کے نور سے بھرپور ہو گئے۔اب سب لوگوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ ہمارے شہر میں چل کر بسے تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:(i) کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟(ii)جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی مانند کرو گے؟ایمان والوں نے پوچھا: ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: بہشت (جو نجات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا محل ہے)۔ایمان والوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو ہماری تسلی فرما دیجئے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:''نہیں!میرا جینا، میرا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔''اس آخری فقرے کا سننا تھا کہ عاشقان صداقت عجب سرور ونشاط کے ساتھ جاں نثاری کی بیعت اسلام کرنے لگے۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی۔(رحمۃ للعالمین:119)

سوال8:﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾''حواریوں نے کہا''ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ﴾''حواریوں نے کہا''حواری کا مفہوم وہی ہے جو انصار کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی اور دین کے مددگار۔ ﴿2﴾﴿نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾''ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں''حواریوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اسی کام کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہا جا سکتا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے۔

سوال9: اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے کی جاتی ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد کر کے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے دین کو لے کر جو لوگ اٹھیں اور وہ سچے دین کی طرف بلانے والے ہوں تو ان کی مدد کر کے۔﴿3﴾اسلام کے پیغام کو انسانوں تک پہنچا کر۔﴿4﴾لوگوں کو دین سکھا کر۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے وقت،صلاحیت، مال،قوتیں اور رابطے لگا کر اللہ تعالیٰ کی مدد کی جاتی ہے۔

سوال10:﴿آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾''ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ یقیناً ہم فرماں بردار ہیں'' حواریوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا، حکمت بتائیں؟

جواب: ﴿1﴾ حواریوں نے کہا ﴿ **اٰمَنَّا بِاللّٰہِ** ﴾ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ ﴿ **وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴾ اور آپ گواہ ہو جائیں کہ یقیناً ہم فرماں برداروں میں سے ہیں۔ ﴿2﴾ دین کی دعوت دینے والے کا معاملہ کسی انسان سے نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے۔ دین کی دعوت دے کر تو اجر اللہ تعالیٰ کی ذات سے لینا ہے۔ اس لیے حواریوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا۔ ﴿3﴾ دعوت دینے والے یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین حق ہے اور یہ کہ اس دین میں انسانوں کے لیے بھلائی ہے۔ ﴿4﴾ دعوت دینے والے اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں اور یہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے دین کا نمونہ بنائے جس کی وجہ سے گواہی ممکن ہو جائے۔

﴿ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** (53) ﴾

"اے ہمارے رب! جو آپ نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے چنانچہ ہمیں بھی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے۔" (53)

سوال 1: ﴿ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** ﴾ "اے ہمارے رب! جو آپ نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے" حواریوں نے انصار اللہ بننے کے لیے اپنی کن صفات کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے؟

جواب: ﴿1﴾ حواریوں نے کہا: ﴿ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ** ﴾ "اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لے آئے جو آپ نے نازل کیا" حواریوں نے انصار اللہ بننے کے لیے سب سے پہلے اپنے ایمان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے جو آپ نے نازل کیا۔ ﴿2﴾ حواریوں نے کہا: ﴿ **وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** ﴾ "اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے" حواریوں نے انصار اللہ بننے کے لیے رسول کی اتباع کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا کہ ہم کسی خود ساختہ طریقے پر عمل پیرا نہیں رسول کے طریقے کے پیروکار ہیں۔ ﴿3﴾ حواریوں نے کہا: ہم آپ کی توحید، رسالت اور وحی پر ایمان لانے والے ہیں اس لیے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

سوال 2: ﴿ **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴾ "چنانچہ ہمیں بھی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے؟" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ چنانچہ ہمیں بھی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس گواہی سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار، انبیاء کی تصدیق اور اس کے مطابق عمل اور جو عبادات ان پر واجب ہے اس کو ادا کرتے ہیں۔ جب وہ دین کی نصرت کے لیے اور شریعت کو قائم کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ ان دونوں میں جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی اور مشرکوں کو شکست ہوئی اور اہل توحید کامیاب ہو گئے۔ (تفسیر سعدی: 373,372/1)

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (54) ﴾

''اورانہوں نے خفیہ تدبیر کی اوراللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اوراللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔''(54)

سوال: ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ''اورانہوں نے خفیہ تدبیر کی اوراللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اوراللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے'' یہودیوں کا مکر کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَمَكَرُوْا ﴾ ''اورانہوں نے خفیہ تدبیر کی'' یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کوسولی پر چڑھانا چاہتے تھے جس کے لیے انہوں نے ان پرالزام لگائے۔ ﴿2﴾ یہودی اللہ تعالیٰ کے نبی کوشہید کردینا چاہتے تھے۔ ﴿3﴾ ﴿ وَمَكَرَ اللّٰهُ ﴾ ''اوراللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی'' اللہ تعالیٰ کا مکر (تدبیر) یہ تھی کہ اس نے یہودیوں کوان کے منصوبوں پرسزادینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ﴿4﴾ ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ''اوراللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے'' اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے وہ اپنے اولیاء کی حفاظت فرماتا ہے اوران کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔

رکوع نمبر6

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (55) ﴾

''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! یقیناً میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اوران لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تجھے پاک کرنے والا ہوں اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا۔ پھر میری طرف تم سب کی واپسی ہے، سومیں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔''(55)

سوال1: ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! یقیناً میں تجھے قبض کرنے والا ہوں'' مُتَـوَفِّـی کے کیامعنی ہیں؟

جواب: مُتَـوَفِّـی سے مراد ہے کہ میں پوراپورا لینے والا ہوں یعنی یہودیوں کی سازش سے بچا کرآسمانوں پراٹھانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پراپنی طرف اٹھایا اورکسی اورشخص پران کی مشابہت ڈال دی۔ جس شخص کوان کا ہم شکل بنایا گیا تھا اسے پکڑ کرصلیب پر چڑھایا گیا اورقتل کردیا گیا۔ اس طرح اپنے خیال میں انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کوشہید کرنے کی کوشش کی تھی اوروہ اس میں کامیاب بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ﴾ حالانکہ انہوں نے نہ اس کوقتل کیا اورنہ اسے سولی دی

بلکہ اس کی شبیہ بنادی گئی۔(النساء:157)

سوال2: اللہ تعالی نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو واپس کیوں بلالیا؟

جواب: ﴿1﴾بنی اسرائیل نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی۔﴿2﴾انھوں نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر کاٹ ڈالا۔﴿3﴾بنی اسرائیل کے علماء اور فقہاء نے سازش کر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔﴿4﴾بنی اسرائیل کو مزید سمجھانا اور ان پر وقت لگانا بے فائدہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو واپس بلالیا۔

سوال3: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی برقرار رکھی شریعت بھی پھر یہودیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیوں کیا تھا،فرق کس چیز میں آیا تھا؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی برقرار رکھی اور شریعت بھی،یہودیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار اس لیے کیا تھا کہ ان کا عقیدۂ آخرت خراب ہوگیا۔ان کا خیال تھا کہ ہم جو جی چاہے کریں ہماری پکڑ نہیں ہونے والی۔

سوال4: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے واپس بلانے کا تذکرہ اس مقام پر کس لیے کیا گیا؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے واپس بلانے کا تذکرہ اس مقام پر عیسائیوں کے اس عقیدے کی تردید کے لیے کیا گیا کہ ''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں'' کیوں کہ وہ معجزانہ طور پر پیدا ہوئے۔ان کے معجزات ایسے تھے کہ وہ انسان نہیں ہوسکتے اور یہ کہ انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

سوال5: قرآن حکیم نے عیسائیوں کے غلط عقائد کی تردید کیسے کی؟

جواب: ﴿1﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔﴿2﴾معجزات کے بارے میں واضح کیا کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ بھی اپنے اختیار سے نہیں کیا۔﴿3﴾مسیح علیہ السلام تو صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے جس کی صلیب والی تصویر تم نے اپنے مذہب کا حصہ بنالی ہے مسیح علیہ السلام کو تو اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تھا۔

سوال6: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ ''اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾رب العزت نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر اٹھالیا۔ان کے دشمنوں نے ایک شخص کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا اور قتل کر دیا۔اس طرح وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے عظیم جرم کے مرتکب ہوتے رہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں واضح فرمایا:﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھایا بلکہ ان کے لیے اس کی شبیہہ بنادی گئی۔اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں،انہیں اس کے بارے میں گمان کا پیچھا کرنے کے سوا علم نہیں

اور انہوں نے یقیناً اسے قتل نہیں کیا۔(النساء:157) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے شک میں ہیں۔﴿3﴾اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے اوپر ہونا اور عرش پر حقیقتاً مستوی ہونا ثابت ہوتا ہے جیسے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے جنہیں اہل سنت نے تسلیم کیا ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔(تفسیر سعدی:373/1)

سوال7: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا۔وہ زندہ ہیں،آئندہ ان کا مشن کیا ہوگا،اس کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے؟

جواب:﴿1﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔﴿2﴾قرب قیامت کے زمانہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔100 سے زائد احادیث نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں مروی ہیں۔﴿3﴾جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے مسیح دجال کو قتل کریں گے،صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور سجدہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہوجائے گا۔﴿4﴾نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:(اِنَّ عِیسیٰ لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَیْكُمْ)یقیناً عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی یقیناً وہ تمہاری طرف واپس لوٹیں گے۔بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے،خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ان کے نزدیک یا تو اسلام ہوگا یا قتل،وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے اور مسلمان ہی ان کے مددگار اور ان کے پیروکار ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہو۔(مسلم:389)﴿5﴾یہ غیبی امور میں سے ہے،متشابہات میں داخل ہے۔اس کی تاویل صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

سوال8: ﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾"اور تجھے پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا"اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾"اور تجھے پاک کرنے والا ہوں"یہاں اس سے مراد ان الزامات سے پاکیزگی ہے جو یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر عائد کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکیزگی ساری دنیا کے سامنے پیش کردی۔﴿2﴾اس سے یہ بھی مراد ہے کہ یہود ونصاریٰ،مجوسیوں اور آپ کی قوم کے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا آپ کو پاک کرنے والا ہوں۔

سوال9:﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾"اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا"کی وضاحت کریں؟

جواب:"اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا"﴿1﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح معنوں میں پیروی کرنے والے صرف مسلمان ہیں اور اگر صرف ماننے والے ہوں تو پھر عیسائی اور مسلمان ہیں۔﴿2﴾یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دنیاوی معاملہ ہے۔آخرت کا معاملہ اس کے علاوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار کے مطابق

ہوگا۔

سوال10: ﴿ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''پھر میری طرف تم سب کی واپسی ہے،سو میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''پھر میری طرف تم سب کی واپسی ہے'' اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اٹل ہے،اس کی طرف لوٹنے سے کوئی چھٹکارا نہیں پا سکتا،اس سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔﴿2﴾ ''میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے'' لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے،اس کا فیصلہ کسی کے خودساختہ عقیدے کے مطابق نہ ہوگا۔

﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ٘ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ(56) ﴾

''پھر جن لوگوں نے کفر کیا انہیں میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔''(56)

سوال1: ﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''پھر جن لوگوں نے کفر کیا انہیں میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''پھر جن لوگوں نے کفر کیا'' یہاں کافروں سے مراد اہل صلیب ہیں اور اہل تثلیث ہیں۔(تفسیر المیسر: عائض القرنی:73/1)﴿2﴾ رب العزت نے ان کافروں کے بارے میں واضح فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔﴿ فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا ﴾ ''انہیں میں دنیا میں سخت عذاب دوں گا'' دنیا کے عذاب سے مراد قتل،قید،ذلت اور مسکنت ہے۔﴿3﴾ ﴿ وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''اور آخرت میں'' آخرت کے عذاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کا عذاب ہے۔﴿4﴾ جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت کا عذاب ہے۔اس وجہ سے کہ وہ دراصل سچائی کی مخالفت کرتے ہیں جو جہالت بھی ہے اور نافرمانی بھی۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انکار کرنے والے مفسد ہیں کیونکہ وہ خود بھی جنت جانے سے رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے مفسدین کو دنیا میں بھی سزا دی جائے اور آخرت میں شدید عذاب ان کا مقدر ہے۔

سوال2: ﴿ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴾ ''اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔نہ کسی کی شفاعت،نہ دوستی،نہ رشتے داری کام آئے گی نہ خود اپنے کام آسکیں گے۔﴿2﴾ جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوست بناتے ہیں وہ ان کے لیے مددگار نہیں ہوں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں اور ان کی شفاعت کریں۔

﴿ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ١ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ(57) ﴾

''لیکن جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے،توانہیں وہ پورے پورے ان کے اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔''(57)

سوال1: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ﴾ ''لیکن جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے تو انہیں وہ پورے پورے ان کے اجر دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''لیکن جولوگ ایمان لائے'' وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، موت کے بعد کی زندگی پر اور ان سب امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کا انہیں حکم دیا گیا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جنھوں نے نیک عمل کیے'' اعمال صالحہ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جن کا تعلق دل، زبان اور بدن سے ہے، وہ اعمال جن کو رسولوں نے مشروع اور مطلوب قرار دیا، جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ﴾ ''تو انہیں وہ پورے پورے ان کے اجر دے گا'' انہیں ان کا پورا اجر دیا جائے گا، دنیا میں عزت، احترام، پاکیزہ زندگی اور مدد اور مکمل ثواب آخرت میں ملے گا جہاں اللہ تعالیٰ کا مزید فضل وکرم بھی ہوگا۔ ﴿4﴾ ایمان والوں کو پورا پورا اجر ایمان اور نیک اعمال اور جہالت چھوڑ کر فرماں برداری کا رویہ اپنانے کی بنیاد پر دیا جائے گا۔

سوال2: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا'' وہ ظالموں پر غضب ناک ہے، ان سے ناراض ہے۔ ﴿2﴾ ظلم اس کائنات کی فطرت کے خلاف ہے کیونکہ ظالم حق دار کو اس کا حق نہیں دیتا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس لئے ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور وہ کیسے اپنے بندوں پر ظلم کرسکتا ہے جب کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دیتا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (58) ﴾

''یہ ہے جو ہم پرحکمت آیات اور نصیحت میں سے تم پر پڑھتے ہیں۔''(58)

سوال: ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴾ ''یہ ہے جو ہم پرحکمت آیات اور نصیحت میں سے تم پر پڑھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہ ہے جو ہم پرحکمت آیات اور نصیحت میں سے تم پر پڑھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ اور ان کی امت پر احسان ہے کہ حکمت والا محکم اور پختہ قرآن ان پر نازل کیا۔ ﴿2﴾ پرحکمت آیات اور نصیحت سے مراد قرآن حکیم ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے پرحکمت قرآن مجید میں حلال وحرام کے احکامات بیان فرمائے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے نصیحت بھرے قرآن میں انبیاء کے حالات وواقعات اور

معجزات بیان فرمائے۔جن سے ہمیں ثابت قدمی،اطمینان قلب اورعبرت حاصل ہوتی ہے۔﴿5﴾﴿ وَالذِّكْرِ ﴾ ''اورنصیحت'' قرآن مجید کی صفت الذکر ہے۔اس میں پچھلی قوموں کے حالات وواقعات سے نصیحت کی جاتی ہے۔﴿6﴾اس میں ایسے عقلی دلائل ہیں جن سے ہرصاحب شعورنصیحت حاصل کرسکتا ہے۔﴿7﴾قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔﴿8﴾قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش،اس کی زندگی،اس کی موت،اس کے حساب کتاب اور ہمیشہ کی جنت اورجہنم کا تذکرہ ہے۔﴿9﴾قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی خدائی مشن سے محبت،اس کے لیے کوششوں،اس کے راستے کی رکاوٹوں اور جاں نثاروں کی قربانی کا تذکرہ ہے۔﴿10﴾ قرآن حکیم میں پچھلے انبیاء کا تذکرہ ہے۔﴿11﴾قرآن حکیم ساری انسانیت کے لئے'' الذکر'' نصیحت ہے۔﴿12﴾قرآن مجید'' حکیم'' ہے اورحکمت زندہ مخلوق کی صفت ہے۔قرآن مجید زندہ کلام ہے دلوں کی زندگی کے لیے آیا،عقل کی غذا کے لیے آیا،زندگی بدلنے کے لیے آیا۔اس کا پیغام حکمت سے لبریز ہے جودلوں پراثر انداز ہوتا ہے۔﴿13﴾قرآن مجید کی کوئی بات خلاف عقل نہیں،خلاف واقعہ نہیں،کوئی بات انسانی فطرت کے خلاف نہیں۔﴿14﴾قرآن مجید کا کوئی مضمون ایسا نہیں جوانسانی فہم سے بالاتر ہو۔زمین پراس حکیم کلام سے بڑاانقلاب کوئی کلام لے کرنہیں آیا۔

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (59) ﴾

'' بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے،اللہ تعالیٰ نے اس(آدم)کومٹی سے بنایا پھراس سے کہا کہ ہوجاتو وہ ہوگیا۔''(59)

سوال1: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ﴾ '' بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾'' بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے'' آدم علیہ السلام سب سے پہلے بشر ہیں جن کوسبھی بشرتسلیم کرتے ہیں۔اگرسیدنا عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تو سیدنا آدم علیہ السلام معروف طریقہ کے مطابق مرداورعورت کے تعلق سے وجود میں نہیں آئے بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت وجود میں آئے۔جب ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے پھربھی سیدنا آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں توسیدنا عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح باپ کے بغیر پیدا ہونے کی بناء پرکیسے اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوجائیں گے؟﴿2﴾سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟اللہ تعالیٰ ایک زندہ وجاوید ہستی ہے اس پرکبھی موت آنے والی نہیں ہے مگرسیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر موت آنے والی ہے۔

سوال2: عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کواللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا،ان کے دلائل کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عام انسانوں سے مختلف ہیں۔ ﴿2﴾ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ان کی پیدائش باپ کے واسطے کے بغیر ہوئی پھر آپ کو عام انسان کیسے کہا جائے؟ ﴿3﴾ ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ پیدائش یہ بتاتا ہے کہ آپ بشر سے اوپر ہیں وہ انسان کے نہیں خدا کے بیٹے ہیں۔

سوال3: ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اس (آدم) کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اس (آدم) کو مٹی سے بنایا'' انہیں بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ اس لئے عیسائیوں کے لیے تو سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی وہی عقیدہ رکھنا لازم آتا ہے جو وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے معبود ہو سکتے ہیں تو آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں ہی کے بغیر مٹی سے پیدا کیے گئے۔ ﴿2﴾ ''پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا'' اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے کہ صرف اس کے ''کُن'' کہنے سے ہر چیز وجود میں آتی ہے۔

﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (60)﴾

''یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے، چنانچہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔'' (60)

سوال1: ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے'' یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ حق ہے اور اعلیٰ ترین سچائی ہے۔ ﴿2﴾ انبیاء کے واقعات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی خصوصی تربیت ہے۔

سوال2: ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ''چنانچہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''چنانچہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا'' آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سیدنا آدم علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ اور روح ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے حق کو دلائل کے ساتھ واضح کیا اس لیے: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ (یونس:32)

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (61)﴾

''پھر جو آپ سے اس میں جھگڑا کرے اس کے بعد جو علم میں سے آپ کے پاس آ گیا تو آپ کہہ دو تم آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں بھی بلائیں ہم گڑگڑا کر دعا کریں پس ہم جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی

لعنت بھیجیں۔''(61)

سوال1: ﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ '' پھر جو آپ سے اس میں جھگڑا کرے اس کے بعد جو علم میں سے آپ کے پاس آ گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' پھر جو آپ سے اس میں جھگڑا کرے اس کے بعد جو علم میں سے آپ کے پاس آ گیا''یعنی اگر اب آپ سے کوئی جھگڑا کرتا ہے اور سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو ان کے مقام سے بڑھا کر مقام ربوبیت پر لاتا ہے تو جب آپ ﷺ نے یقینی علم کے ساتھ، دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ایسے یقینی علم کو نہ ماننے والا اعناد میں مبتلا ہے اس کی بحث محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت اور ضد کی بنا پر ہے۔ ایسے شخص کا مقصد حق کی پیروی کرنا نہیں اس لیے دلائل کے ساتھ اس کا علاج نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے'' مباہلہ'' کا طریقہ اختیار کیا جائے گا تا کہ فیصلہ ہو جائے۔

سوال2: ﴿ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾ '' تو آپ کہہ دو تم آ ؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں بھی بلائیں ہم گڑگڑا کر دعا کریں پس ہم جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں مباہلہ کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اگر دو گروہوں کے درمیان دلیل سے بات کو نہ مانا جائے تو آخری چیلنج '' مباہلہ'' کے ذریعے دیا جاتا ہے تا کہ فیصلہ ہو جائے۔ ﴿2﴾ مباہلہ ایک دوسرے پر لعنت کی بد دعا کرنے کو کہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے فریقین اپنے بال بچوں کو لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

سوال3: نبی ﷺ مباہلہ کے لیے نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟

جواب: نبی ﷺ مباہلہ کے لیے نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تھے۔

سوال4: نجرانی عیسائیوں کا رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کیا رد عمل تھا؟

جواب: ﴿1﴾ نجرانی عیسائی رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور انہوں نے باہم مشورے کی مہلت مانگی۔ ﴿2﴾ مشورے میں ان کے ایک عالم نے کہا کہ بنی اسماعیل میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی پیغمبر ہوں پھر ایک پیغمبر سے مباہلے کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ تمہارے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو جائیں۔ اللہ کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ دعا کریں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں اس لیے بہتر ہے ہم صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف نکل جائیں۔

سوال5: عیسائیوں کے مباہلہ نہ کرنے پر نبی ﷺ نے کیا فرمایا؟

جواب: عیسائیوں کے مباہلہ نہ کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا: اگر یہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو یہ وادی ان پر آگ برساتی۔ ﴿1﴾ امام بخاری نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نجران کے نصرانیوں کے دو سردار رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کے لیے آئے۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ایسا نہ کرو اللہ کی قسم اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم اور ہمارے بعد ہماری نسل کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ چنانچہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ (صحیح بخاری:4380) ﴿2﴾ امام احمد نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مباہلہ کی نیت کرنے والے ایسا کر گزرتے تو لوٹنے کے بعد نہ تو انہیں اپنا مال ملتا اور نہ اہل وعیال۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے۔ (مسند احمد:2225)

﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (62) ﴾

’’بلاشبہ یہ یقیناً سچا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ (62)

سوال1: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ﴾ ’’بلاشبہ یہ یقیناً سچا بیان ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’بلاشبہ یہ یقیناً سچا بیان ہے‘‘ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یقیناً یہ سچا بیان ہے کہ وہ ’’کلمۃ اللہ‘‘ ہیں جسے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا گیا اور اس کی جانب سے روح اور اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

سوال2: ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں‘‘ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں کوئی اس کا استحقاق نہیں رکھتا۔ ﴿2﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں‘‘ اس کا ہم سے یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا واحد رب مانیں اور صرف اس کی غلامی اختیار کریں۔ ﴿3﴾ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کریں۔ ﴿4﴾ صرف اللہ تعالیٰ سے تمام ہدایت اخذ کریں۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے ہدایت نہ لیں چاہے۔ آداب واخلاق کے معاملات ہوں، چاہے زندگی کے طور طریقے ہوں، چاہے قانون ہو۔

سوال3: ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ’’اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ’’العزیز‘‘ اور ’’الحکیم‘‘ کا کیسے یقین دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ العزیز ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ الحکیم ہے، وہ حکمت والا ہے جو ہر چیز کو صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ الحکیم ہے وہ کافروں کے ذریعے سے مومنوں کی آزمائش کرتا ہے جس سے مومن قولی اور عملی طور پر جہاد کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:377/1)

﴿ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ(63) ﴾

’’اگر وہ پھر بھی منہ موڑیں گے تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو یقیناً خوب جاننے والا ہے۔‘‘(63)

سوال1: ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴾ ’’اگر وہ پھر بھی منہ موڑیں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اگر وہ پھر بھی منہ موڑیں گے‘‘ یعنی وہ توحید اور حق کو قبول کرنے سے اعراض کریں گے۔ ﴿2﴾ ’’تو اللہ تعالیٰ یقیناً فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے‘‘ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ اس میں ان کے لیے وعید اور تہدید ہے۔

سوال2: دنیا کا فساد کیا ہے؟

جواب: دنیا کا فساد شرک ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿ لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ اگر ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد برپا ہو جاتا۔ (الانبیاء:22)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا یقین کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے سچے بیان سے، یہودیوں کی خفیہ تدبیروں کے علم سے، مباہلے کی دعوت اور اس پر ردعمل کے علم سے اور یہودیوں کے فساد کے علم سے اپنے علیم ہونے کا یقین دلایا ہے۔

سوال4: اس رکوع میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت کے بارے میں اہم حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے، مختصراً واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا جو عقیدہ ہے اس کی کوئی وجہ بھی درست نہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی مصلحت کے تحت غیر معمولی انداز سے پیدا کیا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں معجزات عطا فرمائے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں صلیب پر نہ چڑھنے دیا۔ ﴿5﴾ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے وہ اپنے جس بندے کو جیسے چاہے استعمال کرلے۔ ﴿6﴾ کسی انسان کے ساتھ خاص برتاؤ دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ خود مالک تھا یا مالک کا بیٹا تھا یا اس کی ملکیت میں شریک تھا، درست نہیں۔ ﴿7﴾ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ان کے مشن میں کوئی فرق نہیں۔ ﴿8﴾ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا مذہب اسلام تھا یہ وہی مذہب ہے جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ بعد میں عیسائیت ان عقائد پر قائم نہیں رہی۔

رکوع نمبر 7

﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا

﴿ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ(64) ﴾

’’ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب !اس کلمے کی طرف آ ؤ جو ہمارے درمیان اورتمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو بھی رب نہ بنائیں ۔پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ ہو جاؤ بلا شبہ ہم مسلمان ہیں ۔‘‘(64)

سوال1: ﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ﴾’’ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب !اس کلمے کی طرف آ ؤ جو ہمارے درمیان اورتمہارے درمیان برابر ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾اس کلمے سے مراد وہ کلمہ ہے جس کی بنیاد پر سب متحد ہو سکتے ہیں،جس پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے۔﴿2﴾امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے اسی کلمہ سواء کو بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔اہل کتاب سے مراد یہودی اورعیسائی ہیں۔﴿3﴾اسلام کی پکار ایک اللہ کی پکار ہے، ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا سب کچھ بنا لینے کی پکار ہے۔﴿4﴾زندگی کا ہر کام ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کی پکار ہے۔﴿5﴾انبیاء کی اصل تعلیمات اورعقیدہ مسلمانوں اور یہودیوں میں یکساں ہے۔ ﴿6﴾انبیاء کی اصل تعلیم ’’توحید‘‘ ہے۔﴿7﴾توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات،صفات،اختیارات میں ایک مانا جائے،صرف اس کی عبادت کی جائے،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے،کسی انسان کو وہ مقام نہ دیا جائے جو کائنات کے مالک کے لیے خاص ہے۔﴿8﴾اسلام،یہودیت اورعیسائیت کے عقیدۂ توحید میں کوئی فرق نہیں،عقیدۂ توحید ایک ہے۔یہودیوں اورعیسائیوں نے توحید کا اقرار کیا لیکن عملی طور پر وہ سب کچھ اختیار کر لیا جو توحید کے خلاف تھا۔توحید اپنی خالص صورت میں صرف قرآن مجید اوراسلام میں موجود ہے۔یہودیوں اورعیسائیوں نے زبان سے اللہ تعالیٰ کو رب کہا لیکن اپنے نبیوں اور بزرگوں کو رب بنا ڈالا۔عملی اعتبار سے وہ عقیدۂ توحید پر نہیں ہیں۔

سوال2: ﴿ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـئًا ﴾’’ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:’’ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں‘‘،توکل،محبت،خوف اورامید کا تعلق اسی سے رکھیں،اس کے ساتھ کسی نبی،ولی کسی بت،حیوان،اور جمادات کو شریک نہ کریں۔

سوال3: ﴿ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾’’ اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو بھی رب نہ بنائیں‘‘ رب بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:’’ اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو بھی رب نہ بنائیں‘‘،یعنی صرف اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کریں۔ہم

کسی مخلوق کی بات مان کر خالق کی نافرمانی نہ کریں کیونکہ یہ کام مخلوق کو خالق کا مقام دینے کے مترادف ہے۔(تفسیر سعدی:378/1)

سوال4:﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ ہو جاؤ بلاشبہ ہم مسلمان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾جب اہل کتاب یا دوسرے غیر مسلموں کو اس بات کی دعوت دی جائے اور وہ تسلیم کر لیں تو وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر ہو جائیں گے۔ان کے حقوق وفرائض دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔اگر وہ تسلیم نہ کریں تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہش نفس کے پیروکار اور معاند ہیں۔تو انہیں گواہ بنا کر کہہ دو کہ ہم مسلمان ہیں۔(تفسیر سعدی:378/1)﴿2﴾ایمان والوں پر جب شبہات وارد ہوں تو ان کے لیے ایمان کی تجدید ضروری ہو جاتی ہے تا کہ وہ اپنے رب کی نعمت پر شکر ادا کریں۔اس لیے آپ کہو کہ ہم سچے مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہیں۔

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ(65) ﴾

''اے اہل کتاب!تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل اس کے بعد ہی نازل کی گئیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''(65)

سوال1:﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ ﴾''اے اہل کتاب!تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟'' کا شان نزول بتائیں؟

جواب:﴿1﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نجران کے عیسائی اور یہودیوں کے احبار رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور آپ ﷺ سے مباحثہ شروع کر دیا۔احبار نے کہا: ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائیوں نے کہا: وہ عیسائی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔﴿2﴾﴿ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ ﴾''تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔﴿3﴾اہل کتاب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں''مجادلہ''جھگڑا اس لیے کرتے ہیں تا کہ مسلمانوں کو اپنے دین کے معاملے میں گمراہ کر دیں۔﴿4﴾ان کے جھگڑے کا مقصد یہ تھا کہ ان کے عقائد میں شبہات پیدا کر دیے جائیں۔﴿5﴾جھگڑے کے پس منظر میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ نبوت ان کی اولاد میں رہے گی اس طرح وہ یہ فضیلت اپنے نام کروانا چاہتے تھے۔

سوال2:﴿ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾''حالانکہ تورات اور انجیل اس کے بعد ہی نازل کی گئیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''اللہ تعالیٰ نے یہود اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کس طرح کیا؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے یہود اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ یہ کہہ کر کیا کہ اس بات میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔《2》سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی، نہ مشرک بلکہ یک سو مسلمان تھے۔《3》سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کا سب سے زیادہ حق تو ان کو پہنچتا ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔《4》نبی ﷺ اور ان کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔《5》《**اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**》تو کیا تم سمجھتے نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام تورات اور انجیل کے نازل ہونے سے پہلے گزرے ہیں، کیسے ممکن ہے کہ وہ یہودی یا عیسائی ہوں؟ یہ دعویٰ عقل کے خلاف ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟

《**هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**(66)》

''ہاں تم وہ لوگ ہو تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا پھر اس کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''(66)

سوال1:《**هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ**》''ہاں تم وہ لوگ ہو تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا پھر اس کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بحث کا جواب دیا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تمہارا جھگڑا ایسے معاملے میں ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔ ایسے موضوع پر بحث نہیں کرنی چاہیئے جس کا علم نہ ہو۔《2》اللہ تعالیٰ نے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے فرمایا: تم نے اس بات کے بارے میں تو جھگڑا کیا جن کا تمہیں علم تھا پھر ایسی بات کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔《3》سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو تورات اور انجیل نازل ہونے سے بہت پہلے گزرے ہیں۔

سوال2:《**وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**》''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کس دین پر تھے۔《2》''اور تم نہیں جانتے'' یعنی جہالت کی بنیاد پر تم نہیں جانتے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دین کیا تھا۔

《**مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**(67)》

''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ یک سو مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہیں تھے۔''(67)

سوال1:《**مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا**》''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ یک سو مسلمان تھے'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا واضح فرمایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں واضح فرمایا کہ وہ نہ یہودی تھے، نہ عیسائی، یک سو مسلمان تھے، مشرک نہ تھے۔ ﴿2﴾﴿حَنِيفًا﴾ سے مراد شرک سے بے زار، اللہ تعالیٰ کے لئے خالص۔حنیف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے یک سو ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کی طرف نہیں جھکتا، جس کی محبت، جس کے جذبے، جس کی اطاعت، جس کی دعائیں، جس کی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوں۔﴿3﴾﴿مُّسْلِمًا﴾ سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا ہے۔مسلم وہ ہے جو اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ ﴿4﴾﴿حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ سے مراد خالص مسلمان ہے۔

سوال2:﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾''اور مشرکوں سے نہیں تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور مشرکوں سے نہیں تھے'' یہودیوں اور عیسائیوں کے اندر عقیدے کی تبدیلی شرک کی حد تک پہنچ چکی ہے اور ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔﴿2﴾مشرکین قریش جو اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے ہیں انہیں یہ بتایا گیا کہ ان کے عقیدے کی کوئی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہیں ہے۔اسلام اور شرک دو الگ عقائد ہیں دونوں کی حقیقت الگ ہے، دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ(68)﴾

''یقیناً لوگوں میں ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔''(68)

سوال1:﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾''یقیناً لوگوں میں ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''یقیناً لوگوں میں سیدنا ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور ان کے طریقے پر ہیں وہ ان کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔﴿2﴾نبی ﷺ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دوست ہیں جو اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مطابق ان کے دین پر ہیں۔اس کے بعد وہ لوگ جو اس نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے نظام زندگی اور اپنے Life style میں ایک جیسے ہو گئے ہیں۔﴿3﴾سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب نبی اکرم ﷺ اور سچے مومن ہیں کیونکہ اسلامی شریعت ملت حنیف کے سب سے قریب ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔﴿4﴾سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے لیے انبیاء علیہم السلام میں سے دوست ہوتے ہیں، میرے دوست میرے باپ اور اللہ تعالیٰ کے خلیل جناب ابراہیم علیہ السلام ہیں۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ﴾ تلاوت فرمائی''یقیناً لوگوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے

ان کی پیروی کی۔''(آل عمران:68)(ترمذی:2995)

سوال2: اسلامی نقطہ نظر سے ایمان کا رشتہ ہی اہم رشتہ ہے کیسے، وضاحت کریں؟

جواب:《1》اسلامی نقطہ نظر سے ایمان کا رشتہ ہی اہم رشتہ ہے کیونکہ انسان کا Social system ان بنیادوں پر قائم نہیں ہوتا جن پر جانوروں کا قائم ہوتا ہے۔مثلاً (i) ایک جگہ چرنے والے جانور (یہ علاقائی بنیاد ہے)(ii) ایک جنس کے جانور (یہ نسلی بنیاد ہے)(iii) ایک چراگاہ میں رہنے والے جانور (خاندانی بنیاد)《2》ایک انسان کا دوسرے انسان سے، ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے، ایک نسل کا دوسری نسل سے رابطہ عقیدہ اور نظریۂ حیات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔《3》ایک مومن دوسرے مومن سے محبت کرتا ہے۔(i) ایک مسلمان گروہ کو دوسرے مسلمان گروہ سے محبت ہوتی ہے۔(ii) ایک اسلامی جماعت کا دوسری اسلامی جماعت سے تعلق ہوتا ہے۔《4》ایمان والوں کے آپس میں تعلقات کے لیے (i) زمانے اور علاقے کی حدود حائل نہیں ہوسکتیں۔(ii) اس تعلق کے راستے میں خون اور نسب کے فاصلے حائل نہیں ہوتے۔(iii) اس تعلق کے راستے میں قوم اور وطن کے فاصلے بھی آڑے نہیں آسکتے۔《5》ایمان والے نظریے کی بنیاد پر دوست ہوتے ہیں، ان کی دوستی میں سب سے اہم بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی کی خاطر یہ دوستی وجود میں آتی ہے۔

سوال3:《وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ》''اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے'' اللہ تعالیٰ ان کا حامی و مددگار رہے جو ایمان والے ہیں۔اس وجہ سے کہ《1》وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔《2》اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔《3》وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے والے ہیں۔《4》ایمان والے صدیاں گزرنے پر بھی، زمانے گزرنے پر بھی، زمین اور وطن کا فاصلہ حائل ہونے پر بھی، خاندان اور برادریاں مختلف ہونے پر بھی ایک ہیں، یہ ایک ہی رہیں گے، یہ ایمان والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے۔

《وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ(69)》

''اہل کتاب میں سے ایک گروہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کردیں حالانکہ وہ نہیں گمراہ کررہے مگر اپنی جانوں کو اور وہ شعور نہیں رکھتے۔''(69)

سوال1:《وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ》''اہل کتاب میں سے ایک گروہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اہل کتاب میں سے ایک گروہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کردیں'' اللہ تعالیٰ مومنوں کو اہل کتاب کے اس خبیث گروہ کی مکاریوں سے متنبہ فرما رہا ہے کہ ان کی خواہش یہی ہے کہ تمہیں گمراہ کردیں۔جیسے ارشاد ہے:《وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنادیں۔(البقرۃ:109)اور جسے کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے وہ اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد بھی کرتا ہے۔ یہ گروہ بھی پوری کوشش کرتا ہے کہ مومنوں کو مرتد کردے۔اس مقصد کے لیے وہ لوگ ہر ممکن طریقے سے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(تفسیر منان:380/1)

سوال2:﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ ''حالانکہ وہ نہیں گمراہ کررہے مگر اپنی جانوں کو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' حالانکہ وہ نہیں گمراہ کررہے مگر اپنی جانوں کو'' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ بری تدبیریں کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش خود ان کی گمراہی اور عذاب میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے اس کے بدلے جو وہ فساد کیا کرتے تھے۔(النحل:88)

سوال3: اہل کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور خود گمراہ ہوجاتے ہیں، وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اہل کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور خود گمراہ ہوجاتے ہیں۔ان کی دلی خواہش ہے جس کا اظہار ہر تدبیر، ہر بحث، ہر مناظرے اور ہر سازش سے ہوتا ہے۔﴿2﴾ ان کی یہ خواہش محض دشمنی اور شرارت کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ کھلی گمراہی ہے۔﴿3﴾ اس قسم کی خواہشات سچائی، بھلائی، ہدایت، خیر خواہی کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتیں۔﴿4﴾ اہل کتاب جب بھی اہل اسلام کے خلاف کوئی سازش کرتے ہیں اس وقت خود گمراہ ہوجاتے ہیں اور ان کی گمراہ کرنے کی کوشش خود ان کی گمراہی اور عذاب میں اضافے کا سبب بن جاتی ہیں۔

سوال4:﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور وہ شعور نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور وہ شعور نہیں رکھتے'' انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کی کوشش، ان ہی کو نقصان پہنچارہی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔(تفسیر منان:380/1)

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ(70) ﴾

''اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم گواہی دیتے ہو!''(70)

سوال1:﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟'' اہل کتاب قرآن مجید کی دعوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، اس کی کیا وجہ تھی؟

جواب: اہل کتاب قرآن مجید کی دعوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ﴿1﴾ ان کے اندر یہ احساس تھا کہ وہ پہلے سے

حق پر ہیں۔﴿2﴾حق پرستوں کے سب سے بڑے گروہ (بنی اسرائیل) سے وابستگی رکھتے ہیں۔

سوال2:﴿وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ﴾''حالانکہ تم گواہی دیتے ہو!''اہل کتاب کی گواہی سے کیا مراد ہے؟

جواب:''حالانکہ تم گواہی دیتے ہو!''یہاں اہل کتاب کی گواہی سے مراد نبی ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے حق پر ہونے کا علم ہے۔بعض واقعات آپ لوگ ایک دوسرے کو خفیہ طور پر بتا بھی دیتے ہو۔

﴿يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ(71)﴾

''اے اہل کتاب!تم حق کو باطل سے گڈ مڈ کیوں کرتے ہواور کیوں تم حق کو چھپاتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے بھی ہو!''(71)

سوال1:اس آیت میں یہودیوں کے کون سے جرائم کی نشان دہی کی گئی ہے؟

جواب:اس آیت میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے۔﴿1﴾حق اور باطل کو ملانا تاکہ لوگوں کو حق کا پتہ نہ چل سکے۔﴿2﴾حق کو چھپانا تاکہ لوگ نبی ﷺ کے بارے میں یہ نہ جان سکیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جن کی گواہی تورات میں ان کے اوصاف سے دی گئی ہے۔

سوال2:﴿يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ﴾''اے اہل کتاب!تم حق کو باطل سے گڈ مڈ کیوں کرتے ہو'' حق کو باطل سے گڈ مڈ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾''اے اہل کتاب!تم حق کو باطل سے گڈ مڈ کیوں کرتے ہو'' حق کو باطل سے گڈ مڈ کرنے سے مراد یہودیت اور نصرانیت کو اسلام سے ملانا ہے۔آپ جانتے ہو کہ اس دین کے سوا اللہ تعالیٰ کوئی دین قبول نہیں کریں گے اور اسلام کے بغیر کسی عمل کی جزا نہیں ملے گی۔(جامع البیان:335/3)﴿2﴾اللہ رب العزت نے حق کو باطل کے ساتھ ملانے پر ان کی گوش مالی کی ہے کیونکہ وہ دو طریقوں سے اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں حالانکہ علم والوں کا فرض ہے کہ وہ حق کو باطل سے اور پاک کو ناپاک سے، حلال کو حرام سے، صحیح کو غلط سے الگ کردیں تاکہ لوگ ہدایت پر قائم رہیں۔﴿3﴾رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا۔(آل عمران:187)

سوال3:آج کے دور میں مسلمان حق کو باطل سے کیسے گڈ مڈ کرتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾آج کے دور میں مسلمان حق کو باطل سے ایسے گڈ مڈ کرتے ہیں کہ جو لوگ سچے دین کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں ان پر کوئی الزام لگا دیتے ہیں اس طرح لوگ ان افراد کے بارے میں ہی نہیں دین کے بارے میں بھی شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔﴿2﴾جو لوگ دین کی

دعوت لے کر اٹھتے ہیں ان کے بارے میں کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں، طرح طرح کے الجھن میں ڈالنے والے سوالات چھیڑنے سے لوگوں کو شک میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ لوگ خود بھی الجھیں اور دوسروں کو بھی الجھائیں۔ یہ معاملہ شخصیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ لوگ دین کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔﴿3﴾لوگ دین کی دعوت لے کر اٹھنے والواں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں، ان پر اعتراضات کرتے ہیں جس سے صرف شخصیات کے بارے میں رائے خراب نہیں ہوتی دین بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔اس طرح مسلمان حق کو باطل سے گڈ مڈ کرتے ہیں۔

سوال4:﴿ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾''اور کیوں تم حق کو چھپاتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے بھی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور کیوں تم حق کو چھپاتے ہو؟''یعنی نبی ﷺ کی شان کے بارے میں جو کچھ تورات اور انجیل میں آیا ہے اس کو چھپاتے ہو۔﴿2﴾''حالانکہ تم جانتے بھی ہو'' مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ اسلام دین حق ہے جیسا کہ فرمایا:﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾''یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے''اور محمد ﷺ کا معاملہ حق ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:678/2)

سوال5:اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ نے کیسے جھنجھوڑا ہے اور کیسے ان کے رویئے کی طرف توجہ دلائی ہے، وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑا ہے''اے اہل کتاب! تم حق کو باطل سے گڈ مڈ کیوں کرتے ہو اور کیوں تم حق کو چھپاتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے بھی ہو!''تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیوں کررہے ہو باوجود اس کے کہ حق کے دلائل تمہارے پاس موجود ہیں؟(i)تم ذاتی مصلحتوں اور خواہشوں کی بناء پر انکار کررہے ہو۔(ii)تم لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کفر کررہے ہو۔﴿2﴾تم حق پر باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بنا رہے ہو۔(i)اسلامی علوم میں تم نے حق کو باطل سے گڈ مڈ کر دیا ہے۔(ii)تم نے اسلامی تاریخ کے واقعات میں ملاوٹ کی ہے۔(iii)تم نے ذخیرہ احادیث میں جعلی احادیث ملانے کی کوشش کی ہے جس کا پردہ الحمدللہ محدثین نے چاک کر دیا۔آج صحیح اور غیر صحیح احادیث کو انہوں نے واضح کر دیا۔(iv)تم نے ذخیرۂ تفسیر میں ملاوٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔(v)تم نے مسلمانوں میں ایسے لوگ داخل کیے جنہوں نے مسلمان بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے۔(vi)مستشرقین نے طالب علموں کی ایک فوج بنائی ہے جو مسلمانوں کے اندر انتہائی اہم فکری مقامات پر قبضہ کیے ہوئے ہے۔(vii)تم میں سے بے شمار ایسے لیڈر ہیں جنہیں یہودیوں اور عیسائیوں نے ہمارا لیڈر بنا دیا ہے۔(الف)جو حق کو چھپاتے ہیں۔(ب)جو حق کو ضائع کرتے ہیں۔(ج)جو حقیقت پر پردہ ڈالتے ہیں۔(ج)جو باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔

سوال6:اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کی سازشوں سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟

جواب:ہمارے لیے جائے پناہ قرآن مجید ہے جو محفوظ ترین کتاب ہے۔اس قرآن مجید کو سمجھ کر، اس قرآن مجید کے پیغام کو پھیلا کر، اس قرآن مجید کے دامن میں امت مسلمہ کو پناہ دلوا کر ہمیں محفوظ پناہ مل سکتی ہے۔

رکوع نمبر8

﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ(72) ﴾

''اوراہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کے آغاز میں تم اس پر ایمان لاؤ جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے۔اورتم اس کی شام کو کفر کروتا کہ وہ واپس لوٹ آئیں۔''(72)

سوال1: ﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''اوراہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کے آغاز میں تم اس پر ایمان لاؤ جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے اورتم اس کی شام کو کفر کروتا کہ وہ واپس لوٹ آئیں'' صبح اسلام لاکر شام پھر جانے کے لوگوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ''اوراہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کے آغاز میں تم اس پر ایمان لاؤ جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے اورتم اس کی شام کو کفر کروتا کہ وہ واپس لوٹ آئیں'' ﴿1﴾ صبح اسلام لاکر شام پھر جانے کے لوگوں پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔عرب امیوں کے ذہن میں یہ تھا کہ اہل کتاب آسمانی کتابوں کو جانتے ہیں اگر وہ صبح ایمان لاتے ہیں اور شام کو پھر جاتے ہیں تو ضرور انہوں نے اسلام میں کوئی خفیہ کمزوری اور نقص پکڑا ہوگا۔ ﴿2﴾ کمزور طبیعت کے لوگ اور کم فہم لوگ جو دین کی حقیقت کو اچھی طرح نہیں سمجھتے اور جو ثابت قدم نہیں ہوتے متاثر ہوتے ہیں۔اسلام کے بارے میں ان کے دل میں خلجان پیدا ہوتا ہے۔

سوال2: یہودیوں اورعیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کیا جدید طریقے اختیار کیے جارہے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں اورعیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے پورے عالم اسلام میں ایسے اساتذہ، محققین اور فلسفی چھوڑے ہوئے ہیں جو اسلام دشمنوں کے ایجنٹ ہیں۔ ﴿2﴾ انہوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے مصنفین، شعراء، فن کار اور صحافی اپنے جال میں پھنسائے ہوئے ہیں جن کے نام مسلمانوں جیسے ہیں، جو مسلمانوں کی اولاد ہیں لیکن اسلام دشمنی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ﴿3﴾ ان تمام افراد کے کام یہ ہیں:(i) مسلمانوں کے دل ودماغ میں علم وادب، صحافت اور فن کے ذریعے سے شکوک وشبہات پھیلانا۔(ii) اسلامی نظریہ حیات کا مذاق اڑانا۔(iii) اسلام کے اصولوں کی قدر وقیمت کم کرنا۔(iv) اسلامی نظریہ حیات کو رجعت پسندی قرار دینا۔(v) اسلامی تاریخ کا حلیہ بگاڑنا۔(vi) ہر وقت تبلیغ کرنا کہ اسلامی نظریہ حیات کو چھوڑ دیا جائے، اسے عملی زندگی سے نکال دیا جائے۔(v) اخلاقی بنیادیں گرانا۔(vi) جنسیت کو ہر قید وبند سے آزاد کرنا، اس کے لیے میراتھن ریس، فیشن میگزین، فیشن شوز کا انعقاد کرنا۔(vii) مسلمانوں کے ذہنوں اوران کے طرز عمل میں ایسے تصورات اور روایات کو فروغ دینا جو اسلامی تصورات کے متضاد ہوں۔

سوال3: مسلمان جب اہل کتاب کے ایجنٹ بن کر یہ کام کرتے ہیں تو بظاہران کا اسلام برقرار رہتا ہے، یہ کیسا طریقہ کار ہے؟

جواب: یہ وہی طریقہ کار ہے جس کے بارے میں رب نے فرمایا: صبح کو اسلام لاتے ہیں، شام کو انکار کر دیتے ہیں۔

﴿وَلَا تُؤْمِنُوٓا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ ٱلْهُدَىٰ هُدَى ٱللَّهِ أَن يُؤْتَىٰٓ أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ ٱلْفَضْلَ بِيَدِ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ (73)﴾

''اور تم کسی کا یقین نہ کرو سوائے اس کے جو تمہارے دین کی اتباع کرے، آپ کہہ دو یقیناً ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے، یہ (نہ ماننا) کہ کسی ایک کو اس جیسا دیا جائے جو تمہیں دیا گیا تھا، یا وہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے۔ آپ کہہ دیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں فضل ہے، جس کو وہ چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(73)

سوال1: ﴿وَلَا تُؤْمِنُوٓا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ﴾ ''اور تم کسی کا یقین نہ کرو سوائے اس کے جو تمہارے دین کی اتباع کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تم کسی کا یقین نہ کرو سوائے اس کے جو تمہارے دین کی اتباع کرے'' یقین اور اعتماد صرف اس پر کرو جو تمہارے دین کو ماننے والا ہے۔ ﴿2﴾ ''سوائے اس کے جو تمہارے دین کی اتباع کرے'' یعنی مسلمانوں کے مقابلے میں صرف اپنے دین کی اتباع کرنے والوں پر اپنے راز کھولو۔ ﴿3﴾ مسلمانوں کو ان سازشوں کی خبر اس لیے نہ دو کہ کہیں رب کے حضور پیش کرنے کے لیے انہیں تمہارے خلاف قوی حجت نہ مل جائے۔

سوال2: یہودیوں کے اندر مسلمانوں کے لئے بغض کیوں تھا؟

جواب: یہودیوں کے اندر مسلمانوں کے لئے بغض اس لئے تھا کہ نبوت بنی اسرئیل سے بنی اسماعیل میں چلی گئی تھی۔

سوال3: ﴿قُلْ إِنَّ ٱلْهُدَىٰ هُدَى ٱللَّهِ﴾ ''آپ کہہ دو یقیناً ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے'' اور وہ اسلام ہے۔ ﴿2﴾ یہ حق بیان اور کامل توفیق ہے۔ یہود نے ہدایت اور گمراہی کو ملا دیا اور لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ (ایسر التفاسیر:182،183) ﴿3﴾ ''آپ کہہ دو یقیناً ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے'' یہود گمان کرتے تھے کہ وہ حق اور ہدایت پر ہیں حالانکہ یہودیت بدعت ہے۔ ﴿4﴾ ''ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے'' اس سے مراد ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے، جس کو چاہے نہ دے کسی کا مکر اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

سوال4: ﴿أَن يُؤْتَىٰٓ أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوتِيتُمْ﴾ ''یہ (نہ ماننا) کہ کسی ایک کو اس جیسا دیا جائے جو تمہیں دیا گیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہ (نہ ماننا) کہ کسی ایک کو اس جیسا دیا جائے جو تمہیں دیا گیا تھا'' یہودیوں کے قول کا تذکرہ ہے کہ یہ مت تسلیم کرو کہ نبوت

کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور یہ کہ یہودیت کے علاوہ کوئی اور دین بھی حق ہوسکتا ہے۔﴿2﴾یہودیوں کا قول ہے کہ یہ مت تسلیم کرو کہ کسی اور کو دین، نبوت اور فضل بھی مل سکتا ہے۔(ایسرالتفاسیر:182)

سوال5:﴿ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ﴾''یا وہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں کے قول کا تذکرہ ہے کہ اگر تم ان کے سامنے نبی اور دین اسلام کے حق ہونے کا اعتراف کرو گے تو وہ تم سے قیامت کے دن تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے اور تمہارے خلاف ان کے پاس دلیل ہوگی۔اس وجہ سے وہ یہودیت کے دین حق ہونے پر اصرار کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہودیت کے ماسوا ہر دین باطل ہے۔

سوال6:﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾''آپ کہہ دیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں فضل ہے، جس کو وہ چاہتا ہے، عطا کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''آپ کہہ دیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں فضل ہے، جس کو وہ چاہتا ہے، عطا کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ کہہ دو کہ ایمان کی توفیق اور اسلام کی ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، یہود کے ہاتھ میں نہیں۔﴿2﴾یعنی نبوت، کتاب اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔(تفسیر سمرقندی:223/1)﴿3﴾اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نبوت، کتاب اور ہدایت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم کردیتا ہے۔

سوال7:﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾''اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے''﴿1﴾اللہ تعالیٰ اپنے فضل میں وسعت والا ہے۔وہ علیم جانتا ہے کہ دین اور شریعت کا مستحق کون ہے جسے وہ عطا کرے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ واسع العطاء ہے اور وہ علیم ہے مستحق کو جانتا ہے، وہ اسی کو عطا کرتا ہے جو اس کے اہل ہو۔(تفسیر مراغی:527/1)﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تنگ دلی سے اپنے علیم ہونے کا یقین دلایا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی اور کا حق نہیں سمجھتے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا دین اور شریعت مل جائے جب کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ دین اور شریعت کسے عطا کرے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی وسعت کا یقین دلایا کہ وہ جسے چاہے دے۔یقیناً وہ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے۔

﴿ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ(74) ﴾

''وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔''(74)

سوال1:﴿ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾''وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے'' رحمت سے خاص کر لینے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾''وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے''رحمت سے مراد دین کی نعمت اور اس کی تکمیل کرنے والی چیزیں ہیں۔﴿2﴾رحمت سے مراد قرآن،اسلام اور نبوت ہے۔﴿3﴾رحمت سے خاص کر لینے سے مراد کسی کو اپنے دین کی نمائندگی کے لیے قبول کرنا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا فیصلہ کس بنیاد پر ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی رحمت (نبوت) کا فیصلہ گروہی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ یہ فضل اسی پر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق پسند کریں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ اپنی رحمت قرآن اور اسلام کے لیے اس کو خاص کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق پسند کریں۔

سوال3:﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾''اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے''اس کے فضل کی وسعت بیان نہیں کی جاسکتی۔کسی انسان کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آسکتا۔﴿2﴾اس کا فضل اور احسان وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک اس کا علم پہنچتا ہے جو ہر شے کو محیط ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت عطا کرنے کے لئے اپنے اختیار سے اپنے فضل کا شعور دلایا ہے کہ وہ اس رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ(75)﴾

''اور اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک خزانے کا امین بنا دو تو بھی وہ اس کو ادا کر دے گا اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک دینار بھی امانت دو وہ بھی آپ کو اس وقت تک ادا نہیں کرے گا مگر جب تک آپ ان کے سر پر کھڑے رہو،اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً انہوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی راستہ نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔''(75)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اشعث بن قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں اتری۔میرے چچازاد بھائی کی زمین میں میرا کنواں تھا۔آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ''گواہ لاؤ''ورنہ اس سے قسم لے لو۔میں نے عرض کیا:''یارسول اللہ ﷺ!وہ تو قسم کھا جائے گا''آپ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص کسی مسلمان کا مال مار لینے کی نیت سے خواہ مخواہ جھوٹی قسم کھائے تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔(بخاری:کتاب التفسیر)

سوال2:﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ﴾''اور اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک

خزانے کا امین بنا دو تو بھی وہ اس کو ادا کر دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک خزانے کا امین بنا دو تو بھی وہ اس کو ادا کر دے گا'' جیسے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جن کو ایک قریشی نے بارہ سو اوقیہ سونا دیا تو انہوں نے واپس لوٹا دیا۔

سوال3: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک دینار بھی امانت دو وہ بھی آپ کو اس وقت تک ادا نہیں کرے گا مگر جب تک آپ ان کے سر پر کھڑے رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ آپ اگر اس کو ایک دینار بھی امانت دو وہ بھی آپ کو اس وقت تک ادا نہیں کرے گا مگر جب تک آپ ان کے سر پر کھڑے رہو'' اور اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں کہ امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اگر آپ اس کو قلیل چیز بھی دو تو وہ آپ کو اس وقت تک ادا نہیں کرے گا جب تک آپ اس کے سر پر کھڑے ہو کر اس سے مطالبہ نہ کرو۔ ان لوگوں میں کعب بن اشرف بھی شامل تھا۔ (تفسیر مراغی:529/1)

سوال4: یہودی (ان پڑھ عربوں) غیر یہودیوں کے مال ناجائز ہڑپ کرنے میں حرج کیوں نہیں محسوس کرتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں کا کہنا یہ تھا کہ امانت و دیانت تو صرف ایک یہودی کے دوسرے یہودی کے درمیان معاملات کے لیے ہے۔ اس لیے وہ (ان پڑھ عربوں) غیر یہودیوں کے مال ناجائز ہڑپ کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ ﴿2﴾ تالمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ نیز اگر کسی کو کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ گرد و پیش آبادی کن لوگوں کی ہے۔ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہیے۔ (تیسیر القرآن:280,281/1) ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگ مسئلہ پوچھتے تھے کہ ذمی یا کفار کی مرغی، بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسے لینے میں کوئی حرج نہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امیوں کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں، سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں، ہاں وہ اپنی خوشی سے دے دیں تو اور بات ہے۔ (عبدالرزاق)

سوال5: یہودیوں کے اخلاق پر جو روشنی قرآن مجید نے ان آیات میں ڈالی ہے، واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید نے یہودیوں کے اخلاق پر جو روشنی ان آیات میں ڈالی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق و آداب کے پیمانے مختلف تھے۔ ﴿2﴾ ان میں سے کچھ لوگوں پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں، مال کا ڈھیر بھی مل جائے تو وہ ادا کر دیں گے۔ ﴿3﴾ یہودیوں کا کہنا یہ تھا کہ امانت و دیانت تو صرف ایک یہودی کے دوسرے یہودی کے درمیان معاملات کے لیے ہے۔ ﴿4﴾ غیر یہودیوں (عربوں) کے مال تلف کرنے، ناجائز ہڑپ کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ ﴿5﴾ یہودی اپنے سارے اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کو ذمہ دار ٹھہراتے

تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کسی فحش بات کا حکم نہیں دیتا۔

سوال6: ﴿ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں'' تفسیر ابن کثیر میں سیدنا سعید بن جبیر سے نقل ہے کہ جب اہل کتاب نے (لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ) کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کذب اعداء اللہ ''اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا۔'' ﴿2﴾ اس طرح وہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ حرام کھانا اور حرام خوری کو حلال سمجھنا۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ ﴿3﴾ جو عالم حرام اشیاء کو حلال کہتا ہے وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سناتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم نہیں ہوتا، اسی کو جھوٹ کہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:383/1)

﴿ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (76) ﴾

''کیوں نہیں؟ جو بھی اپنا عہد پورا کرے اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (76)

سوال1: ﴿ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ ﴾ ''کیوں نہیں جو بھی اپنا عہد پورا کرے اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''کیوں نہیں جو بھی اپنا عہد پورا کرے اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے'' عہد پورا کرنے سے یہاں مراد نبی ﷺ پر ایمان لانے کے لئے وہ عہد ہے جو ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے لیا گیا۔ ﴿2﴾ اس عہد سے مراد وہ وعدہ ہے جو بندے اور رب کے درمیان ہے۔ ﴿3﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام حق شامل ہیں جو اس نے بندے پر واجب کیے ہیں۔ ﴿4﴾ اس عہد میں وہ وعدہ بھی شامل ہے جو بندے کا دوسرے بندوں سے ہوتا ہے اور اپنے عہد کو وہ پورا کر سکتا ہے جو خدا خوفی رکھتا ہو۔

سوال2: ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' جو شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق سب گناہوں سے بچتا ہے وہ متقی ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے خواہ وہ ''عرب ان پڑھ لوگوں'' میں سے ہو یا دوسروں میں سے ہو۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ امانت کو پورا کرنے والے۔ ﴿2﴾ عہد وفا کرنے والے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (77) ﴾

''یقیناً جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' (77)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص مال بیچنے کے لیے کھڑا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ میں نے اس کے عوض اتنا اتنا مال دیا ہے (اور یہ جھوٹ تھا کیونکہ اس نے اتنا مال نہیں دیا تھا جتنا اس نے بتایا۔ تاجروں کی عادت ہوتی ہے کہ زیادہ نفع کمانے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھاجاتے ہیں کہ میں نے تو خود اتنے میں خریدا ہے) اس پر آیت (**اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا**) نازل ہوئی۔ (بخاری کتاب التفسیر: 166/5)

سوال 2: ﴿ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا** ﴾ ''یقیناً جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد اس کی فرماں برداری اور تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی ہے۔ ﴿2﴾ اطاعت ایک عہد ہے جو ایمان لانے والے اپنے رب سے کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ جولوگ دنیا کے فائدوں، مصلحتوں اور مفادات کے لئے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے رک جائیں، مصلحت کا شکار ہوجائیں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں۔ ﴿4﴾ تھوڑی قیمت سے مراد دنیا کے فائدے ہیں جو آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑے ہیں۔ ایک شخص جب ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے فرماں برداری کا اور تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی کا عہد کرتا ہے جو شریعت کی طرف سے عائد ہوتی ہیں۔ اس عہد کے لیے فائدوں اور مصلحتوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ ﴿5﴾ عہد والی زندگی وہ نباہ سکتا ہے جو نفع ونقصان کو نظر انداز کر کے یہ زندگی اختیار کرے۔ جو ہر مفاد کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد یاد رکھے۔ جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو وہ بیچ ڈالتا ہے جو آخرت کو اپنی دنیا کا سودا بنالے، جو اپنے فائدوں اور مصلحتوں کی طرف جھک جائے۔ ﴿7﴾ جس کے نفس پر چوٹ پڑے یا دنیا کے مفاد کو خطرے میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے عہد کو نظر انداز کردے اور دنیا کو ترجیح دے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی علامتیں تین ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔'' (صحیح بخاری: 2749)

سوال 3: ایفائے عہد کا تعلق کس چیز کے ساتھ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایفائے عہد کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جو وعدے پورے کرواتا ہے۔ ﴿3﴾ ایفائے

عہد مصلحتوں کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔

سوال4: ﴿أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا'' ﴿1﴾ یعنی وہاں انہیں کوئی خیر اور بھلائی حاصل نہیں ہوگی۔(تفسیر سعدی 384/1:) ﴿2﴾ آخرت کی خیر اور بھلائیوں، جنت کی نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔(ایسر التفاسیر:183)

سوال5: ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا'' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے اس لیے بات نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگا کیونکہ انہوں نے رب کی رضا سے خواہش نفس کو مقدم سمجھا ہے۔ ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔(صحیح بخاری:4549) ﴿3﴾ ''اور نہ ہی قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا'' اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگا اس لیے قیامت کے دن ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔

سوال6: ﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے گناہوں سے پاک نہیں کرے گا نہ ان کے عیب زائل کرے گا۔ ﴿2﴾ بدبختی کے گھر میں ان کے لیے ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب ہے۔(ایسر التفاسیر:184) ﴿3﴾ جس سے دلوں کو بھی تکلیف ہوگی اور بدنوں کو بھی وہ ہے ناراضی کا عذاب، دیدار الٰہی سے محرومی کا عذاب اور جہنم کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔(تفسیر سعدی:384/1) ﴿4﴾ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک وصاف کرے گا (معاف کرے گا) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین بار یہ فرمایا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لوگ تو سخت نقصان اور خسارے میں ہوں گے، یہ کون لوگ ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا اور دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔''(صحیح مسلم:293) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے عہد توڑنے والوں کو سزا سنائی ہے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نہیں دیکھے گا، اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔

﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ(78) ﴾

''اور بلاشبہ ان میں یقیناً ایک گروہ وہ ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم اسے بھی کتاب ہی سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔''(78)

سوال1: ﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا ﴾ ''اور بلاشبہ ان میں یقیناً ایک گروہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ہے'' ایک گروہ سے مراد یہود کا گروہ ہے جو مدینہ میں نبی ﷺ کے معاصرین تھے۔ ﴿2﴾ کعب بن اشرف، مالک بن صیف اور ان کی طرح کے لوگ تھے۔ (تفسیر مراغی:532,533/1)

سوال2: ﴿ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ﴾ ''وہ کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہ کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں'' مجاہد کا قول ہے کہ وہ تحریف کرتے ہیں۔ (جامع البیان:349/3)
﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں جو کتاب میں وہ اضافہ کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیا۔ (فتح القدیر:450,451/1)

سوال3: ﴿ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''تاکہ تم اسے بھی کتاب ہی سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تاکہ تم اسے بھی کتاب ہی سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے'' اس میں لفظی تحریف بھی شامل ہے اور معنوی تحریف بھی۔
﴿2﴾ ''تاکہ تم اسے بھی کتاب ہی سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے'' یعنی وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے یہی مراد ہے حالانکہ حقیقت میں وہ مراد نہیں ہوتی۔ انہوں نے وہ بات سمجھائی جو کتاب سے مراد نہیں۔

سوال4: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں'' جو لفظ حق معنی پر دلالت کرتا ہے اس سے وہ باطل معنی مراد لیتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں۔

سوال5: دین میں ملاوٹ کیسے ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو خودساختہ معنی پہنا کر۔ ﴿2﴾ دینی تعلیمات کو اپنے رویے کے مطابق ڈھال کر۔ (i) کبھی الفاظ بدل کر (زبان کے ہیر پھیر سے) (ii) کبھی الفاظ کا مفہوم بدل کر۔ ﴿3﴾ اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے کتاب بدل کر۔ ﴿4﴾ جو چیز کتاب الٰہی میں نہیں اس کو عین کتاب الٰہی بنا کر۔

سوال6: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں'' یہودی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ صحیح مفہوم کی نفی کرتے ہیں اور غلط مفہوم کا اثبات کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں، یہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ پر بات کرنے سے زیادہ بڑا جرم ہے۔

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (79) ﴾

''کسی انسان کا یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ رب والے ہو جاؤ اس وجہ سے جو تم کتاب سکھاتے تھے اور اس وجہ سے جو تم پڑھتے تھے۔'' (79)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ علمائے یہود اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی نے کہا: اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری عبادت کریں جس طرح نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں؟ تو ایک نصرانی نے بھی کہا: اے محمد! کیا تم واقعی ہم سے یہ چاہتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیر اللہ کی عبادت کرنے یا اس کا حکم دینے سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے، اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2: ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ﴾ ''کسی انسان کا یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور نبوت دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''کسی انسان کا یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور نبوت دے'' ﴿1﴾ ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ ﴾ سے مراد ہے کہ کسی انسان کے لائق نہیں جسے اللہ تعالیٰ کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ ﴿2﴾ الکتاب سے

مراداللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی وحی ہے۔﴿3﴾والحکم سے مرادحکمت یعنی دین کی سمجھ اور شریعت کے اسرار ہیں۔﴿4﴾نبوت سے مراداللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کوغیب کی خبریں دینے اور وحی سے کلام کرنے کا عطا کردہ شرف ہے۔(ایسر التفاسیر:184,185)﴿5﴾''الحکم'' سے مرادحکمت ہےاور وہ شریعت کی سمجھ اورفہم قرآن ہے جس پرعمل کرنا واجب ہے۔(تفسیر منیر:2/298)

سوال3:﴿ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾''پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ'' جس پر اللہ تعالیٰ کتاب نازل کرے، اسے علم سکھائے اور مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے، اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ایسی بات کا کسی نبی کی زبان سے ادا ہونا سب سے محال ہے۔انبیائے کرام اعلیٰ کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔﴿2﴾ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے اپنے علماء ومشائخ کو رب تونہیں بنا رکھا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ بات نہ تھی کہ جس چیز کو وہ حلال کہتے تم اسے حلال اور جسے وہ حرام کہتے تم اسے حرام تسلیم کرتے تھے؟ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہاں یہ بات تو تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا''یہی رب بنانا ہوتا ہے۔''(تیسیر القرآن:1/283)﴿3﴾ایک مرتبہ فارس کے جہاد کے موقعہ پر سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ بطور سفیر رستم کے پاس تشریف لے گئے۔رستم اہل فارس کا صاحب اقتدار تھا۔رستم نے کہا: تم لوگ کیوں آئے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف لے جائیں اور جو موجودہ ادیان ہیں ان کے ظلم سے بچا کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔(ابن کثیر: البدایۃ فی ذکر یوم القادسیۃ)

سوال4:﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾''بلکہ رب والے ہو جاؤ اس وجہ سے جو تم کتاب سکھاتے تھے اور اس وجہ سے جو تم پڑھتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''بلکہ رب والے ہو جاؤ اس وجہ سے جو تم کتاب سکھاتے تھے اور اس وجہ سے جو تم پڑھتے تھے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رب والے سے مراد حلماء، علماء، حکماء ہیں۔(تفسیر سفیان الثوري:78) نبی اسلام لا کر کفر کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔تمام انبیاء یہ دعوت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔وہی رب ہے، ہم سب اس کے بندے ہیں اور سب اسی کی اطاعت اور بندگی بجالائیں۔﴿2﴾ کوئی نبی لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرسکتا۔﴿3﴾ کوئی نبی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبیوں اور فرشتوں کو رب بنالو۔﴿4﴾نبی اسلام کے راہ نما ہوتے ہیں۔اسلام سے نکالنے کے لیے راہ نما نہیں بنتے لہٰذا یہ دعویٰ کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام الٰہ ہیں بے بنیاد ہے۔تم ربانی بن جاؤ اس سبب سے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو۔اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ تم خود اہل علم ہو۔تم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کی سنت پڑھتے ہو۔اس کے پڑھنے پڑھانے سے علم پختہ ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔

سوال5: ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ ''اس وجہ سے جوتم کتاب سکھاتے تھے اوراس وجہ سے جوتم پڑھتے تھے'' ربانی تعلیم کی پہچان کیا ہے؟

جواب: ''اس وجہ سے جوتم کتاب سکھاتے تھے اوراس وجہ سے جوتم پڑھتے تھے''﴿1﴾ربانی تعلیم کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کواس سے ملائے۔﴿2﴾وہ تعلیم لوگوں کے اندراللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت کے جذبات پیدا کرے۔﴿3﴾وہ تعلیم جوانسانوں کارخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے۔

سوال6: کون سی تعلیم ربانی نہیں ہے؟

جواب: ﴿1﴾جوتعلیم خداپرستی کے علاوہ کسی اورذات کی طرف رخ موڑنے والی ہو۔﴿2﴾جوتعلیم شخصیت پرستی پیدا کرے۔﴿3﴾جو انسانی جذبات کامرکز غیراللہ کو بناتی ہووہ باطل ہے چاہےاس پرحق کالیبل لگاہواہو۔نبی ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ایسے علم سے جونفع نہ پہنچائے اورایسے دل سے جواللہ تعالیٰ کے لئے نہ جھکے۔''(صحیح مسلم:6906)

سوال7: ربانی تعلیم کا تقاضا کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ علم صحیح اوراس کی سمجھ اوراسرارشریعت کافہم،عمل اوراطاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔جواللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت رکھتا ہے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتا ہے۔جس کواللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اورنبوت دے تو وہ سب لوگوں سے بڑھ کراللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوتا ہے۔اس اعتبار سے وہ سب سے بڑھ کراللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتا ہے۔یہی ربانی تعلیم کا تقاضا ہے۔﴿2﴾جوشرعی علوم کاعلم حاصل کرتا ہے اوراس پرعمل کرنا ترک کردیتا ہےتواللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اعتبارختم ہوجاتا ہے۔اس کاعلم اس کے لیے وبال،اس کی ہلاکت،فساداوراس کی گمراہی کی دلیل بن جاتا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کاقرب عمل کے بغیرممکن نہیں۔جس علم کے مطابق عمل نہیں کیا جاتا وہ علم صحیح نہیں رہتا۔کفراسلام کے منافی ہے اوراسلام دین فطرت ہے جوسارے انبیاء کا دین ہے۔(تفسیرمنیر:300/2)

﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ(80) ﴾

''اورنہ ہی وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اورنبیوں کورب بناؤ،کیاوہ تمہیں کفرکاحکم دے گا،اس کے بعد کہ تم فرماں بردارہو۔(80)''

سوال1: ﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ ''اورنہ ہی وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اورنبیوں کورب بناؤ''

فرشتوں اورنبیوں کورب بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور نہ ہی وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اورنبیوں کورب بناؤ'' ﴿1﴾ ﴿ **اَرۡبَابًا** ﴾: رب کی جمع ہے۔ جس کے معنی سید، معبود ہیں۔ ﴿2﴾ فرشتوں اورنبیوں کورب بنانے سے مراد یہ ہے کہ نبیوں اورفرشتوں کورب والی صفات کا حامل سمجھنا۔(i) ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنا۔(ii) ان کوحاجت رواو رمشکل کشا سمجھنا۔(iii) اس کائنات کا نظام چلانے میں ان کے حصے کوتسلیم کرنا۔ ﴿3﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہیں نہ اپنی ذات کی عبادت کا حکم دے گا نہ کسی بھی دوسری مخلوق کی عبادت کا حکم دے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا کوئی اور۔ (تفسیر سعدی:386/1)

سوال2: ﴿ **اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ** ﴾ ''کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم فرماں بردار ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم فرماں بردار ہو'' یہاں کفر سے مراد اسلام کو رد کرنا ہے۔ ﴿2﴾ کسی نبی سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ تمہیں کفر کا حکم دے۔ جو شخص کسی نبی کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے وہ بڑے گناہ کا بلکہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

رکوع نمبر9

﴿ **وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰلِكُمۡ اِصۡرِىۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ** (81) ﴾

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ یقیناً جو میں تمہیں کتاب اور حکمت میں سے عطا کروں گا، پھر تمہارے پاس ایک رسول آجائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے تو لازماً تم اس پر ایمان لاؤ گے اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہم نے اقرار کیا'' فرمایا: ''پھر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔'' (81)

سوال1: ﴿ **وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ** ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ یقیناً جو میں تمہیں کتاب اور حکمت میں سے عطا کروں گا، پھر تمہارے پاس ایک رسول آجائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے تو لازماً تم اس پر ایمان لاؤ گے اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے'' اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے کون سا عہد لیا تھا؟

جواب: ''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ یقیناً جو میں تمہیں کتاب اور حکمت میں سے عطا کروں گا، پھر تمہارے پاس ایک رسول آجائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے تو لازماً تم اس پر ایمان لاؤ گے اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ جس رسول کو بھی کتاب اور حکمت دی جائے گی اس کا یہ فرض ہوگا کہ بعد میں آنے والے رسول کی تائید کرے۔ ﴿2﴾ بعد میں آنے والے رسول کی تائید کے لیے شرط یہ ہوگی کہ وہ رسول خود اس کی تعلیمات کی تائید وتوثیق کر رہا ہو۔ ﴿3﴾ تمام رسول اپنے بعد میں آنے والے رسول کی شریعت کی اطاعت کریں گے۔ ﴿4﴾ تمام رسول اپنے بعد میں آنے والے رسول کی مدد کریں گے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء پر واجب کیا ہے کہ ایک دوسرے پر ایمان لائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں کیونکہ ان کے پاس جو بھی احکام آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر چیز پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔ وہ سب ایک اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں لہٰذا تمام انبیائے کرام پر واجب ہے کہ جس نبی کو بھی آپ ﷺ کا زمانہ ملے وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ کی پیروی کرے اور آپ کی مدد کرے کیونکہ آپ ان کے امام، پیشوا اور متبوع ہیں۔ ﴿6﴾ یہ آیت کریمہ نبی ﷺ کے بلند مرتبے اور عظمت شان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ تمام انبیاء سے افضل اور ان کے سردار ہیں۔ (تفسیر سعدی:387/1) ﴿7﴾ اب قیامت تک نبی ﷺ کی اتباع واجب ہے اور نجات صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ متعلق ہے۔ اب کسی اور پیغمبر کی اطاعت نہیں ہوسکتی تو کسی اور کی ذات کیسے اطاعت کی مستحق ہوسکتی ہے۔ ﴿8﴾ احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ کے بعد تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔ البتہ قیامت کے قریب سیدنا عیسٰی علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے۔ مگر اس وقت ان کی حیثیت آپ ﷺ کے متبع کی ہوگی یعنی وہ شریعت محمدیہ کی اتباع کریں گے۔ (تیسیر القرآن:283/1)

سوال2: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ ''تو لازماً تم اس پر ایمان لاؤ گے اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے'' پیغمبر پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو لازماً تم اس پر ایمان لاؤ گے'' یعنی اس کی رسالت کی تصدیق کرو گے۔ ﴿2﴾ ''اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے'' پیغمبر کی مدد کرنے سے مراد پیغمبر کا ساتھ دینا، اس کے ساتھ تعصب نہ برتنا، اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مخالفت نہ کرنا اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا ہے۔

سوال3: ﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہم نے اقرار کیا'' فرمایا: ''پھر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾تمام انبیاء سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ تمہیں بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لانا ہوگا۔اس کی شریعت کی اطاعت کرنی ہوگی اور اس رسول کی مدد کرنا ہوگی۔یہاں اس عہد کا اللہ تعالیٰ نے اقرار کروایا ہے کہ اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے عہد کی بھاری ذمہ داری کو قبول کروایا تو انہوں نے کہا:''ہم نے اقرار کیا۔''﴿3﴾سب رسولوں نے اس عہد کی ذمہ داری کو قبول فرمایا۔﴿4﴾اس معاہدے پر اللہ تعالیٰ خود گواہ بنے ہیں۔﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''پھر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

سوال4:انبیاء سے لیا گیا عہد دین کا کیسا تصور پیش کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔﴿2﴾تمام انبیاء ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔﴿3﴾تمام انبیاء ایک دوسرے پر تکیہ کیے ہوئے ہیں۔﴿4﴾تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے پابند ہیں۔﴿5﴾دین ایک ہے۔﴿6﴾ساری انسانیت کو اسی ایک دین پر چلایا جائے گا جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔﴿7﴾اس دین کو پہنچانے اور اس کو عملی نظام بنانے کے پیچھے انبیاء کا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہوتا، نہ کسی ذاتی خواہش کا دخل ہوتا ہے، نہ انبیاء ذاتی عزت کے لیے کام کرتے ہیں۔﴿8﴾اللہ تعالیٰ کی ذات نے مختلف ادوار میں مختلف نسلوں کی طرف دین کو پہنچایا ہے۔

سوال5:دین کے اس تصور اور انبیاء سے لیے جانے والے عہد کا کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

جواب:﴿1﴾دین کے اس تصور اور انبیاء سے لیے جانے والے عہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا دین خالص ہو جاتا ہے۔﴿2﴾اس میں کوئی ذاتی تعصب نہیں ہوتا۔﴿3﴾رسول کی ذات بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔﴿4﴾رسول کی قوم کا اس دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔﴿5﴾رسول کے ماننے والوں اور ان کے خاندانوں کے چھپے ہوئے اثرات سے بھی دین پاک رہتا ہے۔﴿6﴾کسی شخصیت کا بھی اس دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔﴿7﴾اللہ تعالیٰ بھی ایک، دین بھی ایک اور انبیاء کا سلسلہ بھی ایک ہو جاتا ہے۔

سوال6:آج ہم رسولوں سے لیے جانے والے عہد کی وفاداری کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾دین کی سمجھ بوجھ پیدا کر کے دین پر ایمان لا کر عہد وفا کر سکتے ہیں۔﴿2﴾رسولوں پر ایمان لا کر۔﴿3﴾رسولوں کی پیروی کر کے۔﴿4﴾رسولوں کی مدد کر کے۔﴿5﴾اسلامی نظام قائم کر کے۔﴿6﴾تمام دوسرے نظاموں کا مقابلہ کر کے۔

﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(82)﴾

''پھر اس کے بعد جس شخص نے منہ موڑا تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''(82)

سوال1:﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ﴾''پھر اس کے بعد جس شخص نے منہ موڑا''رسول کی اطاعت سے کون منہ موڑ سکتا ہے؟

جواب: ''پھراس کے بعد جس شخص نے منہ موڑا''رسول کی اطاعت سے صرف وہی منہ موڑسکتا ہے جو فاسق ہو۔وہ اللہ تعالیٰ کے عہدکوتوڑنے والا ہے۔وہی اللہ تعالیٰ کانافرمان ہے۔ وہی زمین میں فسادپھیلانے والا ہے۔جو انبیائے کرام کاپیروکار ہے ،یہودی ہو یاعیسائی یا کوئی اوراگروہ محمد ﷺ پرایمان نہیں لایا تو وہ اس پختہ عہدکی خلاف ورزی کرر ہاہے۔اس عہدشکنی کی سزاکے طور پرجہنم میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہوگیا ہے کیونکہ وہ نافرمان ہے۔

سوال2: اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے کیوں منہ موڑا،واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے تعصب کی وجہ سے منہ موڑاحالانکہ وہ دین جوان اہل کتاب تک پہنچارسولوں کے توسط سے پہنچاہے۔اس میں انہوں نے پختہ عہدکیا تھا کہ نبی ﷺ پرایمان لائیں گے،ان کی مددکریں گے۔﴿2﴾اہل کتاب کہتے تھے ہم اپنے دین کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے حالانکہ ان کے دین کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ پرایمان لائیں۔

سوال3: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾''تو وہی لوگ نافرمان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو وہی لوگ نافرمان ہیں''جومحمد ﷺ پرایمان نہیں لایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پختہ عہدکی خلاف ورزی کرر ہاہے۔اس عہدشکنی کی سزا کےطور پرجہنم میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہوگیا ہے کیونکہ وہ نافرمان ہے۔

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ(83) ﴾

''کیاوہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سواکسی اورکوتلاش کرتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اورزمین کی ہر چیز خوشی یاناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہےاوراسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔''(83)

سوال1: ﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ ﴾''کیاوہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سواکسی اورکوتلاش کرتے ہیں؟''اللہ تعالیٰ کے دین اورغیراللہ کے نظامات میں کیابنیادی فرق ہے؟

جواب: ﴿1﴾''کیاوہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سواکسی اورکوتلاش کرتے ہیں؟''اللہ تعالیٰ کے دین اورغیراللہ کے نظامات میں بنیادی فرق ہے ۔اسلام اللہ تعالیٰ کادیاہوانظام ہے اورغیراللہ کے نظامات خودساختہ ہیں۔﴿2﴾اسلام دین فطرت ہے جوانسانی فطرت کے عین مطابق ہے اورغیراللہ کے نظامات فطری خلا پیداکرتے ہیں۔﴿3﴾اسلام فرد کی ذات،اجتماعی نظام،نظام زندگی اورکائنات کے ساتھ ہم آہنگی پیداکرتا ہے اورغیراللہ کے دیے ہوئے نظریات میں کہیں فرد کی ذات کودبایا گیاتو کہیں اجتماعی نظام کوحاوی کیا گیا۔غیراللہ کے دیے ہوئے نظریات میں کائنات اور انسان کے نفس کے اندرجاری قوانین کی مخالفت ہے۔﴿4﴾اسلامی نظام زندگی سے انسان کوراحت اوراطمینان ملتاہے،غیراللہ کے دیے ہوئے نظریات سے انسان بےچین اورپریشان رہتا ہے۔وہ ذوق یقین سے محروم ہوجاتا ہے۔اس کی

زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرنے کی خواہش نہ درست ہے نہ مناسب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں۔

سوال2: ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ ''حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے'' اس کائنات کی زندہ اور غیر جان دار اشیاء اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کے قانون میں بندھا ہوا ہے۔

سوال3: ''حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے'' سے انسان کو کس طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے'' سے انسان کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ساری کائنات رب کے آگے جھکی ہوئی ہے اور تمہاری فطرت بھی یہی چاہتی ہے کہ تم رب کے آگے جھک جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ۔ ﴿2﴾ انسان کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر اسلام کے خلاف راستہ اختیار کرو گے تو فطرت کے خلاف راستہ اختیار کرو گے۔ اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف راستہ اختیار کرو گے۔ اس لیے اپنے خلاف نہ چلو۔ ﴿3﴾ اگر اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کیا تو تباہ ہو جاؤ گے، راستہ گم کر بیٹھو گے، اپنی شخصیت ہی گم کر بیٹھو گے۔ ﴿4﴾ اگر اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی پہچان گم کر دو گے جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿5﴾ مومن خوشی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جب کہ کچھ مجبوراً اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں، اس میں باقی تمام مخلوقات شامل ہیں۔ ﴿6﴾ کافر بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، اس سے نکل نہیں سکتے۔

سوال4: ﴿وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے'' سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ﴿1﴾ عمومی۔ سب نے اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿2﴾ خصوصی۔ انسانیت نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے نظام کی طرف ہی جانا ہے۔ ﴿3﴾ تمام مخلوق اسی کے پاس لوٹ کر جائے گی۔ وہ سب کے درمیان فیصلہ کرے گا اور انہیں جزا و سزا دے گا۔

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (84)﴾

''آپ کہہ دو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق

پراور یعقوب پراوران کی اولاد پرنازل کیا گیااوراس پربھی جوموسیٰ کو،عیسیٰ کواورتمام انبیاءکوان کے رب کی طرف سے دیا گیاہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اورہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں۔''(84)

سوال1: ﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾'' آپ کہہ دوکہ ہم اللہ تعالیٰ پرایمان لائے اوراس پربھی جوہمارے اوپرنازل کیا گیااوراس پربھی جوابراہیم پراوراسماعیل پراوراسحاق پراوریعقوب پراوران کی اولاد پرنازل کیا گیااوراس پربھی جوموسیٰ کو،عیسیٰ کواورتمام انبیاءکوان کے رب کی طرف سے دیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾'' آپ کہہ دوکہ ہم اللہ تعالیٰ پرایمان لائے''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اے محمدﷺ! آپ اورجومومن آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اورالوہیت پرایمان لائے ہیں کہہ دیں کہ ہم اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت اوراس کے اسماءوصفات کااعتراف کرتے ہیں۔(تفسیرالمیسر:78/1)﴿2﴾''اوراس پربھی جوہمارے اوپرنازل کیا گیا''یعنی قرآن مجید پرایمان لائے۔﴿3﴾''اوراس پربھی جوابراہیم پراوراسماعیل پراوراسحاق پراوریعقوب پرنازل کیا گیا''جوتمام انبیاءکوان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔﴿4﴾''اوران کی اولاد پرنازل کیا گیا''یعنی یعقوب اوران کے بیٹوں،پوتوں پرنازل کیا گیا۔﴿5﴾''اوراس پربھی جوموسیٰ کو،عیسیٰ کواورتمام انبیاءکوان کے رب کی طرف سے دیا گیا''یعنی تورات،زبور،انجیل اورجوتمام انبیاءپررب کی طرف سے نازل کیا گیا۔﴿6﴾پہلے یہ حکم دیا گیا کہ محمدﷺ پرایمان لائیں اوران کی مدد کریں۔یہاں یہ حکم دیا گیا کہ سب انبیاءپر،کتابوں پراوراسلام پرایمان لائیں جوسب انبیاءکادین تھا۔

سوال2: ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے''انبیاء کے درمیان تفریق کرنے سے کیامراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾انبیاء کے درمیان تفریق کرنے سے مرادایک نبی کوماننا باقیوں کونہ ماننا ہے۔﴿2﴾انبیاء کے درمیان تفریق کرنے سے مرادایک کی فضیلت ثابت کرنااورباقیوں کوکم درجے کاثابت کرناہے۔﴿3﴾انبیاء کے درمیان تفریق کرنے سے مرادکسی نبی کوسچاکسی کوجھوٹاسمجھناہے۔﴿4﴾''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی تصدیق اورتکذیب کے اعتبار سے فرق نہیں کرتے۔(تفسیرمنیر:309/2)

سوال3: ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾''اورہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾''اورہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں''ہم اللہ تعالیٰ کے آگے سرتسلیم خم کرنے والے ہیں۔﴿2﴾ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔﴿3﴾ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں۔﴿4﴾ہم اس کی مخلصانہ عبادت کرتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (85) ﴾

''اور جوشخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''(85)

سوال1: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ ''اور جوشخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جوشخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا'' جوشخص شہادتوں کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت اخذ نہیں کرتا، اس نظام کو قبول نہیں کرتا جو نبی ﷺ لے کر آئے ہیں، ان کی لائی ہوئی شریعت کو اپنی زندگی میں نافذ نہیں کرتا، اپنے سارے فیصلے اس کتاب کے مطابق نہیں کرتا اس کا پھر کوئی اور طریقہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے دین اسلام پسند کیا ہے۔ جوشخص اللہ تعالیٰ کے اس پسندیدہ دین کے علاوہ کسی اور دین پر چلے گا اس کا عمل ناقابل قبول ہوگا کیونکہ دین اسلام میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول کرنا اور رسولوں کی فرماں برداری کرنا شامل ہے۔ جب تک یہ کام نہ کرے اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کا باعث بننے والا عمل نہیں کیا اور اسلام کے سوا ہر مذہب باطل ہے۔ (تفسیر سعدی:388/1) ﴿3﴾ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے، نماز آکر کہے گی: اے اللہ! میں نماز ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اچھی چیز ہے، صدقہ آئے گا اور کہے گا: اے پروردگار! میں صدقہ ہوں، جواب ملے گا: تو بھی خیر پر ہے، روزہ آکر کہے گا: میں روزہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو بھی بہتری پر ہے، پھر اسی طرح سے اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا، پھر اسلام حاضر ہوگا اور کہے گا: اے اللہ! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو خیر پر ہے۔ آج تیرے ہی اصولوں پر سب کو جانچوں گا۔ پھر سزا یا انعام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ ''اور جوشخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔'' (تفسیر ابن کثیر:436/1)

سوال2: ﴿ الْاِسْلَامِ ﴾ ''اسلام'' کیسا دین ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام صرف عبادات اور بندگی کے طریقوں تک محدود نہیں۔ ﴿2﴾ صرف ذکر، اذکار اور مراقبے تک بھی محدود نہیں۔ ﴿3﴾ محض روحانی اور اخلاقی اصلاح کے کسی نظام تک بھی محدود نہیں۔ ﴿4﴾ اسلام ایک منظم نظام حیات ہے۔ (i) جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر ہے۔ (ii) جس میں دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ (iii) جس میں عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ (iv) جس میں ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ (v) جس میں اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت دلوں کی اصلاح ہو۔ (vii) جس میں معاشرت کے طور طریقے

بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اخذ کیے گئے ہوں۔(vi) جس میں قانونی فیصلے بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہوں۔

سوال3: ﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿الْخٰسِرِيْنَ﴾ سے مراد ہلاک ہونے والے ہیں کیونکہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔خسارہ اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہر چیز میں خسارہ اٹھایا حتیٰ کہ اپنی جانوں کو بھی خسارے میں ڈال دیا۔

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ(86)﴾

''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ حالانکہ انہوں نے گواہی دی کہ یقیناً رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح دلیلیں بھی آ چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''(86)

سوال1: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟'' اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟'' اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتے جو اسلام کی نعمت پا کر کفر کا رویہ اختیار کرے۔﴿2﴾ جو ظلم کا رویہ اختیار کرے۔﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انصار کا ایک شخص اسلام لے آیا پھر مرتد ہو گیا پھر لوٹ آیا اور شرک کرنے لگا پھر نادم ہوا۔اس نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجو اور پوچھو: کیا میرے لیے توبہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ اس آیت تک: ﴿وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اس کی قوم کے لوگوں نے اس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ اسلام لے آیا۔(جامع البیان:366/3)

سوال2: ﴿وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ ''حالانکہ انہوں نے گواہی دی کہ یقیناً رسول سچا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''حالانکہ انہوں نے گواہی دی کہ یقیناً رسول سچا ہے'' انہوں نے گواہی دی کہ یقیناً محمد ﷺ سچے ہیں۔

سوال3: ﴿وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ''اور ان کے پاس واضح دلیلیں بھی آ چکی تھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ان کے پاس واضح دلیلیں بھی آ چکی تھیں'' ان کے پاس نبی ﷺ جو کچھ دین حق میں سے لے کر آئے اس کی صحت کی دلیلیں اور نبی ﷺ کی صداقت کی دلیلیں آ چکی تھیں۔﴿2﴾ نبی ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں گواہی کہ وہی تعلیم لائے ہیں جو پچھلے انبیاء لاتے رہے۔

سوال4: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا‘‘ انہوں نے ظلم کیا اور حق کو پہچان کر اس کو ترک کیا۔ انہوں نے ظلم اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے باطل کو اختیار کر لیا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ باطل ہے۔ اس لیے انہیں ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔ ﴿2﴾ ہدایت کی امید اس کے لیے کی جاسکتی ہے جو حق کو نہ پہچانے لیکن اسے حق کی تلاش ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت کے اسباب میسر فرمادے اور گمراہی سے بچالے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (87) ﴾

’’یہ لوگ، یہی سزا ہے ان کی کہ یقیناً ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔‘‘ (87)

سوال1: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ’’یہ لوگ یہی سزا ہے ان کی کہ یقیناً ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’یہ لوگ، یہی سزا ہے ان کی کہ یقیناً ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر خیر اور بھلائی سے محروم کر دیا ہے۔ ﴿2﴾ لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کے مومن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کا مومن پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ اگر دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ کانپ اٹھتا ہے۔ ﴿2﴾ مومن اسلام کے سوا کسی اور دین کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔

﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (88) ﴾

’’اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔‘‘ (88)

سوال1: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ’’اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں‘‘ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ لعنت، عقوبت اور آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار کی رحمت سے محرومی ہمیشہ کی محرومی ہوگی۔ ﴿3﴾ پھر عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ﴿4﴾ کسی قسم کی مہلت نہ دی جائے گی۔ ﴿5﴾ ابو العالیہ کہتے ہیں ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ سے مراد ہے کہ وہ آگ میں یعنی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴾ یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہ بولیں گے اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں۔ (المرسلات:35،36)

سوال2: ﴿ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴾ ''ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا'' یعنی ان کا عذاب نہ تو ختم کیا جائے گا نہ ہلکا کیا جائے گا۔ ﴿2﴾ ''اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے'' کیونکہ مہلت کا دور ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عمر دے دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ انہیں اگر دوبارہ دنیا میں آنے کا موقع دیا جائے تو پھر وہی کام کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (89) ﴾

''مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(89)

سوال1: ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ﴾ ''مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی'' یعنی جن لوگوں نے کفر اور ظلم کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی۔ ﴿2﴾ ''اور اپنی اصلاح کی'' جن لوگوں نے ایمان اور صالح اعمال کے ساتھ اپنے نفوس کی اصلاح کی۔ ﴿3﴾ توبہ دراصل تزکیہ، تطہیر اور اصلاح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴾ یقیناً کامیاب ہوگیا وہ جس نے اسے پاک کیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔ (الشمس:9،10)

سوال2: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کب تک قبول کرتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ جان حلق میں نہ آجائے۔ ﴿1﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ جان حلق میں نہ آجائے۔'' (ابن ماجہ 4253) ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیں گے۔'' (صحیح مسلم:6861)

سوال3: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ (ایسر التفاسیر:188) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے توبہ اور اصلاح کا عزم رکھنے والوں کی دلی کیفیت سے اپنی رحمت کا یقین دلایا ہے۔ اگر انسان توبہ پر آمادہ ہوسکتا ہے تو رب اس سے بڑھ کر اس کے گناہ معاف کر کے، اس کی مغفرت کر کے

اس پر رحمت کرسکتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کفر اور گمراہی کے باوجود اسلام کے دروازے کھولے رکھتا ہے۔ اسلام کا دروازہ کیسے کھلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کفر اور گمراہی کے باوجود اللہ تعالیٰ اسلام کے دروازے کھولے رکھتا ہے، واپسی کے دروازے بند نہیں کرتا یوں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔ ﴿2﴾ اسلام بندے اور رب کے درمیان کسی اور ہستی کو حائل نہیں رہنے دیتا۔ جب بھی بندہ سچے دل سے اپنے گناہوں پر پشیمان ہو، وہ زمین کے کسی گوشے میں ہو، اپنے رب کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے آئندہ کبھی نہ کرنے کا عہد کر کے اپنے گناہوں پر توبہ کرسکتا ہے۔ ﴿3﴾ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہدایت کا دروازہ کھولنے کے لیے انسان خود دستک دے۔ ﴿4﴾ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان توبہ کے بعد عمل صالح شروع کر دے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ(90) ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔''(90)

سوال 1: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن یہود ہیں جنہوں نے انجیل کا اور عیسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا پھر اپنے کفر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کر کے بڑھ گئے۔ (جامع البیان:369/3) ﴿2﴾ ابو العالیہ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن یہود اور عیسائی ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا پھر اپنے گناہوں کی وجہ سے کفر میں اور بڑھ گئے پھر اپنے کفر میں ہی اپنے گناہوں کی بخشش مانگی۔ اگر وہ اس سے پہلے ہدایت پر ہوتے تو ان کی توبہ قبول ہوتی لیکن وہ اپنی گمراہی پر رہے۔ (الدر المنثور:88/2)

سوال 2: ﴿ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ ''پھر کفر میں بڑھتے ہی گئے'' کفر میں آگے کیسے بڑھا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''پھر کفر میں بڑھتے ہی گئے'' توبہ نہ کر کے، اپنے رویے کی اصلاح نہ کر کے، کافرانہ رویے پر اصرار کر کے کفر میں آگے بڑھا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک کر، بدگمانیاں پھیلا کر، شبہات پیدا کر کے، دلوں میں وسوسے ڈال کے، بدترین سازشیں اور ریشہ دوانیاں کر کے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیاب نہ ہونے پائے کفر میں آگے بڑھا جاتا ہے۔

سوال 3: ﴿ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ﴾ ''ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جسے توبہ کی توفیق نہیں ملتی اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے ''ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ اور ہم ان کے دلوں اوران کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ پہلی باراس پرایمان نہیں لائے تھے۔(الانعام:110)﴿ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ﴾ پھر جب وہ پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا۔(الصّف:5)﴿ 2 ﴾''ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی''اس لیے کہ وہ محمد ﷺ اور قرآن مجید پرایمان نہیں لائے تھے۔جب انہوں نے کفر پراصرار کیا تواس کے ساتھ ان کی توبہ کیسے قبول کی جائے!

سوال4: ﴿ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴾''اور وہی لوگ گمراہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ 1 ﴾''اور وہی لوگ گمراہ ہیں''اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہی لوگ گمراہ ہیں۔جواس حال میں ہواس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوتی۔﴿ 2 ﴾اس سے بڑی گمراہی کیا ہوسکتی ہے کہ انسان آنکھوں سے دیکھ کرسیدھی راہ کوترک کردے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ(91) ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیااور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے توان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگر چہ وہ اس کوفدیے میں دے،یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اوران کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔''(91)

سوال1: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ ﴾''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیااور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیااور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے''اس سے مرادسارے کافر ہیں جنہوں نے کفر کی حالت میں جان دی۔

سوال2: ﴿ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ ﴾''توان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگر چہ وہ اس کوفدیے میں دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''توان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگر چہ وہ اس کوفدیے میں دے''قیامت کے دن انسان چاہے گا اپنے بدلے میں کچھ دے کر اپنی جان بچالے۔اس کو پورا کرنے کے لیے اس دن اس کے پاس کوئی مال نہیں ہوگا۔اوراگر ہو بھی تو ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگر چہ وہ اس کوفدیے میں دے۔

سوال3: کسے صدقہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں؟

جواب: ﴿ 1 ﴾جوانسان زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اصولوں کے خلاف خرچ کرتا ہے اس کے صدقہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔﴿ 2 ﴾دارالعمل

کے ختم ہونے کے بعد زمین بھر کر بھی صدقہ کرنے کا ارادہ ہو تو قبول نہیں ہوگا۔

سوال4: ﴿ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے'' انہیں آگ سے ہرگز نہیں نکالا جائے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سوال5: ﴿ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴾ ''اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' وہ دن ہوگا جس میں مال اور بیٹے نفع نہیں دیں گے مگر جو اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آیا جو شک، شرک اور سارے گناہوں سے پاک ہوگا وہ آگ سے نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔(ایسر التفاسیر:189) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم والوں میں سے کم عذاب والوں میں سے فرمائے گا: اگر دنیا اور جو کچھ اس میں ہے تیرے لیے ہو تو کیا تو اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ دے دے گا؟'' وہ کہے گا: ''جی ہاں!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''میں نے تجھ سے اس سے بھی کم ترین چیز کا مطالبہ اس وقت کیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا کہ تو (مجھ سے) شرک نہ کرنا۔'' (صحیح مسلم:7083)

رکوع نمبر10

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (92) ﴾

''تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو اور جو بھی تم خرچ کرو گے اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ پوری طرح جاننے والا ہے۔'' (92)

سوال1: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ ''تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو'' ایمان کی نشانی دل پسند مال میں سے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

سوال2: ﴿ الْبِرَّ ﴾ ''نیکی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ الْبِرَّ ﴾ ''نیکی'' سے مراد عمل صالح یا جنت ہے۔(فتح القدیر) ﴿2﴾ ﴿ الْبِرَّ ﴾ ''نیکی'' سے مراد کمال چیز، رحمت، رضا اور جنت ہے۔(تفسیر بیضاوی:64/2) ﴿3﴾ بر میں ہر قسم کے نیکی اور ثواب کے کام شامل ہیں جو کرنے والے کو جنت میں پہنچاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:391/1)

سوال3: نیکی کا معیار کیا ہے؟

جواب: نیکی کا معیار اللہ تعالیٰ کی راہ میں دل پسند چیز خرچ کرنا ہے۔اس خوبی میں جتنا نقص ہوگا اتنا ہی نیک ہونے میں نقص ہوگا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے،اس کے راستے میں بندوں کو ہر طرح سے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

سوال4: ﴿ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ ''یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو'' سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:''یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساری محبوب چیزیں نہیں بلکہ ان میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینی ہیں۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب مال خرچ کرنے سے کس چیز کا اندازہ ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب مال خرچ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے۔﴿2﴾ یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشی کتنی عزیز ہے۔

سوال6: نیکی کے اعلیٰ معیار تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟

جواب: اپنی محبوب ترین چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے،عمدہ اشیاء خرچ کر کے،ضرورت مند ہونے کے باوجود ضرورت کی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے کر نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچا جا سکتا ہے۔

سوال7: نیکی کے اعلیٰ معیار تک کون پہنچنا چاہتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ نیکی کے اعلیٰ معیار تک وہ شخص پہنچنا چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کمال درجے کی محبت رکھتا ہو اور کمال درجے کی عجز و انکساری رکھتا ہو جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ یقیناً وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے لیے عاجزی کرنے والے تھے۔(الانبیاء:90)﴿2﴾ کمال محبت حاصل کرنے والا اپنی ہر چیز،مال،عزت اور اقتدار وغیرہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچنا چاہتا ہے۔

سوال8: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب ترین مال خرچ کیا،ان کی مثالیں دیں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں اپنے کھجور کے باغات کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار تھے اور اپنے باغات میں سب سے زیادہ پسند انہیں بیرحاء کا باغ تھا۔یہ باغ مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ یعنی تم ہرگز نیکی

کے مقام کونہیں پہنچ سکتے جب تک تم ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو۔تو یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا:''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی کونہیں پا سکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرواور مجھے بیرحاء کا باغ سب سے زیادہ پیارا ہے۔اسی لیے میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اس کی نیکی اوراس کے ذخیرۂ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں آپ ﷺ مناسب سمجھیں اسے استعمال کریں۔''راوی نے بیان کیا کہ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:''خوب یہ تو بڑی ہی آمدنی کا مال ہے۔یہ تو بہت ہی نفع بخش ہے۔ جو بات تم نے کہی وہ میں نے سن لی اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے نزدیکی رشتے داروں کو دے ڈالو۔''ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں ایسا ہی کروں گا۔''چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے لڑکوں کو دے دیا۔(بخاری:1461)﴿2﴾ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی:اے اللہ رسول ﷺ! مجھے خیبر میں سے جو حصہ ملا ہے اس سے بڑھ کر نفیس مال مجھے آج تک حاصل نہیں ہوا،میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اسے صدقہ کردوں۔آپ ﷺ نے فرمایا:اصل اپنے پاس رکھواوراس کے پھل کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کردو۔(ابن ماجہ:2397)﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشادفرمایا: مجھے میری لونڈی مرجانہ بہت مرغوب ہے اسے آزاد کیئے دیتا ہوں۔(سراج البیان:145/1)

سوال9: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾''اور جو بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور جو بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح جاننے والا ہے''﴿1﴾ چونکہ بندوں کو ہر انداز میں خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے،کم ہو یا زیادہ،دل پسند چیز ہو یا نہ ہو اور ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز سے دلی محبت نہ ہو اسے خرچ کرنے پر ثواب نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا:﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ اور جو بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح جاننے والا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالتا بلکہ تمہاری نیت اور چیز کے فائدے کے مطابق تمہیں اس کا ثواب دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:391/1)﴿2﴾ کس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے؟ کس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اوراس کی خوشی کتنی عزیز ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ضرورت کی چیزوں کو قربان کرکے نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچنا چاہتا ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں دل پسند چیز خرچ کرتا ہے؟

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ﴿عَلِيْمٌ﴾ کے توسط سے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ﴿عَلِيْمٌ﴾ کے توسط سے یہ شعور دلایا ہے کہ وہ تمہارے تمام اعمال کو اور تمہاری نیتوں کو پوری طرح جاننے والا ہے،تمہیں تمہاری نیتوں کے مطابق ان کی جزا دے گا۔

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (93) ﴾

''تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی۔ آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھوا گر تم سچے ہو۔'' (93)

سوال 1: یہودیوں نے اسلام پر کون سے اعتراضات کئے تھے جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ مسلمان اگر ملت ابراہیمی پر ہیں تو اونٹ کا گوشت کیوں کھاتے ہیں اور اس کا دودھ کیوں پیتے ہیں؟ ﴿2﴾ ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ مسلمانوں نے قبلہ کیوں تبدیل کر لیا جب کہ بیت المقدس تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے؟

سوال 2: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ ﴾ ''تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی'' کھانے پینے کی اشیاء جو بنی اسرائیل کے خیال میں تورات میں حرام اور قرآن میں حلال ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ ''تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے'' کھانے پینے کی تمام اشیاء جو قرآن میں حلال ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔ ﴿2﴾ کچھ چیزیں بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کی گئی تھیں اس لیے کہ انہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جیسا کہ سورۃ الانعام میں رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں سوائے اس کے جو ان دونوں کی پیٹھوں یا انتڑیوں نے اٹھایا ہو یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی وجہ سے سزا دی تھی اور بلا شبہ یقیناً ہم ہی سچے ہیں۔ (الانعام:146) ﴿3﴾ ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ ﴾ ''تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی'' کچھ چیزیں تورات نازل کئے جانے سے پہلے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔

سوال 3: ﴿ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ ﴾ ''مگر جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے'' سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کیا حرام کیا تھا اور کیوں؟

جواب: سیدنا یعقوب علیہ السلام نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گا تو میں کھانے پینے کی سب سے پیاری چیز چھوڑ دوں گا۔ جب

انہیں صحت ملی تو انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے بھی اسی طریقے کو اپنالیا۔

سوال4: کھانے پینے کی اشیاء میں اسلام کا اصول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کھانے پینے کی ہر چیز اصلاً حلال ہے سوائے اس کے جس میں کوئی کراہت یا خرابی ہو۔﴿2﴾ بعض چیزیں مخصوص حالات کے پیش نظر حرام کی جاتی ہیں۔حالات بدل جائیں تو حرمت ختم ہوجاتی ہے۔

سوال5: ﴿ **قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴾ ''آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو'' کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں بنی اسرائیل کی اس غلط فہمی کو کیسے دور کیا گیا کہ جو چیزیں تورات میں حرام ہیں وہ قرآن مجید میں حلال ہیں؟

جواب: ﴿ **قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴾ ''آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو'' ﴿1﴾ تورات میں بعض چیزیں یہودیوں کے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر 160 اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر 146 سے پتہ چلتا ہے۔یہ حرمت بطور سزا تھی۔﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں وہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔سیدنا یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کرلیا تھا۔﴿3﴾ یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔اگر تم سچے ہو تو بات واضح ہوجائے گی۔ترمذی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ یعقوب نے اپنے لئے کس چیز کو حرام کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بادیہ میں رہتے تھے انہیں عرق النساء کی بیماری ہوگئی۔انہیں بطور علاج یہی سمجھ میں آیا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیں چنانچہ انہوں نے اسے اپنے اوپر حرام بنالیا۔یہودیوں نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔احمد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دونوں چیزوں کو بطور نذر اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔(مستدرک حاکم:3152)

﴿ **فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(94)** ﴾

''پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''(94)

سوال1: ﴿ **فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** ﴾ ''پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا'' ﴿1﴾ یہاں جھوٹ باندھنے سے مراد اسلام اور مسلمانوں پر جھوٹے اعتراضات کرنا ہے۔﴿2﴾ ﴿ **مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** ﴾ ''اس کے بعد بھی'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق واضح ہوجانے کے بعد بھی جھوٹے اعتراضات کرنا مراد ہے۔

سوال2:﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ’’تو وہی لوگ ظالم ہیں‘‘ ظالموں کاظلم کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ ظالموں کاظلم یہ ہے کہ وہ سچائی پر پردہ ڈالتے ہیں۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔﴿3﴾ جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں۔﴿4﴾ سچائی کوتسلیم نہیں کرتے۔﴿5﴾ اس سے بڑاظلم کیا ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کواللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اوروہ عناد تکبراور سرکشی کی بنیاد پراس سے انکار کردیتا ہے۔(تفسیر سعدی:391/2)

سوال3: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کرانسان کس پرظلم کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ پرجھوٹ باندھ کرانسان اپنی ذات پرظلم کرتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے کوحرام کر لیتا ہے۔﴿2﴾ جو احکامات اللہ تعالیٰ نے نہیں دیئے انہیں اس کی طرف منسوب کرکے انسان اللہ تعالیٰ پرظلم کرتا ہے۔

﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (95) ﴾

’’آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سوتھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔‘‘(95)

سوال1:﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ ’’آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے‘‘ یہ الفاظ کس طرف اشارہ کرتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ ’’آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے سچ واضح کردیا ہے کہ بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبلہ اور جائے عبادت بنایا تھا۔﴿2﴾ تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔یعنی طعام کی یہ قسم پہلے حلال تھی بعد میں یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پرحرام کرلی اور آپ کی اولاد نے بھی (آپ کے احترام میں) ان سے اجتناب کیا۔اوران کی اولاد پرحرام کردی گئی۔ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور یہود جھوٹے ہیں اس لیے اب انہیں یہودیت چھوڑ کرملت ابراہیم یعنی دین اسلام کواختیار کرلینا چاہئے۔

سوال2:﴿ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ’’ابراہیم کی ملت‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ ’’ملت ابراہیم‘‘ یعنی ملت اسلام ہی اصل میں ملت ابراہیم ہے۔(تفسیر بیضاوی:67/2)﴿2﴾ ملت ابراہیم سے مرادزندگی کے وہ طور طریقے، وہ دین ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اختیار کیا یعنی اللہ تعالیٰ کوایک ماننا، اس کے لیے یک سور ہنا اوراس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہنا۔﴿3﴾ ملت ابراہیم توحید پر قائم ہے اور وہ قرآن مجید کی شریعت ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اوروہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ آپ کہہ دیں: ’’میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے کہ وہ ایک مضبوط دین ہے، ملت ابراہیم ہے جو ایک ہی طرف کے تھے، مشرکوں میں سے نہ تھے۔‘‘(الانعام:161)

سوال3: ﴿ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی دعوت کیوں دی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ ''چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا'' یہودی اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وارث کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اس لیے انہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی حقیقت بتائی گئی کہ ہر قسم کے شرک سے نفرت کرنا اور صرف اللہ تعالی کی طرف رخ کرنا ہی اصل دین ابراہیمی ہے اس لیے اس کی پیروی کرو۔ ﴿2﴾ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی وغیرہ جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر نہیں وہ شرک ہیں موحد نہیں۔ (تفسیر سعدی:393/1)

سوال4: حنیف کسے کہتے ہیں؟

جواب: ''حنیف'' یک سو کو کہتے ہیں، وہ جو ایک ہی طرف اپنا رخ کرنے والا ہو یعنی اللہ تعالی کی طرف رخ کرنے والا ہو۔

سوال5: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں، ان کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام یک سو تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے امید باندھنے والے، اسی پر بھروسہ کرنے والے، اسی کو اپنا سب کچھ بنانے والے تھے۔

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (96) ﴾

''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، تمام جہانوں کے لئے بابرکت اور ہدایت ہے۔'' (96)

سوال1: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے تمام جہانوں کے لئے بابرکت اور ہدایت ہے'' اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر کی کیا صفات بیان کی گئی ہیں؟

جواب: ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے'' اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر کعبۃ اللہ کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں: ﴿1﴾ وہ دنیا میں عبادت کے لیے مقرر کیا جانے والا سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ ﴿2﴾ برکت والا ہے۔ برکت کا مطلب خیر کا دوام اور کثرت ہے۔ دنیا میں اتنی برکت والا، اس قدر کثیر اور دائمی خیر والا، اور مخلوق کے لیے اس قدر فوائد کا حامل کوئی گھر موجود نہیں۔ ﴿3﴾ وہ ہدایت ہے۔ ہدایت دینے والے کے بجائے ہدایت (مصدر) کا لفظ بولنے میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا یہ خود سراپا ہدایت ہے۔ ﴿4﴾ اس میں آیات بینات (واضح نشانیاں) موجود ہیں۔ جن کی چالیس سے زیادہ ہے۔ ﴿5﴾ اس میں داخل ہونے والے کے لیے امن ہے۔ (تفسیر سعدی:398,399/1)

سوال2: ﴿ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''تمام جہانوں کے لئے بابرکت اور ہدایت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ﴿ **مُبٰرَكًا** ﴾ ''بابرکت''اس میں بہت سی برکتیں اور دینی ودنیاوی فوائد موجود ہیں۔جیسے دوسرے مقام پرفرمایا:﴿ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴾ تاکہ وہ اپنے منافع کے لئے حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں چوپائے مویشیوں پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں جو اس نے انہیں عطا فرمائے سو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔(الحج:28)﴿2﴾﴿ **وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** ﴾''تمام جہانوں کے لئے اور ہدایت ہے''ہدایت کی دوقسمیں ہیں:علمی ہدایت اور عملی ہدایت۔عملی ہدایت تو ظاہر ہے کہ اللہ نے ایسی عبادتیں مقرر کی ہیں جو اس مقدس گھر کے ساتھ مخصوص ہیں۔علمی ہدایت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حق کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں واضح فرمایا کہ''اس میں واضح نشانیاں موجود ہیں۔(تفسیر سعدی:393/1)

سوال3: بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے بارے میں یہود یوں کا اعتراض کیا تھا؟

جواب: بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے بارے میں یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ تو بیت المقدس تھا۔

سوال4: اہل کتاب کے تحویل قبلہ پر کیے جانے والے اعتراض کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب:﴿1﴾ بیت اللہ کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے سچ کہا ہے۔﴿2﴾ بیت اللہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔﴿3﴾ یہ زمین پر پہلا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔﴿4﴾ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ**(96)﴾ اس کو قبلہ یعنی ایک جائے عبادت بنایا گیا۔یہ یہودیوں کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت کا گھر ہے۔صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:میں نے پوچھا:اے اللہ کے رسول ﷺ! روئے زمین پر کون سی مسجد پہلے بنائی گئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:مسجد حرام۔میں نے پوچھا:پھر کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:مسجد اقصیٰ۔میں نے پوچھا:دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:چالیس سال۔(صحیح بخاری:3366) ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو بنایا۔اس کے چالیس سال کے بعد یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا۔

سوال5: بیت اللہ کی تعمیر کے مقاصد کیا تھے؟

جواب:﴿1﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔﴿2﴾ یہ طواف کرنے والوں،عبادت کرنے والوں،رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے مخصوص رہے۔﴿3﴾ امن وسلامتی کی جگہ رہے۔﴿4﴾ لوگوں کے لیے قبلہ رہے۔﴿5﴾ ہدایت وراہ نمائی کا مرکز بن جائے۔

﴿ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ(97) ﴾

''اس میں واضح نشانیاں ہیں،مقام ابراہیم ہے،اور جو اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج

(فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''(97)

سوال1: اس آیت میں بیت اللہ کی خصوصیت کن حوالوں سے بیان کی گئی ہے؟

جواب: اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔

سوال2: ﴿ فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ ﴾ ''اس میں واضح نشانیاں ہیں'' بیت اللہ میں کیا نشانیاں ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ بیت اللہ میں یہ نشانیاں ہیں (i) زم زم کا کنواں ۔(ii) حجر اسود ۔(iii) مقام ابراہیم ۔(iv) صفا و مروہ ۔﴿2﴾ یعنی مختلف علوم الٰہی اور بلند مطالب پر واضح دلائل اور قطعی براہین موجود ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل، اس کی رحمت، حکمت، عظمت، جلالت، اس کے کامل علم اور بے حد وحساب جود وسخا کے دلائل، اور انبیاء و اولیاء پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی نشانیاں۔ ان نشانیوں میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے۔ (تفسیر سعدی:393/1)

سوال3: ﴿ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ﴾ ''مقام ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا۔ آج یہ پتھر صحن حرم میں ملتزم کے سامنے نصب کیا گیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے اور باقی اور بھی ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:443/1)

سوال4: اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ بیت اللہ کو سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے تعمیر کیا تھا؟

جواب: بیت اللہ میں مقام ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسے سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے تعمیر کیا تھا۔

سوال5: بیت اللہ کا احترام کن وجوہات کی بناء پر کیا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ زمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہے۔ ﴿2﴾ اسے سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اور سیدنا اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام نے تعمیر فرمایا۔ ﴿3﴾ اس میں مقام ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام ہے۔ ﴿4﴾ جو اس میں داخل ہوتا ہے اسے امن نصیب ہو جاتا ہے۔ ﴿5﴾ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے حج کا حکم ہے۔

سوال6: ﴿ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ﴾ ''اور جو اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا'' بیت اللہ کے ارد گرد کا علاقہ حرم ہے جس کی حدود معروف ہیں۔ ﴿2﴾ اور جو اس میں داخل ہوا اسے اپنے نفس، مال اور عزت کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ ﴿3﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے نبی کریم ﷺ

سے سنا،آپ ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ مکہ مکرمہ میں اسلحہ اٹھائے۔''(صحیح مسلم:3307)﴿4﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔(تفسیر ابن کثیر:443/1)

سوال7: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ ''اوراللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اوراللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو''اللہ تعالیٰ نے حج کے واجب ہونے کا ذکر اس کے حق کی تاکید اور اس کی حرمت کی تعظیم کے لیے بلیغ الفاظ میں کیا۔اس کے فرض ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور عمر میں ایک بار سے زیادہ واجب نہیں۔(تفسیر قرطبی:108/2)﴿2﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم حج کرو تو ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال حج فرض کیا گیا ہے؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے آپ ﷺ سے تین مرتبہ عرض کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کہتا ہاں! (تو ہر سال حج) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن باتوں کو میں چھوڑ دیا کروں تو ان کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور وہ اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے۔جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم کروں تو حسب استطاعت تم اسے اپنا لو اور جب تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو تم اسے چھوڑ دو۔(صحیح مسلم:3257)﴿3﴾حسن نے کہا: نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ سبیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''زادراہ اور سواری۔''(جامع البیان: 19/4)﴿4﴾یہ آیت وجوب حج کی دلیل ہے۔(تفسیر قاسمی:160/4)

سوال8: حج کیسا فرض ہے؟

جواب:﴿1﴾حج زندگی میں ایک بار استطاعت رکھنے والے پر فرض ہے۔﴿2﴾سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے لیے برابر ہے یہودی ہو کر مر جائے یا عیسائی ہو کر۔ابن کثیر نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہیں۔(ایسر التفاسیر:192/1) ﴿3﴾مسند سعید بن منصور میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں، وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں، وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں۔(تفسیر مراغی:9/2)(تفسیر ابن کثیر: 444/1)﴿4﴾مسند کی ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کل کیا پیش آئے' ابوداؤد وغیرہ میں ہے حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہیے۔(تفسیر ابن کثیر:444/1)

سوال9: استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن حکیم میں کیا فرمایا گیا ہے؟

جواب: قرآن مجید نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

سوال10: حج کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی نشانیوں کی زیارت جن کی وجہ سے انسان کا اپنے رب سے خاص تعلق پیدا ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی غلامی کے لیے اس کی پکار پر لبیک کہنا سیکھنا۔ ﴿3﴾ ہر سال دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان جمع ہوں تاکہ ان کے درمیان ایک عالم گیر وحدت پیدا ہو۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان مساوات پیدا کر کے انسانیت کو اسلام کی طرف راغب کرنا۔ ﴿5﴾ احرام کی پابندیوں سے یہ پیغام دینا کہ انسانیت کو امن دین اسلام کے ماسوا کسی اور نظام سے نہیں مل سکتا۔ ﴿6﴾ ایک اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، اس کی بڑائی بیان کرتے ہوئے، اس کے گھر کے گرد گھومتے ہوئے، اسی کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہوئے انسانیت کو توحید کی دعوت دینا۔

سوال11: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ ''اور جس نے کفر کیا'' یہاں کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور جس نے کفر کیا'' ﴿1﴾ یہاں کفر کرنے سے مراد حج نہ کرنا ہے۔ قرآن مجید نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ ﴿2﴾ یعنی جس نے واجب پر عمل نہ کر کے اور اسے ترک کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ (تفسیر سعدی: 398/1)

سوال12: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے'' اللہ تعالیٰ کے جہان والوں سے بے نیاز ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے'' اللہ تعالیٰ کے دنیا جہان والوں سے بے نیاز ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے حج کی ضرورت نہیں، یہ فقط تمہاری ضرورت ہے۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی انسان کو ضرورت ہے۔ اگر وہ ان احکامات کی پرواہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو انسان کی ضرورت نہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت غنا کا اثبات ان مشرک قوموں کے رد میں ہے جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود ان کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لئے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی: 611/1) ﴿4﴾ یہاں استغنا کے ذکر کا مقصد ناراضی، غصے اور بے اعتنائی کا اظہار ہے جو بہت عظیم اور بلیغ وعید ہے۔ (تفسیر سعدی: 398/1)

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ (98)﴾

''آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔'' (98)

سوال1: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ’’ آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟‘‘ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کیسے کفر کیا؟

جواب: ’’ آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟‘‘ ﴿1﴾ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر کا انکار کیا۔ ﴿2﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حلال وحرام کا انکار کیا۔ ﴿3﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا انکار کیا۔ ﴿4﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا انکار کیا۔

سوال2: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ’’ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے‘‘ اس ڈراوے کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟

جواب: ’’ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے‘‘ ﴿1﴾ اس ڈراوے کا پہلا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ اہل کتاب پر اپنی اصلیت واضح ہو جاتی ہے جب وہ خود کو بڑا مومن سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں کفر کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ دوسرا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ اہل کتاب سے دھوکہ کھانے والے مؤمنوں کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں پتہ چل جائے کہ اہل کتاب غلط ہیں اور اہل اسلام سچے ہیں۔ ﴿3﴾ تیسرا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے دل میں یہ خوف پیدا ہو کہ میرے اعمال پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے، اس طرح وہ کفر کرنے سے بچ جائیں۔

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (99) ﴾

’’ آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لایا ہے، تم اس (راہ) میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو۔‘‘ (99)

سوال1: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ ﴾ ’’ آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لایا ہے‘‘ اہل کتاب ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ ﴾ ’’ آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لایا ہے‘‘ یہود خود تو کفر کرتے تھے۔ اب ان کی اتنی جراءت ہوگئی تھی کہ طرح طرح سے دوسروں کو بھی دین حق سے روکنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ ﴿2﴾ اہل کتاب حق کو نہیں مانتے تھے اس لیے انہیں کسی کا حق پر چلنا گوارا نہیں تھا۔ ﴿3﴾ باطل پرستی اور باطل سے محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ حق سے روکیں۔ اس لیے وہ باطل کی حمایت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے سے روکتے

تھے۔﴿4﴾﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾''اللہ تعالیٰ کی راہ سے''اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد اس کے نبی اور اس کی کتاب کا راستہ ہے۔

سوال2: انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے کیا نتائج سامنے آتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾جب بھی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا جاتا ہے تو ان کے معاملات خراب ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر سے استقامت ختم ہو جاتی ہے۔﴿2﴾اچھائی اور برائی کے پیمانے خراب ہو جاتے ہیں۔﴿3﴾زمین کے نظام کا ہر شعبہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے مثلاً تعلیمی اور معاشی نظام خراب ہو جاتا ہے۔﴿4﴾انسانی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں زندگی سیدھے راستے کی بجائے کجی اور بگاڑ پر قائم ہو جاتی ہے۔﴿5﴾انسانی تصورات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔﴿6﴾انسانی ضمیر اور اخلاق میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔﴿7﴾انسان کے طرزِ عمل اور اس کے تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

سوال3:﴿تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾''تم اس (راہ) میں کجی تلاش کرتے ہو''اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی کیسے تلاش کرتے تھے؟

جواب:﴿1﴾''تم اس (راہ) میں کجی تلاش کرتے ہو''اللہ تعالیٰ کے دین والے جو حق کے راستے پر چلتے ہیں، آپ ان کے لیے کجی اور گمراہی چاہتے ہو۔ آپ لوگ ہدایت پر استقامت اختیار کرنے میں کجی تلاش کرتے ہو۔﴿2﴾اہل کتاب دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔﴿3﴾اہل کتاب خود اسلام کی سچائی کا انکار کر کے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔﴿4﴾اسلام پر اعتراضات عائد کر کے، مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔﴿5﴾اہل کتاب طاقت کے ذریعے زبردستی اسلام کے راستے سے روک کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔ آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

سوال4:﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ﴾''حالانکہ تم خود گواہ ہو''اہل کتاب کس چیز کے گواہ ہیں؟

جواب:''حالانکہ تم خود گواہ ہو''اہل کتاب دین اسلام کے حق ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کے گواہ ہیں۔﴿2﴾اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار بھی کیا، ان پر ایمان لانے والوں کو بھی روکا، ان میں تحریف کی، انہیں اصل مفہوم سے پھیرنے کی کوشش کی۔ وہ خود ان جرائم کو تسلیم کرتے ہیں، انہیں خوب معلوم ہے کہ ان کا یہ کام بہت بڑا کفر ہے، جس کی سزا بہت سخت ہے۔(تفسیر سعدی:401/1)

سوال5: یہود کیسے دین اسلام اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کے گواہ بنے؟

جواب:﴿1﴾پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں اور جنہیں یہودی پڑھتے ہیں ان کی وجہ سے یہودی دین اسلام اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کے گواہ بنے۔﴿2﴾عبداللہ بن ابی جعفر اپنے والد سے اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ﴾کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ تم خود اس پر گواہ ہو جو کتاب اللہ میں سے پڑھتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

تم اسے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو۔(تفسیر ابن ابی حاتم:718/3)

سوال6: ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو'' کے ذریعے کیا احساس دلایا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو'' اس کے ذریعے اہل کتاب کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اپنے اعمال سے غافل ہو مگر اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے۔﴿2﴾ وہ تمہارے اعمال، تمہاری نیتوں اور تمہاری بری تدبیروں سے پوری طرح باخبر ہے، وہ تمہیں ان کی بہت بری سزا دے گا۔(تفسیر سعدی:401/1)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ(100)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے جنہیں کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کر لوٹا دیں گے۔''(100)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق اور ابوالشیخ نے زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ شاس بن قیس یہودی اوس اور خزرج کے پاس سے گزرا اور ان کو آپس میں باتیں کرتا ہوا دیکھ کر حسد کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ان میں کس قدر دشمنی تھی اور اب آپس میں کس قدر محبت ہے، چنانچہ اس سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے آ کر ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ اوس وخزرج کے مسلمانوں کی مجلس میں جا کر بیٹھے اور جنگ ''بعاث'' کا ذکر چھیڑے اور ان کو وہ وقت یاد دلائے۔ چنانچہ اس نے آ کر ایسا ہی کیا۔ اس کی یہ باتیں سن کر انہوں نے آپس میں لڑائی اور ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کیا۔ قبیلہ اوس سے اوس بن قیظی اور خزرج سے جبار بن جعفر، یہ دونوں آدمی کھڑے ہو گئے اور آپس میں گفتگو کی جس سے دونوں قبائل غصہ میں تیار ہو گئے۔ اس چیز کی اطلاع رسول اکرم ﷺ کو پہنچی آپ وہاں تشریف لائے اور ان کو نصیحت کر کے آپس میں صلح کرا دی۔ ان سب حضرات نے آپ ﷺ کی بات کو بسر وچشم سنا اور اطاعت وفرماں برداری کے لیے اپنی گردنیں جھکا دیں، اللہ تعالیٰ نے قبیلہ اوس وخزرج اور جو ان کے ساتھ تھے، ان کے بارے میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور شاس بن قیس کے بارے میں ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ والی آیت نازل فرمائی۔(تفسیر ابن عباس:206,207/1)

سوال2: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ''اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے جنہیں کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کر لوٹا دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اے ایمان والو!اگرتم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کروگے جنہیں کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کرلوٹا دیں گے''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہودیوں کے مکروفریب اوران کی سازشوں سے ہمیشہ بچ کر رہنے کی تنبیہ کی ہے۔﴿2﴾اس سے مراد اسلام سے کینہ رکھنے والا گروہ ہے جن میں شماس بن قیس یہودی اوراس کے ساتھی تھے جو اوس اورخزرج کے درمیان فتنے کی صورت حال پیدا کرنا چاہتے تھے۔لیکن عبرت اس کے خاص سبب میں نہیں،اس کے عموم میں عبرت ہے۔یہودی اورعیسائی امت اسلامیہ کی تباہی وبربادی میں ہمیشہ مصروف رہے ہیں۔(ایسرالتفاسیر:193/1)﴿3﴾ہرمسلمان کا فرض ہے کہ شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والوں کی باتیں نہ سنے۔اسی میں دین کی سلامتی ہے کیونکہ بحث کرنے سے شبہات بڑھتے ہیں۔

سوال3:اہل کتاب کی اطاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اہل کتاب کی اطاعت سے مراد ہے ان سے ہدایات اخذ کرنا۔﴿2﴾ان کی نقالی کرنا۔﴿3﴾ان کی عادات واطوار اپنانا۔﴿4﴾ان سے پالیسیاں لینا۔

سوال4:اہل کتاب کی اطاعت کس چیز کا ثبوت ہے؟

جواب:﴿1﴾اہل کتاب کی اطاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے اندر سے شکست قبول کرلی ہے۔﴿2﴾اہل کتاب کی اطاعت چھپا ہوا کفر ہے جو غیر شعوری ہے۔اس کا خطرہ انسان کو محسوس نہیں ہوتا۔﴿3﴾اہل کتاب کی اطاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ امت مسلمہ قیادت کے مقام سے دست بردار ہوگئی ہے۔﴿4﴾اہل کتاب کی اطاعت سے اسلامی نظام زندگی کی اس صلاحیت میں شک پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اس دور کے لوگوں کی راہ نمائی کرے اوران کی ترقی،نشوونما اور تنظیم کرے۔

سوال5:﴿يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ﴾''تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کرلوٹا دیں گے''ایمان کے بعد پھر کافر بنا دینے والی باتوں میں کیا کچھ شامل ہے؟

جواب:﴿1﴾''تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کرلوٹا دیں گے''اس کفر سے مراد مسلمان ہوتے ہوئے کفر ہے،اس سے مرتد ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دولڑنے والے گروہوں کو مومن قرار دے کران کے درمیان اصلاح کروانے کا حکم دیا ہے۔﴿2﴾ایمان کے بعد پھر کافر بنا دینے والی باتوں میں آپس میں قتال بھی شامل ہے اوراگر ان کی بات مانو گے تو آپس کے اتفاق اورمحبت سے محروم ہوجاؤ گے۔﴿3﴾نبی ﷺ نے فرمایا:''میرے بعد تم گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔''(صحیح بخاری:4064)

سوال6:اہل کتاب مسلمانوں کے بارے میں کس چیز کی حرص رکھتے ہیں؟

جواب:اہل کتاب مسلمانوں کے بارے میں یہ حرص رکھتے ہیں کہ وہ امت مسلمہ کو اپنے عقیدے اورنظریات سے ہٹا دیں۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾اہل کتاب

میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنادیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے،اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہوگیا۔(البقرہ:109)اس مقصد کے حصول کے لیے:﴿1﴾وہ ساری قوت لگاتے ہیں۔﴿2﴾خفیہ مکروفریب کرتے ہیں۔﴿3﴾منافقین سے مدد لیتے ہیں۔﴿4﴾لوگوں کواندر سے اسلام سے دور کرنے کے لیے غیراسلامی نظاموں کوخوب صورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔﴿5﴾اس امت پر ایسی قیادت مسلط کرتے ہیں جو اسلامی نہیں ہوتی۔

﴿وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ(101)﴾

''اورتم کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنائی جارہی ہیں اورتمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کومضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا۔''(101)

سوال1:﴿وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾''اورتم کیسے کفر کرتے ہوحالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنائی جارہی ہیں اورتمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اورتم کیسے کفر کرتے ہوحالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنائی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے''﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے یہودونصاریٰ کے مکروفریب سے ڈرایا ہے۔ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کے کفر کا انکار کیا ہے کہ تم کیسے کفر کرتے ہوحالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنائی جارہی ہیں اورتمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے۔(ایسر التفاسیر:194)
﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے گزشتہ واقعے کومدّنظر رکھتے ہوئے خبردی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفر کوقبول نہیں کرسکتی۔(تیسیر الرحمٰن:196/1)
﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفر کوکیسے قبول کرسکتی ہے''حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنائی جارہی ہیں اورتمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے۔''﴿4﴾﴿اٰيٰتُ اللّٰهِ﴾سے مراد قرآن کریم کی آیات ہیں۔﴿5﴾﴿وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾''اورتمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے'' جو ہادی،مبشراورنذیر ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کے دین کومضبوطی سے پکڑنے کی طرف ہدایت دیتے ہیں،اور ہدایت اورکمال کے راستے پر چلنے کے لیے دین کومضبوطی سے پکڑنے والوں کو بشارت دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:194)﴿7﴾یعنی رسول تمہارے اندر موجود ہیں،وہ ہروقت تمہیں رب کی آیتیں سناتے ہیں۔یہ آیات واضح ہیں جو بیان کردہ مسائل پر قطعی یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ کہ ان سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں کسی بھی لحاظ سے شک کی گنجائش نہیں۔﴿8﴾خاص طور پر اس لیے بھی کہ اسے بیان کرنے والا وہ انسان محمد ﷺ ہے،جوتمام مخلوق میں سب سے افضل،زیادہ عالم،زیادہ فصیح،زیادہ مخلص وخیرخواہ اورمومنوں پر زیادہ شفیق،مخلوق کو ہرممکن طریقے سے ہدایت دینے اوران کی راہ نمائی کرنے کا انتہائی شوق رکھنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ کے

درود وسلام نازل ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔آپ نے یقیناً خیرخواہی فرمائی اور پوری وضاحت سے اللہ تعالیٰ کا دین پہنچادیا۔حتیٰ کہ کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہ رہی اور نیکی کے کسی طلب گار کو تلاش کی ضرورت نہ رہی۔(تفسیر سعدی:401/1)

سوال2:﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ﴾''اور تم کیسے کفر کرتے ہو''کفر کرنے اور ایمان سے دور ہونے کی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ کفر کرنے اور ایمان سے دور ہونے کی صورتوں میں دین کے اجزاء کو بدلنا شامل ہے۔﴿2﴾دین میں اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنا کر پیش کرنا ہے۔

سوال3:﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾''اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ﴾''اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا''اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا ہے۔(ایسر التفاسیر:194)﴿2﴾اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا ہے۔﴿3﴾﴿فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾''تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا''اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے دی جاتی ہے۔﴿4﴾اسے اللہ تعالیٰ کی رضا،اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات اور جنت کے راستے پر چلا دیا جاتا ہے۔(جامع البیان:429/30)﴿5﴾اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے،اس پر توکل کرے،ہر برائی سے بچاؤ کے لیے اس کی قوت و رحمت کا سہارا تلاش کرے اور ہر خیر کے لیے اس سے مدد طلب کرے۔﴿فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾''تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا''جو مطلوب منزل تک پہنچانے والی ہے،کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال،افعال اور احوال کی اتباع بھی کی اور اللہ تعالیٰ کا سہارا بھی حاصل کیا۔(تفسیر سعدی:401,402/1)

رکوع نمبر11

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ(102)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''(102)

سوال1:﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ''ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ کیوں کیا گیا؟

جواب:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ''ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تا کہ وہ اس کے

احکامات اور اسلام کے عائد کردہ فرائض کو پورے طور پر بجالائیں اور جن سے اس نے روکا ہے ان سے رک جائیں۔

سوال2: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے'' تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ جس جس کام کا حکم اللہ تعالیٰ دے، اسے انجام دینا اور جس جس کام سے منع کرے اس سے باز رہنا۔ ﴿2﴾ ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ''جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان پر کبھی بھی ایسا وقت نہیں آنا چاہیے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے غافل ہو کیونکہ موت کے وقت کا کسی کو کوئی علم نہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ایسا ہی حق ہونا چاہیے کہ جن جن اوامر کا اس نے حکم دیا ہے اور جن نواہی سے روکا ہے انہیں ٹھیک ٹھیک اور بروقت بجا لانا چاہیے۔ (تیسیر القرآن:293/1) ﴿3﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو جس کی وجہ سے اس کے حقوق ادا کرسکو۔ ﴿4﴾ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا ہوسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اس کو بھلایا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ (جامع البیان:31/4) ﴿5﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں اور انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہوں۔ اگر اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (الدرالمنثور:59/2)

سوال3: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے تقاضے کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے لئے اس کے احکامات کو پورے طور پر بجالانا چاہئے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے روکا ہے ان کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔

سوال4: اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:16) سو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ﴿2﴾ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر)

سوال5: ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو'' یعنی اپنی صحت کے زمانے میں اسلام کی حفاظت کرو، نہ خود

بدلو، نہ اپنے دین میں تبدیلی لاؤ، اپنی موت تک اللہ تعالیٰ کے دین پر ثبات اختیار کرو۔ ﴿2﴾ مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی وہاں تھے۔ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی، بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی ہر کھانے والی چیز خراب ہو جائے۔کوئی چیز کھا پی نہ سکیں۔ پھر خیال کرو کہ ان جہنمیوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہوگا اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لیے چاہتا ہو۔(مسند احمد) ﴿3﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ ﷺ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا۔(مسلم) ﴿4﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے ایسے ڈریں جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، پھر اس تقویٰ پر قائم اور ثابت قدم رہیں۔اور موت تک استقامت ہو۔کیونکہ انسان جس طرح کی زندگی گزارتا ہے اسے ویسی ہی موت نصیب ہوتی ہے۔جو شخص صحت، نشاط اور طاقت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر قائم رہتا ہے، اور ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے موت کے وقت استقامت عطا فرماتا ہے اور اسے حسن خاتمہ سے نوازتا ہے۔(تفسیر سعدی:402/1)

سوال 6: ''اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو'' خالص مسلمان بن جانے کے لیے کیا کام کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ خالص مسلمان بن جانے کے لیے مکمل اطاعت کرنے کی ضرورت ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہر کام کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ﴿3﴾ نبی ﷺ کی پیروی کرنے کی ضرورت ہے۔ ﴿4﴾ ایمان والے ارادہ کرلیں کہ ہر لمحے میں نے مسلمان بن کر رہنا ہے اس لیے کہ موت کا آنا ہم سے چھپایا گیا ہے۔

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ(103) ﴾

''اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔''(103)

سوال1: اس آیت میں کس کی دشمنی کا تذکرہ ہے؟

جواب: حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس میں اوس وخزرج کے ماضی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے درمیان کیسی دشمنی تھی لیکن اسلام کو قبول کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔(تیسیر الرحمٰن:197/1)

سوال2: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ ''اورسب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اورسب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کیا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْقُرْآنُ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ (ترمذی:2906) ''قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔'' ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کی رسی ہے جسے آسمان سے زمین کی طرف لٹکایا گیا ہے۔(سلسلہ احادیث صحیحہ:2895/1) ایک اور حدیث میں ہے: ''قرآن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، یہ ظاہری نور ہے، یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے، اس پر عمل کرنے والے کے لیے یہ بچاؤ ہے، اس کی تابعداری کرنے والے کے لیے یہ نجات ہے۔''(تفسیر ابن کثیر:447/1) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان راستوں میں شیاطین چل پھر رہے ہیں تم اللہ تعالیٰ کے راستے پر آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو، وہ رسی قرآن کریم ہے۔ اختلاف نہ کرو، پھوٹ نہ ڈالو، جدائی نہ کرو، علیحدگی سے بچو۔(تفسیر ابن کثیر:447/1)

سوال3: اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔ اس کو مضبوطی سے تھامنے سے مراد دراصل اس کے احکامات کو تھامنا ہے۔ قرآن حکیم میں اتنی قوت ہے کہ جو اس کے احکامات پر چلے گا وہ خواہ دنیا کے کسی گوشے، کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، اس سچائی کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے ذہنی اعتبار سے جڑ جائے گا۔ ﴿2﴾ جو افراد ذہنی مطابقت رکھتے ہوں وہ ایک فورم پر اکٹھے ہو کر کام کریں تو اس کی وجہ سے قرآن حکیم کی تعلیمات عام ہو سکتی ہیں۔ پھر لوگ عملی اعتبار سے بھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں اور وہ مل کر اس قرآن کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے دین پر مضبوطی سے کاربند رہنے اور متحد رہنے کا حکم دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے۔ دین پر متحد رہنے سے اور باہمی الفت ومحبت سے ان کا دین بھی درست رہے گا اور دنیا بھی درست رہے گی۔ اس طرح وہ ہر ایسا کام کر سکیں گے جس کا دارومدار اتفاق واتحاد پر ہے۔ اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ تمام مومن مل جل کر رہیں اور آپس میں اختلاف نہ کریں۔ اتحاد کی وجہ سے انہیں فوائد بھی حاصل ہوں گے اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون بھی ممکن ہو جائے گا۔ جب کہ اس کے برعکس اختلاف اور تفرقہ کی وجہ سے باہمی رابطے ٹوٹ جائیں گے، ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے بھاگ دوڑ کرے گا اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

سوال4: تقویٰ کے بعد ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ کے حکم سے اسلام کے تصور نجات اور تصور اتحاد کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: تقویٰ کے بعد ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ یعنی سب کا اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لینا یہ واضح کرتا ہے کہ ﴿1﴾ نجات اور کامیابی بھی ان ہی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی ان ہی پر قائم ہوسکتا ہے اور ان ہی پر اتحاد کا قائم رہنا بھی ممکن ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فرقہ اور اس میں پڑنے کو ناپسند کیا ہے، اس نے تمہیں اس سے ڈرایا اور اس سے روکا ہے۔ اس نے آپ کے لیے سمع وطاعت (سننا اور اطاعت کرنا)، الفت (باہمی محبت) اور جماعت کو پسند کیا ہے، لہٰذا اگر استطاعت رکھتے ہو تو اپنے آپ کو اس پر راضی کرلو جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔ ولا قوۃ الا باللہ۔ (جامع البیان:35/4) ﴿3﴾ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین باتوں سے اللہ رحیم خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو تفرقہ نہ ڈالو تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو۔ فضول بکواس، زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:447/1) ﴿4﴾ اتفاق واتحاد ہر قوم کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور اتفاق اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب کہ ہر قبیلہ، ہر قوم، ہر علاقہ کے لوگ اسلام کی قوت اور ساکھ برقرار رکھنے کے لیے اپنے اپنے جذبات کو دبا کر رہیں۔ (انوار البیان:528/1) ﴿5﴾ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کی نصیحت کی گئی ہے اور ہر قسم کے افتراق واختلاف سے ڈرایا گیا ہے اور اتفاق کی بنیاد قرآن کریم کو بتایا گیا ہے اور جیسا کہ معلوم ہے کہ سنت قرآن سے جدا نہیں ہوسکتی، اور قرآن بغیر سنت کے نہیں سمجھا جاسکتا، اس لیے مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتفاق واتحاد صرف قرآن وسنت پر عمل کرکے ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:197/1) ﴿6﴾ فرقہ بندی کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن وحدیث کے فہم، اس کی تشریح وغیرہ میں اختلاف تو صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا۔ یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں۔ مسلمان قرآن وحدیث کی وجہ سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے کیونکہ اختلاف کے باوجود سب کے لئے اطاعت اور عقیدت کا محور ومرکز قرآن مجید اور حدیث رسول تھا۔ ﴿7﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو میں تمہارے پاس دو بہت ہی بھاری اور عظیم چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رسّی ہے۔ جو اس کی اتباع کرے گا وہ ہدایت پر رہے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہوجائے گا۔ (صحیح مسلم) ﴿8﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا ''آپس میں اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک وبرباد ہوگئے۔'' (صحیح بخاری:2410) ﴿9﴾ سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا. ''آسانی پیدا کرو اور سختی میں مبتلا نہ کر، خوش خبری سنانا اور نفرت نہ پھیلانا، اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ رکھنا۔'' (صحیح مسلم:4526)

سوال 5: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور جدا جدا نہ ہوجاؤ'' تفرقہ (گروہ بندی) سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور جدا جدا نہ ہوجاؤ'' تفرقہ سے مراد ہے: ﴿1﴾ ذہنی اور عملی طور پر انتشار کا شکار ہونا۔ ﴿2﴾ قرآنِ مجید کو چھوڑ کر مسلمانوں

میں کوئی قدر مشترک نہیں رہ جاتی۔ وہ ایک دوسرے سے کٹ کر رہنے کے لیے جو بھی کوشش کریں وہ تفرقہ (گروہ بندی) ہے۔

سوال6: امت مسلمہ (اسلامی اجتماعیت) کن دو بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ۔ ﴿2﴾ اخوت۔

سوال7: تقویٰ مسلمانوں کی اجتماعیت کا پہلا ستون ہے۔ اس کی اہمیت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ کے ستون کے بغیر انسانوں کی ہر اجتماعیت ایک جاہلی اجتماعیت ہوگی اس لیے کہ ان کی قیادت ہدایت یافتہ نہیں ہوگی اور ان کا مقصد صالح نہیں ہوگا۔ ﴿2﴾ تقویٰ کے ساتھ ہی اسلامی اجتماعیت اپنے وجود کو ثابت کر سکتی ہے۔ ﴿3﴾ تقویٰ کے ساتھ ہی وہ اس اہم کردار کو ادا کر سکتی ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

سوال8: اسلامی اجتماعیت کی دوسری اساس ''اخوت'' ہے۔ اخوت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اخوت اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے خوف سے پھوٹتی ہے۔ ﴿2﴾ اخوت اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو پکڑنے کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ اخوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے عہد کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ ﴿4﴾ اخوت دین کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ ﴿5﴾ اخوت کسی جاہلی مقصد کی بنیاد پر پیدا نہیں ہوتی۔

سوال9: اسلامی اخوت کے فوائد کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی اخوت کی وجہ سے لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ اس کی وجہ سے افراد اپنی تاریخی دشمنیاں بھول جاتے ہیں۔ ﴿3﴾ اسی کی وجہ سے قبائلی انتقام معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ اسی کی وجہ سے افراد اپنے ذاتی مفادات چھوڑ دیتے ہیں۔ ﴿5﴾ اسی کی وجہ سے افراد اپنی فرقہ وارانہ روایات ترک کر دیتے ہیں۔

سوال10: ﴿ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** ﴾ ''اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے'' رشتۂ اخوت سے قبل مسلمان کیسے دشمن تھے؟

جواب: ''اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے'' ﴿1﴾ ربیع کا قول ہے: ''اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً'' تمہارے لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے، اور تمہارا قوت والا ضعیف کو کھا جاتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا اور تمہارے درمیان اسلام کی وجہ سے الفت پیدا کر دی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:725/3) ﴿2﴾ رشتۂ اخوت سے قبل مدینہ میں اوس اور خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے دشمن تھے، یہودی ان میں دشمنی

کی آگ کوبھڑکائے رکھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان دونفرت کرنے والےقبیلوں کے درمیان اسلام کی وجہ سے الفت پیدا کر دی۔﴿3﴾ ''تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے'' شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں'' اوراپنے اوپراللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اسلام آنے سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تمہارے لوگ ایک دوسرے کوقتل کر دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے ساتھ تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تمہیں ایمان پر جمع کیا تو تم اللہ کے فضل اوراس کے انعام سے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بن گئے۔'' (واضح المیسر :140,141)﴿4﴾﴿ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ﴾'' تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی'' انسانوں کے باہمی تعلقات اور باہمی محبت کا مرکز دل ہے اس لیے دل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی رسی میں دلوں کو باندھ دیا گیا، جوڑ دیا گیا، ان میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی گئی۔﴿5﴾رسول اللہ ﷺ نے حنین کا مال تقسیم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی طرف اشارہ فرمایا۔سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر حنین کے مال کی تقسیم کے وقت، جب کچھ انصار کے لوگوں نے اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو زیادہ حصہ دے دیا تھا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق ہی تھا تو آپ ﷺ نے انہیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت سے نوازا، تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے مگر میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی، اورتم فقیر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے دولت مند بنا دیا۔'' آپ ﷺ جب بھی کچھ ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔(بخاری:4330،مسلم:1061)

سوال11: ﴿ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ﴾'' تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے'' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اخوت کو اپنی نعمت کیوں قرار دیا؟

جواب: مومنوں کی باہمی محبت اللہ تعالیٰ ہی کی نعمت ہے اس لئے کہ انسان زمین بھر دولت بھی دے ڈالے کسی کی محبت نہیں خرید سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، اس کی رحمت اوراس کی نعمت ہے۔

سوال12: ﴿ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾'' اورتم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ شَفَا حُفْرَةٍ ﴾ کا معنیٰ گڑھے کا کنارہ جیسے کچے کنوئیں کا کنارہ ہوتا ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)﴿2﴾﴿ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾'' تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا'' تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ کی آگ سے بچالیا۔(ایسر التفاسیر:193)﴿3﴾ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تم جاہلیت پر مر جاتے تو تم آگ والوں میں سے ہوتے ﴿ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام سے

اور محمد ﷺ کی بدولت تمہیں نجات دی۔(تفسیر الوسیط:474/1)《4》مقاتل بن حیان کا قول ہے:اللہ تعالیٰ نے تمہیں شرک سے ایمان کی طرف نجات دی۔(تفسیر ابن ابی حاتم:726/3)

سوال13: اس آیت کے پس منظر میں کیا واقعہ ہے؟

جواب: مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔اسلام قبول کرنے کے بعد یہ دونوں قبائل بھائیوں کی طرح ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قریب سے ایک یہودی گزرا۔یہ بات اس پر گراں گزری۔اس نے ایک شخص کو بھیجا جو جنگ بعاث میں ان کے درمیان گزرے واقعات کا تذکرہ کرنے لگا حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے اور ان کے اندر جذبۂ انتقام بھڑک اٹھا۔انہوں نے اپنے اپنے جھنڈے اٹھا لیے،اسلحہ طلب کرلیا گیا اور مقام''حرۃ''دوبارہ جنگ کے لیے تقریباً طے ہوگیا۔اس بات کی اطلاع نبی ﷺ کو ہوگئی۔آپ ﷺ ان کے پاس آئے،انہیں ٹھنڈا کیا اور فرمایا:''کیا تم دوبارہ جاہلیت کی طرف دعوت دیتے ہو؟ حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں۔''اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔اس پر انہیں سخت ندامت ہوئی،ان کے درمیان صلح ہوگئی،انہوں نے اسلحہ پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا۔(تفسیر ابن کثیر:447,448/1)

سوال14: 《كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ》''اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ''کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ''اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور اخوت کی بنیاد پر جو اسلامی اجتماعیت قائم کرنے کے لیے کہا،اس کے بارے میں فرمایا کہ دیکھو یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔《2》《اٰيٰتِهٖ》اس کے دلائل《لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ》اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ تم ہدایت پر ثبات پاجاؤ اور وہ تمہیں اس میں بڑھادے۔(تفسیر بیضاوی:74/2)《3》اس بدیع بیان میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس نے تمہیں دین اور شریعت عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پاؤ اور دونوں جہانوں کی سعادت اور کامیابی حاصل کرو۔اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے دور کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ کے کنارے پر ہو،جس کے نیچے گہری وادی ہو،قریب ہے کہ وہ اس میں گر پڑے۔(واضح المیسر:141)اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے《شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ》اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔(شوریٰ:13) نبی ﷺ نے فرمایا:نہ باہم حسد کرو،نہ ایک دوسرے سے لاتعلق رہو،نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہوجاؤ۔(صحیح مسلم) نبی ﷺ نے فرمایا:تو مومنوں کو باہمی رحم دلی،دوستی اور باہمی مہربانی میں ایک جسم کی مانند پائے گا۔جب کسی عضو کو دکھ درد پہنچتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور تپ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔(بخاری:6011) سیدنا

ابوموسیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے ساتھ ایک عمارت کے حکم میں ہے کہ ایک دوسرے سے قوت پہنچتی ہے اور آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر کیا۔ (بخاری:2446)

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(104) ﴾

''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (104)

سوال1: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ﴾ ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو'' اس آیت کا مخاطب کون ہے؟

جواب: اس آیت میں امت مسلمہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

سوال2: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ﴾ ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو'' امت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ایک بہت بڑی ذمہ داری دی ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے۔ اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسی صراحت کر دی کہ امت مسلمہ کی دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود کی یہی بنیادی شرط ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:197/1) ﴿2﴾ یہاں امت سے مراد مجاہدین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے لوگ ہیں۔ (ایسر التفاسیر:195)

سوال3: امت مسلمہ کا مشن، فریضہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ امت مسلمہ کا فریضہ اقامت دین ہے۔ ﴿2﴾ ان کا مشن اس کرۂ ارض پر اسلامی نظام زندگی کا قیام ہے۔ ﴿3﴾ ان کا یہ ہدف ہے کہ حق کو باطل پر غالب کرنا ہے، معروف کو منکر پر غالب کرنا ہے۔ ﴿4﴾ امت مسلمہ کا نصب العین یہ ہے کہ خیر کو پھیلائیں اور شر کو روکیں۔

سوال4: ﴿ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾ ''جو نیکی کی طرف دعوت دیں'' دعوت الی الخیر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ الخیر سے مراد اسلام اور ہر وہ چیز ہے جو اسے دنیا اور آخرت میں نفع دے، ان میں ایمان اور عمل صالح شامل ہیں۔ ﴿2﴾ ابو جعفر الباقر نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے آیت پڑھی ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾ پھر فرمایا: خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کی اتباع ہے۔ (فتح القدیر:471/1) ﴿3﴾ ''خیر'' میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی اور اس کی ناراضی سے دور کرنے والی ہو۔ (تفسیر سعدی:404/1) ﴿4﴾ دعوت الی الخیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کی، اسلام کو قبول کرنے کی، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے طور

پر قبول کرنے کی، اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کی دعوت ہے۔

سوال5: ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں'' اس سے کیا طریقۂ کار سامنے آ رہا ہے؟

جواب: ''اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں'' اس میں مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو اس کی راہ کی طرف بلائے اور اس کے دین کی طرف راہ نمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ اس جماعت میں وہ علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کی دین کی طرف راہ نمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:404/1) اس سے دو حقائق سامنے آ رہے ہیں: ﴿1﴾ امت کے خاص لوگ: (i) امت کے اندر برائی برداشت نہ کریں۔ (ii) نیکی اور بھلائی کے لیے تڑپنے والے ہوں۔ (iii) ان کے اندر کا جذبۂ اصلاح انہیں غیر جانب دار نہ رہنے دے۔ (iv) وہ لازماً بھلائی کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں۔ ﴿2﴾ امت کے عوام الناس: (i) ان کے اندر بھی اطاعت کا جذبہ ہو۔ (ii) وہ خاص ذمہ داران کی اطاعت کریں۔ (iii) سمع وطاعت کی فضا قائم کریں۔

سوال6: امت مسلمہ کی کامیابی کے لیے ایک اسلامی جماعت کا قیام کس لیے ضروری ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جماعتی زندگی اسلامی نظام کی ضرورت ہے کیونکہ اسلام کا تصور زندگی، تصور کائنات، تصور اقدار، تصور اخلاق، تصور واقعات بالکل مختلف ہے اس لیے اسلام کو ایک جاہلی معاشرے سے جدا اپنا معاشرہ درکار ہے۔ ﴿2﴾ یہ جماعت وہ ماحول فراہم کرتی ہے جہاں اسلامی نظام حقیقت کے روپ میں سامنے آ سکتا ہے۔ ﴿3﴾ یہ جماعت بھلائی کا ماحول پیدا کر سکتی ہے۔ ﴿4﴾ اس جماعت کے تمام افراد ایک دوسرے کے معاون ہو سکتے ہیں۔ ﴿5﴾ اس جماعت میں شر کی نشو ونما کے راستے میں مشکلات اور رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ ﴿6﴾ اس ماحول میں بھلائی آسان اور برائی مشکل ہو جاتی ہے۔ ﴿7﴾ اس ماحول میں برائی کرنے والے کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ﴿8﴾ اس ماحول میں بھلائی کی جدوجہد نشو ونما پا سکتی ہے۔

سوال7: اسلامی جماعت کیسے قائم ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی جماعت دو اہم بنیادوں پر قائم ہوتی ہے: (i) اللہ تعالیٰ پر ایمان یعنی اس کی ذات کی پہچان اور اس کی نگرانی کا شعور یعنی تقویٰ۔ (ii) اخوت (محبت، تعاون، باہمی کفالت) یعنی افراد ایک دوسرے کے لیے ایثار کرنے والے اور ایک دوسرے سے سچی ہمدردی رکھنے والے ہوں۔ ﴿2﴾ اس جماعت کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہوں۔ ﴿3﴾ جماعت کے افراد محبت کے ساتھ قیادت کی پیروی کریں۔ ﴿4﴾ تفرقے سے بچا جائے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ نے فلاح، نجات اور کامیابی کے لئے کن کاموں کو ضروری قرار دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فلاح،نجات اور کامیابی کے لئے تین کاموں کوضروری قرار دیا ہے: ﴿1﴾ دعوت الی الخیر (خیر کی طرف دعوت دینا)۔ ﴿2﴾ امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا)۔ ﴿3﴾ نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)۔

سوال 9: ﴿وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں''المعروف وہ ہے جس کو شریعت نے معروف قرار دیا ہو۔اس کے نفع اور اس کی اصلاح کے لیے فرد اور جماعت دونوں کو حکم دیا ہے۔(ایسر التفاسیر:195)معروف میں وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ہر نبی نے اپنے دور میں جس کو رواج دینے کی کوشش کی۔ یہ نیکیاں اور بھلائیاں جانی پہچانی ہیں اس لئے معروف کہلاتی ہیں۔ ﴿2﴾ المنکر ،المعروف کی ضد ہے اور وہ ایسے امور ہیں جس کے ضرر اور فساد سے بچانے کے لیے شریعت نے فرد اور جماعت کو ان سے روکا ہو۔(ایسر التفاسیر:195)اسی طرح منکر میں تمام وہ برائیاں اور مفاسد داخل ہیں جن کو رسول کریم ﷺ کی طرف سے ناجائز قرار دینا معلوم و معروف ہے۔ ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے۔اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے یہ ضعیف ایمان ہے'ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔(صحیح مسلم) ﴿4﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔''(جامع ترمذی:2169) ﴿5﴾ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں گھس جانے والے (یعنی خلاف کرنے والے) کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جنہوں نے ایک کشتی کے سلسلے میں قرعہ ڈالا جس کے نتیجے میں بعض لوگوں کو کشتی کے اوپر والا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا۔پس جو لوگ نیچے والے تھے انھیں دریا سے پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے اوپر سے گزرنا پڑتا۔انہوں نے سوچا: کیوں نہ ہم اپنے ہی حصے میں ایک سوراخ کر لیں تاکہ اوپر والوں کو ہم کوئی تکلیف نہ دیں۔اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو من مانی کرنے دیں گے تو کشتی والے تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو یہ خود بھی بچیں گے اور ساری کشتی بھی بچ جائے گی۔''(صحیح بخاری: 2493)

سوال 10: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: انسان کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے اسی وجہ سے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر باقی رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔یہ دونوں کام مومنوں کی خاص صفات ہیں۔

سوال11: دنیا میں بھلائی کا دوردورہ کیسے ممکن ہے؟

جواب: دنیا میں بھلائی کا دور دورہ تب ممکن ہے جب:《1》بھلائی کی دعوت ہر وقت ہو اور ایک امت یہ دعوت دے۔《2》ایک ایسا اقتدار اعلیٰ ہو جو ''دعوت الی الخیر'' یعنی بھلائی کی دعوت کے نصب العین پر ہو اور ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا کام کرے۔《3》یہ اقتدار اعلیٰ ،مملکت یا سلطنت دو بنیادوں پر قائم ہوگی: (i) تقویٰ۔ (ii) اخوت۔《4》اس اقتدار اعلیٰ کا نصب العین انسانی زندگی میں اسلامی نظام کو قائم کرنا ہو تو دنیا میں بھلائی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔

سوال12: زمین پر اسلامی نظام زندگی کے معنی کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں؟

جواب:

اسلامی نظام زندگی کیا ہے؟	اسلامی نظام زندگی کیا نہیں ہے؟
(1) اقتدار اعلیٰ قائم کیا جائے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرے۔	**(1)** صرف وعظ کا سلسلہ اور تبلیغ و بیان کا سلسلہ جاری ہو اور باقاعدہ سسٹم کے لیے کوشش نہ کی جائے۔
(2) یہ اقتدار اعلیٰ انسانی زندگی میں معروف کو رائج کرے اور منکر کا خاتمہ کرے۔	**(2)** ہر فرد محض انفرادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا رہے۔
(3) یہ اقتدار اعلیٰ امت مسلمہ کو غیر مسلموں کی خواہشات اور دلچسپیوں سے بچا کر رکھے تاکہ وہ اس کے افراد کو اپنی ذاتی مصلحتوں کی خاطر استعمال نہ کر سکیں۔	**(3)** کسی کی خواہشات اور دلچسپیوں کے مقابلے میں امت کو بچانے کی محض خواہش رکھی جائے۔
(4) اسلامی نظام قائم ہو تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایسا شعبہ قائم کیا جائے گا جس میں افراد کل وقتی یہی فریضہ انجام دیں گے۔	**(4)** اسلامی حکومت کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کل وقتی بنیادوں پر کیا جائے۔ کل وقتی کام اگر مختلف افراد انجام دیتے رہیں اور یہ اسلامی حکومت کے تحت نہ ہو تو مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکے گا۔
(5) حکومتی ذمہ داری کے علاوہ افراد بھی اپنے طور پر امر بالمعروف و نہی المنکر کا کام جاری رکھیں۔	**(5)** اسلامی نظام زندگی قائم کیے بغیر محض انفرادی کوششیں ہوتی رہیں۔

سوال13: 《وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ》''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ جماعت جو نیکی کی طرف بلانے، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے کمر بستہ ہے، یہ خاص مومنین ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''یعنی کامیاب ہیں جنہیں مطلوب حاصل ہوگا اور خطرناک نتائج سے محفوظ رہیں گے۔(تفسیر سعدی:405/1)

سوال14: امت مسلمہ کیسے کامیاب ہوسکتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ امت میں خیر غالب ہو۔ ﴿2﴾ وہ معروف کو معروف سمجھے۔ ﴿3﴾ وہ منکر کو منکر سمجھے۔ ﴿4﴾ ایک ایسا اقتدار اعلیٰ ہو جس میں خیر غالب ہو اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے اور اپنے امر و نہی کو منوانے کی قوت رکھتا ہو۔ ﴿5﴾ ایک ایسی جماعت کو قائم کرے جس کے اندر اسلامی نظام زندہ ہو، جہاں بھلائی کا ماحول ہو، جہاں باہم تعاون ہو۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (105) ﴾

''اورتم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔''(105)

سوال1: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ﴾ ''اورتم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا''اس آیت میں واضح دلیلیں آ جانے کے بعد فرقوں میں تقسیم ہونے اور آپس میں اختلاف کرنے کی بات ہے،اس اختلاف کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اورتم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا''یہاں اختلاف سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے باہمی اختلافات ہیں جن کی وجہ لاعلمی نہ تھی بلکہ دنیاوی مفادات اور نفسانی اغراض تھیں۔اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو گروہوں میں تقسیم ہونے سے منع فرمایا ہے۔ان کے درمیان حسد، عداوت اور بغض وعناد پیدا ہو گیا تھا۔ ﴿2﴾ اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حق سے روگردانی کرکے خواہش نفس کی پیروی کی، دین میں بدعت کو راہ دی اور ایک دوسرے سے حسد کیا، یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی انہوں نے آپس میں بانٹ لیا۔اس طرح حق کے واضح دلائل آ جانے کے باوجود انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ ﴿3﴾ اس اختلاف کے بارے میں رب العزت نے وضاحت فرمائی ہے: ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ ﴾ لوگ ایک ہی امّت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔اور ان کے

ساتھ کتاب کوحق کے ساتھ نازل کیا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں انہوں نے اختلاف کیا اوراس میں اختلاف نہیں کیا مگران لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی،اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے،آپس میں ضد کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان لوگوں کو جوایمان لائے ،حق میں سے ہدایت دی،جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا،اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔(البقرہ:213) ﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہود71 فرقوں میں بٹ گئے ،عیسائی 72 فرقوں میں بٹ گئے اورمیری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی۔‘‘ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

سوال2: فرقوں میں تقسیم ہونے کی کیا بنیادیں ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ نسل بنیاد ہے۔﴿2﴾ خاندان بنیاد ہے۔﴿3﴾ مال بنیاد ہے۔

سوال3: انسان فرقوں میں کیسے تقسیم ہوجاتے ہیں؟

جواب: انسان فرقوں میں بٹ جاتے ہیں: ﴿1﴾ جب بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بجائے کوئی اور چیز بنیاد بنتی ہے۔﴿2﴾ جب بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی جگہ کوئی اورخوف لیتا ہے۔﴿3﴾ جب بھی آخرت کے مفاد پر کوئی اورمفاد حاوی آجاتا ہے۔

سوال4: کیا قرآن وحدیث کے فہم اوراس کی تشریح میں اختلاف فرقہ بندی کا سبب بنتا ہے؟

جواب: فرقہ بندی کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن وحدیث کے فہم ،اس کی تشریح وغیرہ میں اختلاف تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کے عہد میں بھی تھا۔یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں۔مسلمان قرآن وحدیث کی وجہ سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے کیونکہ اختلاف کے باوجود سب کے لئے اطاعت اورعقیدت کا محور ومرکز قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ تھے۔

سوال5: فرقہ بندی کیسے ہوتی ہے؟

جواب: تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ جمیعا (سب کا اللہ تعالیٰ کی رسی کومل کر مضبوطی سے پکڑ لینا) ان دواصولوں سے ہٹتے ہی پھوٹ پڑ جاتی ہے اورلوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔

سوال6: اختلاف کس وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: یہ افتراق دنیاوی اغراض اورنفسانی خواہشات کے پیچھے پڑنے اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ موڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔(انوارالبیان:534/1)

سوال7: کیا نبی ﷺ کی حدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اختلاف رحمت کا باعث ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نبی ﷺ کی جو روایت فرقہ بندی کے حق میں پیش کی جاتی ہے: ’’میری امت کا اختلاف رحمت ہے‘‘، یہ موضوع روایت

ہے۔ ﴿2﴾ اگر امت کا اختلاف رحمت کا باعث ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب جہنم میں۔ ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ نے جنت میں جانے والے فرقے کی پہچان یہ بتائی ہے کہ جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

سوال 8: فرقہ بندی کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ فرقہ بندی کا آغاز اطاعت اور عقیدت کے محور و مرکز کے بدلنے سے ہوتا ہے۔ جب شخصیات کے اقوال کو پہلا درجہ دیا جاتا ہے تو قرآن و حدیث کے احکامات خود بخود دوسرے درجے کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہیں سے اس امت کے اندر فرقہ بندی کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا چلا گیا اور اتنا مضبوط ہو گیا کہ اب جو کسی خاص شخصیت کے اقوال و افکار کے ساتھ خود کو نتھی نہیں کرتا اس کا اسلام مشکوک قرار دیا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ امت میں اختلاف کو راہ دینے والے بعض کج فہم لوگوں نے (اختلاف امتی رحمۃ جیسی) ضعیف اور کمزور حدیث کا سہارا لے کر امت میں اختلاف پیدا کرنا چاہا ہے جب کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے۔ اسے طبرانی اور بیہقی نے (المدخل) میں ابن عباس سے سند ضعیف کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند تو کمزور ہے ہی اس کے علاوہ بہت سی قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے مخالف ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝۱۱۸ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۱۹﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو یقیناً ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔ مگر جن پر آپ کا رب رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہو گئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب ہی سے ضرور بھر دوں گا۔ (ہود:118،119) اس آیت میں اختلاف اور رحمت میں دوری کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ ﴿4﴾ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔ (سنن ابوداود:664) ﴿5﴾ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا امیر ایسا شخص بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ لے کر آگے چلتا ہو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (مسلم:120/2) ﴿6﴾ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایسے شخص کو عامل بنا دیا جائے جو حبشی غلام ہو گویا کہ اس کا سر کشمش (کی طرح چھوٹا) سا ہو۔ (بخاری:105/2) ﴿7﴾ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور اس بات پر بھی کہ اگر ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تب بھی فرماں برداری کریں گے اور اس بات پر بھی کہ صاحب اقتدار سے جھگڑا نہ کریں گے۔ ہاں اگر بالکل ظاہر باہر کفر نظر آئے جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل ہو تو اس وقت ہم اس سے جھگڑا کریں گے۔ (مسلم:125/2)

سوال9: ﴿ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا'' انہوں نے واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا حالانکہ ان کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اختلاف نہ ہو۔ انہیں دین پر دوسروں سے زیادہ پابندی اختیار کرنا چاہئے تھی۔ لیکن انہوں نے بالکل الٹ کام کیا حالانہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ سخت عذاب کے مستحق ہوگئے۔ اس عذاب کی وعید سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نظام اطاعت پر راضی کیا ہے۔ اس پر ایمان کی وجہ سے مومن ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنے کی وجہ سے سب ایک ہوجاتے ہیں اور اتحاد مومنوں کی عام صفت بن جاتی ہے، جو بڑی قوت ہے۔

﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (106) ﴾

''جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔'' (106)

سوال1: ﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ ''جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے'' گزشتہ آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف کرنے والوں کو عذاب الیم سے ڈرایا تو یہاں یہ بتایا کہ یہ عذاب انہیں اس دن ملے گا جب مومنوں کے چہرے ایمان کے نور سے چمک رہے ہوں گے اور کافروں اور دین میں اختلاف پیدا کرنے والوں کے چہرے ایمان کے نور سے محروم ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوں گے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ روشن چہرے والوں سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں اور سیاہ چہرے والوں سے مراد اہل بدعت اور امت میں افتراق پیدا کرنے والے ہیں۔ (فتح القدیر:467/1)

سوال2: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ ''تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے'' سیاہ چہرے والے لوگ کون ہوں گے؟

جواب: ''تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے'' ﴿1﴾ سیاہ چہرے والے وہ لوگ ہوں گے جو نعمت ایمان پانے کے بعد بھی کافرانہ روش جاری رکھتے ہیں۔

﴿2﴾ حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے کلمہ ایمان ادا کیا لیکن اپنے دلوں اور اعمال سے اس کا انکار کیا۔(الدرالمنثور:112/2) ﴿3﴾ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:﴿ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ﴾ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اس جیسا ہی ہوگا اور ان کو رسوائی ڈھانپے ہوگی، کوئی انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔(یونس:27) ﴿4﴾ ﴿ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴾ اور اس دن کچھ چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی۔ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں۔(عبس:40.42) ﴿5﴾ ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ ''تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے'' اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے جو تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کا کفر کیا کرتے تھے۔ (ایسرالتفاسیر:196)

﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (107) ﴾

''اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(107)

سوال1: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے'' کن لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے'' ابی بن کعب کا قول ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے عہد کو وفا کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔(ابن ابی حاتم:730/3) ﴿2﴾ نیک لوگوں کو نعمتیں اور خوشیاں نصیب ہوں گی، ان کے اثرات ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گے اور ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴾ اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔(الدھر:11) تروتازہ ہونے کا تعلق چہروں سے ہے اور خوشی دلوں میں ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:406/1) ﴿3﴾ ﴿ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ ''سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ کر اس کی پناہ میں آنا ہے۔

سوال2: ﴿ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' ﴿1﴾ جنت کو رحمت سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو وہ جنت میں محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جائے گا، کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا کوئی ذاتی

کمال نہیں ہے۔(معارف القرآن:148/2:2)﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ خیر کا ثواب اور شر پر عذاب دائمی ہوگا، کبھی منقطع نہیں ہوگا۔(ابن ابی حاتم:731/3:3)

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (108) ﴾

''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔''(108)

سوال1:﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ﴾''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں'' یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو رہی ہیں جو ذات برحق ہے۔زجاج نے کہا:﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں۔(قرطبی:131/2:2)﴿2﴾ یہ آیات جو اعمال کے نتائج اور جزا و سزا طے کر رہی ہیں بالکل حق ہیں۔﴿3﴾ یہ آیات جس انجام کی اطلاع دے رہی ہیں وہ پوری سچائی کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔﴿4﴾ یہ آیات جو ہدایت اور خیر پر مشتمل ہیں ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں جس نے ان کو قبول کیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اعرض کیا وہ ہلاک ہو گیا۔(ایسر التفاسیر:196)﴿5﴾''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں'' وہ حکمت و رحمت اور دلیل پر مشتمل ہیں جن میں ظلم کا کوئی شائبہ نہیں۔(تفسیر سعدی:406/1:1)

سوال2:﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾''اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا'' اللہ تعالیٰ عدل کرنے والا حاکم ہے اس لیے وہ ظلم نہیں کر سکتا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ مالک ارض و سماوات ہے۔اس نے کائنات میں عدل کو جاری رکھنا ہے اس لیے وہ ظلم نہیں کر سکتا۔﴿3﴾ ظلم کرنا تو بہت دور کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ بھی نہیں فرماتا۔لہٰذا کسی کی نیکیوں میں کمی نہیں فرماتا اور ظالموں کے ظلم میں اضافہ نہیں فرماتا، بلکہ صرف ان کے کیے ہوئے اعمال کی سزا دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:406/1:1)

سوال3: اللہ تعالیٰ کا انصاف جو آخرت کے دن ہوگا، اس کے نتیجے میں کچھ لوگ جہنم میں اور کچھ جنت میں چلے جائیں گے، ہمیشہ کے لئے کسی کو آگ میں ڈال دینا ظلم نہیں ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا انصاف بے لاگ ہے۔جو کچھ انسان دنیا میں کرتے ہیں اس کا بدلہ وہ آخرت میں پائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو سمجھانے کے لئے رسول بھیجے، کتابیں عطا کیں تاکہ انسان برے انجام سے بچ سکے۔اس کے باوجود جو لوگ دنیا کی زندگی میں سرکشی پر

اڑے رہتے ہیں اورزمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ان کے لئے پہلے سے طے شدہ عین انصاف کے مطابق ہمیشہ کی آگ ہے لہذا کسی کو ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈال دینا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (109) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''(109)

سوال1: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے'' ﴿1﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سارے آسمان بنائے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور ساری زمینوں کو بنایا اور جو کچھ ان میں ہے۔ ﴿2﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، مالک ہی فیصلہ کرسکتا ہے۔ (ابن ابی حاتم:731/3)

سوال2: ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ ''اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں'' ﴿1﴾ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اس لیے کہ آخری فیصلہ اسی کا ہوگا۔ ﴿2﴾ دنیا میں انسان اگر مرضی سے فیصلے کرتا ہے تو اسے دیکھ لینا چاہیے کہ اس کی مرضی کے ناحق استعمال کی وجہ سے فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے یا اس کے خلاف ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ اس آیت کے توسط سے انسان کے شعور کو بے دار کیا گیا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اسی کے لیے خالص کردے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے شعور کو بے دار کرنے کے لئے اپنی ذات کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنی ذات کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ سارے معاملات کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر12

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (110) ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے

ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔'' (110)

سوال1: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ '' تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے '' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے '' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی فضیلت بیان کی ہے کہ وہ بہترین امت ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ اور **اعتصام بحبل اللّٰہ** اور جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا تو اب کام بتایا ہے کہ وہ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:197) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتادیا ہے کہ اس امت نے وہ کام انجام دیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اسی بناء پر یہ افضل قرار پائی۔ ﴿4﴾ مسلمان امت کو اللہ تعالیٰ باہر نکال رہے ہیں۔ ﴿5﴾ اس امت کو آہستہ آہستہ متحرک کیا جارہا ہے۔ ﴿6﴾ اس امت کو تمام انسانوں کی اصلاح کے لیے نکالا گیا۔ ﴿7﴾ اس امت کو اس کائنات میں خیر کی قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ﴿8﴾ اس امت نے کسی اور امت سے ہدایت نہیں لینی بلکہ اب ساری انسانیت اس امت سے راہنمائی حاصل کرے گی۔

سوال2: مسلمانوں کے ﴿ خَيْرَ أُمَّةٍ ﴾ یعنی بہترین امت ہونے کا سبب کیا قرار دیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان باللہ۔ ﴿2﴾ امر بالمعروف۔ (نیکی کا حکم دینا) ﴿3﴾ نہی عن المنکر۔ (برائی سے روکنا) امت اگر ان خصوصیات کی حامل ہوگی تو بہترین امت ہوگی اور جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرے گا وہ بھی اہل کتاب کی طرح ہوگا جیسے سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ﴾ وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے منع نہیں تھے جس کو وہ کر لیتے تھے۔ (المائدہ:79)

سوال3: مسلمانوں کو خیر امت قرار دیا گیا، اس فضیلت میں کون سے دور کے لوگ شامل ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ امت مسلمہ کی یہ فضیلت دوسری تمام امتوں پر علی الاطلاق ہے اور اس فضیلت میں امت مسلمہ کے ہر دور کے لوگ شریک ہیں۔ خود امت مسلمہ کے درمیان درجات میں تفاوت تو موجود ہے، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے، لیکن مسلمان چاہے جس دور کے ہوں، انہیں غیر مسلموں پر فضیلت حاصل ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:199/1) ﴿2﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ '' امت مسلمہ کو یہ مقام ان کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ملا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق میں سب سے اشرف اور رسولوں میں سب سے اعلیٰ بنایا تھا، اور انہیں ایک ایسا عظیم اور کامل دین دے کر بھیجا تھا جو ان سے پہلے کسی نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ ان کے اس دین کا پابند رہ کر تھوڑا عمل بھی دوسرے مذاہب والوں کے عمل کثیر سے زیادہ افضل ہے۔'' (تیسیر الرحمٰن:199/1) ﴿3﴾ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو '' بہترین امت '' ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ (دعوۃ القرآن)

سوال4: انسانی معاشرے میں امت مسلمہ کی پہچان کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾نیکی کا کام کرنااور برائی سے روکنے کے لیے اپنافرض ادا کرنا۔﴿2﴾اگر یہ خصوصیت ختم ہوگئی تو گویا امت کا کوئی حقیقی وجود ہی نہیں۔

سوال5:امت کے منصب کا پہلا تقاضا کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾زمین کوشراورفساد سے پاک کرے۔﴿2﴾اس کے پاس اتنی قوت ہوکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کافریضہ انجام دے سکے۔

سوال6:اس امت کوکس مقصد کے لیے اٹھایا گیا ہے؟

جواب:﴿1﴾پوری انسانیت کی قیادت کے لیے۔﴿2﴾جاہلیت کومٹانے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے۔﴿3﴾انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کے لیے۔﴿4﴾اسلامی نظام زندگی کے مطابق انسانوں کی راہ نمائی کے لیے۔﴿5﴾تسخیر کائنات کے ذریعے اپنے ایمان باللہ کومضبوط کرنے کے لیے۔

سوال7:امت مسلمہ کا وجود کب بے مقصد ہوجاتا ہے؟

جواب:جب امت مسلمہ انسانیت کی راہ نمائی کے مقام سے گرجائے تو اس کا وجود بے مقصد ہوجاتا ہے۔

سوال8:امت مسلمہ اپنا صحیح کردار کب ادا کرسکتی ہے؟

جواب:﴿1﴾جب اس کا عقیدہ بالکل درست ہو۔﴿2﴾جب اس کا شعور بیدار ہو۔﴿3﴾جب اس کے اخلاق معیاری ہوں۔﴿4﴾جب اس کی تنظیم مضبوط ہو۔

سوال9:﴿**تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**﴾''تم بھلائی کا حکم دیتے ہواور برائی سے روکتے ہواور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو''امت مسلمہ کا یہ فریضہ کیسے ادا ہوگا؟

جواب:﴿1﴾ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:﴿**تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ**﴾تم لوگوں کوحکم دیتے ہوکہ وہ گواہی دیں لا الہ الا اللہ اور اس چیز کا اقرار کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی اور اس پر جنگ کریں اور لا الہ الا اللہ معرفت میں سب سے عظیم ہے۔(القرآن العظیم ابن ابی حاتم:733/3)﴿2﴾ابو العالیہ نے کہا:معروف توحید ہے۔﴿3﴾تم لوگوں کے لیے معروف یعنی اسلام اور ہدایت،نئی شریعت جو نبی ﷺ لے کر آئے اس کا حکم دیتے ہو۔(ایسر التفاسیر:197)﴿4﴾﴿**وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ**﴾ابن عباس نے کہا:منکر تکذیب ہے اور وہ سب منکروں سے بڑا منکر ہے۔(ابن ابی حاتم:734/3)﴿5﴾منکر سے مراد کفر،شرک،کبیرہ گناہ اور فواحش ہیں۔(ایسر التفاسیر:197)﴿6﴾﴿**وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**﴾جس ایمان کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس میں اللہ تعالیٰ،رسولوں،فرشتوں،کتابوں،آخرت میں اٹھائے جانے اور تقدیر پر ایمان شامل ہے۔(ایسر التفاسیر:

197)《7》یہ تمام امتوں سے بہتر اور افضل امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامل کرتے ہیں یعنی ایسا ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرنے کو مستلزم ہے اور دوسروں کو بھی کامل بناتے ہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتے ہیں جس میں مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا، اس مقصد کے لیے ان سے جہاد کرنا، ان کو گمراہی اور نافرمانی سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا شامل ہے۔(تفسیر سعدی:407/1)

سوال10: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ ﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو''کی شرط عائد کی گئی ہے، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:《1》ایمان کی وجہ سے ہی خیر اور شر میں فرق واضح ہوتا ہے۔《2》ایمان ہی کی وجہ سے معروف اور منکر کی پہچان ہوتی ہے۔《3》صرف ایک صالح گروہ کا ہونا کافی نہیں۔جب شر پھیل جائے تو معاشرے کے اندر اچھائی برائی کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ایسے میں خیر و شر کے مضبوط تصور کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تصور ایمان سے جڑا ہوا ہے۔《4》قوت ایمانی کی وجہ سے اس راہ کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہا جا سکتا ہے۔《5》ایمان اس لیے بھی ضروری ہے کہ خواہشات نفس میں شدت ہوتی ہے اور ان کا مقابلہ ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔《6》ایمان کے ساتھ خواہش پرستی کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوریوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔《7》جب ساری امیدیں ختم ہو جائیں تو مومن کا زادراہ ایمان ہوتا ہے۔《8》جب سارے سہارے ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ کا سہارا انسان کو قوت دیتا ہے۔

سوال11: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں احادیث لکھیں؟

جواب:《1》سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: جو شخص تم میں سے کسی برائی کو (ہوتے) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل (روک) دے۔اگر (ہاتھ سے روکنے کی) طاقت نہیں ہے تو زبان سے (اس کی برائی کو واضح کرے) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔(مسلم:177)《2》سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔(ترمذی:2169)《3》ابولہب کی بیٹی سیدہ درہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ اس وقت منبر پر تھے کہ یارسول اللہ ﷺ کون سا شخص بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو، سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا، سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا، سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔(مسند احمد)《4》سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''(دین میں) سب سے پہلی کوتاہی

جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ آدمی دوسرے آدمی سے ملتا اور اس سے کہتا: اے شخص! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور جو کام تو کرتا ہے اسے چھوڑ دے اس لیے کہ وہ تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ پھر جب کل کو (دوبارہ) اس سے ملتا جب کہ وہ اسی حال پر ہوتا تو اس کا یہ (گناہ پر اصرار) اسے اس کا ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہم مجلس بننے سے نہ روکتا (جب کہ گناہ پر اصرار کا تقاضا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور ہم نشینی سے گریز کرتا) پس جب انہوں نے ایسا کیا (یعنی یہ کوتاہی عام ہوگئی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: بنی اسرائیل کے کافروں پر سیدنا داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔ یہ اس سبب سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جس کا ارتکاب وہ کرتے، یقیناً برا ہے جو وہ کرتے تھے۔ تو ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھے گا کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں البتہ برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجا۔'' فاسقون تک۔ (المائدہ:79) پھر فرمایا: ''ہرگز نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو اور ضرور ظالم کے ہاتھ کو پکڑو اور ان کو زبردستی (خوب کوشش کر کے) حق کی طرف موڑو اور ان کو حق پر مجبور کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا۔ پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر لعنت کی۔'' (سنن ابی داؤد:4336) ﴿5﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس کے اس کی امت میں سے حواری اور (مخلص) ساتھی ہوتے جو اس کی سنت پر عمل اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جو وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ پس جو شخص ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو شخص ان سے دل سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا (درجہ) نہیں۔'' (صحیح مسلم: 179) ﴿6﴾ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو!'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لیے ان مجلسوں کے بغیر چارہ نہیں۔ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے وہاں ضرور بیٹھنا ہی ہے تو تم راستے کو اس کا حق دو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نگاہوں کو پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹانا (یا خود تکلیف پہنچانے سے باز رہنا) سلام کا جواب دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔'' (صحیح بخاری:2465)

سوال 12: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

جواب: ﴿1﴾ اکثر علماء کے نزدیک یہ علماء کی ذمہ داری ہے کیونکہ وہ معروف و منکر کا شرعی علم رکھتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس کی ذمہ داری سے کوئی شخص عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے اپنے دائرے میں وہ نیکی کو رواج دینے اور برائی کے خاتمے کے لئے کوشش نہ کرے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور مومن مرد اور مومن

عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔(التوبہ:71) ﴿4﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةٌ (بخاری:3461)''مجھ سے پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''اس لحاظ سے ہر شخص بھی ذمہ دار ہے اگرچہ علماء کا فریضہ بڑا ہے۔

سوال13: ﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا''یعنی: ﴿1﴾ انہیں دنیا میں تفرقے بازی سے نجات مل جاتی۔ ﴿2﴾ ان کا عقیدہ درست ہوجاتا۔ ﴿3﴾ ان کا اجتماعی نظام درست ہوجاتا۔ ﴿4﴾ آخرت میں بھی یہ ایمان ان کے حق میں مفید ثابت ہوتا اور وہ برے انجام سے بچ جاتے۔

سوال14: ﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾''ان میں سے کچھ مومن ہیں'' اہل کتاب کے ایمان والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: اس سے مراد مومن ہیں جو اپنے عقائد اور اعمال میں مخلص ہیں جیسے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یہودیوں میں سے، نجاشی اور اس کے قبیلے کے لوگ عیسائیوں میں سے ہیں۔(تفسیر مراغی:26/2:2)

سوال15: ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾''اور ان کے اکثر نافرمان ہیں''اس آیت میں اہل کتاب کو فاسق کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب:''اور ان کے اکثر نافرمان ہیں'' ﴿1﴾ سعید بن جبیر نے کہا: فاسقون سے مراد کافر، عاصی ہیں۔(ابن ابی حاتم:734/3) ﴿2﴾ اہل کتاب کو فاسق قرار دینے کا سبب نیکی کا حکم دینے سے رکنا اور برائی سے روکنے سے بچنا ہے۔ یہ دو کام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے باہر لے جاتے ہیں اس لئے اہل کتاب کو فاسق قرار دیا گیا ہے۔

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ(111)﴾

''وہ تمہیں معمولی تکلیف کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جائیں گے، پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے۔''(111)

سوال1: ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى﴾''وہ تمہیں معمولی تکلیف کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ﴾''وہ تمہیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے''اس سے مراد شکست ہے کہ میدان جنگ میں یہودی اور عیسائی تمہیں شکست نہیں دے سکیں گے اور تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا۔ ﴿1﴾ مدینہ سے یہودیوں کو نکلنا پڑا۔ ﴿2﴾ خیبر فتح ہوگیا۔ ﴿3﴾ شام کے علاقوں میں عیسائیوں نے شکست کھائی۔ ﴿4﴾ صلیبی جنگوں میں اگرچہ عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا مگر 90 سال کے بعد صلاح الدین

ایوبی نے یہ علاقہ فتح کرلیا۔﴿5﴾مسلمان اب انتہائی ذلت اور مغلوبیت کے دور سے گزر رہے ہیں لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عیسائیت کا خاتمہ یقینی ہے اور اسلام ضرور غالب آئے گا۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔(ابن کثیر)﴿6﴾﴿اِلَّآ اَذًى﴾ ''معمولی تکلیف کے سوا'' یہاں اَذًی سے مراد زبانی بہتان تراشی ہے جس سے دل کو تکلیف پہنچتی ہے مگر یہ تکلیف وقتی ہوتی ہے۔﴿7﴾قتادہ نے کہا کہ تم ان سے اذیت والی باتیں سنو گے۔(جامع البیان:50/4)﴿8﴾امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے حفاظتی نظام کو activate کیا ہے۔ جو لوگ بھی اس کام کے لیے اٹھیں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ ان کے مخالف معمولی تکلیفوں کے سوا انہیں کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔﴿9﴾یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت کی تشکیل پر اثر انداز نہیں ہوسکتے اس دعوت کو زمین سے ختم نہیں کرسکتے۔﴿10﴾عارضی دکھ اور اذیتیں دے سکتے ہیں جن کے اثرات وقت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال2: ﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ ''اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جائیں گے پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ ''اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جائیں گے'' پشت پھیر کر بھاگنے سے مراد شکست کھانا ہے۔﴿2﴾''پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے'' ان کی قسمت میں مسلمانوں کے خلاف کوئی مدد نہیں ہے کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت کی مار پڑی ہے اور ان کا برا انجام لکھ دیا گیا ہے۔﴿3﴾قرآن حکیم علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ کفر ہمیشہ مغلوب رہے گا اور ایمان کی ہمیشہ فتح ہوگی۔ اس لئے حق و باطل کی آمیزش میں حق کا پلہ قطعی بھاری رہتا ہے اور باطل کے پاؤں نہیں ہوتے مگر یہ اس وقت ہے جب مقابلہ صحیح مومن اور کافر کے درمیان ہو۔(سراج البیان:151/1)

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ(112)﴾

''یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ذلت ان پر مسلط کر دی گئی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے۔''(112)

سوال1: ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ ''یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ذلت ان پر مسلط کر دی گئی'' یہودیوں پر ذلت اور مسکنت کیوں مسلط کی گئی؟

جواب: ''یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ذلت ان پرمسلط کردی گئی''﴿1﴾ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ذلّت اور مسکنت مسلّط کی گئی۔ اس کے چار اسباب قرآن حکیم میں بتائے گئے ہیں: [i] اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر۔ [ii] انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل۔ [iii] اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ [iv] زیادتی۔ ﴿2﴾ ان پر ذلت اور رسوائی لازم کردی گئی ہے ہر دور میں، ہر مقام پر جہاں کہیں وہ پائیں جائیں گے۔ ﴿3﴾ یہودیوں پر ایسی ذلت ڈال دی گئی ہے جو ان کے گلے کا طوق بن گئی ہے، اب یہ ان سے چمٹی رہے گی۔ یہ ایمان والے نہیں۔

سوال2: ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ ''سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں''﴿1﴾ قتادہ نے کہا: سوائے اللہ تعالیٰ کے عہد کے یا لوگوں کے معاہدوں کے۔ ﴿2﴾ مسلمان انہیں امن دے دیں یا صلح کا معاہدہ ہو جائے یا پناہ دے دی جائے۔ ﴿3﴾ حبل سے مراد عہد اور ذمہ ہے۔

سوال3: لوگوں کی پناہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ لوگوں کی پناہ سے مراد ہے کہ یہ اسلامی حکومت کی بجائے عام مسلمانوں کی پناہ لے لیں۔ وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں ہیں: (i) اسلامی حکومت میں ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کرلیں۔ (ii) لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے۔ ﴿2﴾ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پناہ لے لیں جیسا کہ اسرائیل بڑی طاقتوں، امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کی وجہ سے قائم ہے۔

سوال4: آج شکست اور ذلت وخواری مسلمانوں کا مقدر کیوں بن چکی ہے؟

جواب: آج مسلمانوں میں ایسے اسباب پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ذلت وخواری مقدر ہو جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حدود سے نکل جانا مسلمانوں کی بگڑی ہوئی نسل میں پایا جاتا ہے: ﴿1﴾ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے۔ ﴿2﴾ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانیاں کی ہیں۔ ﴿3﴾ مسلمانوں نے صراط مستقیم چھوڑ کر ظلم کا راستہ اپنایا ہے۔

سوال5: کسی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلبے کی ضمانت کیا ہے؟

جواب: کسی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلبے کی ضمانت دین کی سچی نمائندگی ہے۔

سوال6: دنیا میں کسی قوم کے مغلوب ہو جانے کا سبب کیا ہوتا ہے؟

جواب: دنیا میں کسی قوم کے مغلوب ہو جانے کا سبب دین کی سچی نمائندگی سے ہٹ جانا ہے۔

سوال7: کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے دین کی نمائندگی سے ہٹ کر اگر کوئی اختیار پالیتی ہے یا اسے اقتدار مل جاتا ہے تو یہ کس اصول الٰہی کے مطابق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایسی قوم کبھی ذاتی غلبہ حاصل نہیں کرسکتی۔ ﴿2﴾ ایسی قوم کو جو اختیار ملے گا وہ کسی اور کے بل بوتے پر ہوگا۔ ﴿3﴾ یا تو کسی

خدائی حکومت کی طرف سے امان ملے گی۔﴿4﴾یا کوئی غیر حکومت انہیں اپنی حمایت اور سرپرستی میں لے لے گی۔

سوال8:﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے''﴿1﴾وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوگئے اس کی ناراضگی ان پر واجب ہوگئی۔ (تفسیر مراغی:27/2)﴿2﴾انہوں نے اپنے برے کرتوتوں سے اپنے اوپر ذلت وخواری اور اللہ تعالیٰ کا قہر واجب کرلیا اور اس کا سبب ان کا تکبر اور حسد ہے۔﴿3﴾اور یہ سب سے بڑی سزا ہے۔(تفسیر سعدی:408/1)

سوال9:﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں؟

جواب:ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی صورت تو یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں یعنی اسلام قبول کرلیں۔

سوال10:﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾''اور ان پر محتاجی مسلط کردی گئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور ان پر محتاجی مسلط کردی گئی''﴿1﴾محتاجی نے انہیں گھیرلیا ہے۔وہ غیروں کے تابع رہتے ہیں وہ مال میں سے جو کچھ ان پر عائد کردیں یہ ادا کرتے رہے ہیں۔(تفسیر مراغی:27/2)﴿2﴾ابوالعالیہ کا قول ہے کہ مسکنت فاقہ ہے۔﴿3﴾ضحاک نے کہا: مسکنت جزیہ ہے۔(ابن ابی حاتم:736/3)

سوال11:﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾''اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے'' یہ لوگ ان آیتوں کا انکار کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے، جن سے ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے لیکن انہوں نے سرکشی اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔(تفسیر سعدی:408/1)

سوال12:اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اپنی زندگیوں میں انہیں نافذ نہ کرنا۔﴿2﴾ان کے مطابق اپنی عدالتوں میں فیصلے نہ کرنا۔

سوال13:﴿وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾''اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے''﴿1﴾ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کرڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر:455/1)﴿2﴾وہ

انبیاء جوان پر سب سے عظیم احسان کرتے تھے وہ اس عظیم احسان کے بدلے میں بدترین سلوک کرتے تھے یعنی انہیں شہید کردیتے تھے۔کیا اس جسارت اور ظلم سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہوسکتا ہے؟(تفسیر سعدی:408/1)

سوال14: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾''یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے''﴿1﴾ان سب بداعمالیوں کی وجہ ان کی نافرمانی اور ظلم تھا،جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور انبیائے کرام کو شہید کرنے کی جسارت کی۔(تفسیر سعدی:408/1)﴿2﴾ امام رازی نے لکھا ہے:جو شخص ترک آداب کرے گا اس سے ترک سنن کا ارتکاب ہوگا اور ترک سنن کا نتیجہ ترک فرائض کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ترک فرائض سے شریعت کی اہانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اہانت شریعت سے انسان کفر کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔(کبیر)(تفسیر اشرف الحواشی:78/1)

﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ(113) ﴾

''وہ سب برابر نہیں ہیں،اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے،جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔''(113)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس وقت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ،ثعلبہ بن سعید رضی اللہ عنہ،اسید بن عبد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ یہودیوں میں سے اور حضرات مشرف بااسلام ہوگئے اور انہوں نے سچائی کے ساتھ ایمان قبول کیا اور اسلام میں جوش اور رغبت پیدا کی تو یہود کے علماء اور کافر بولے کہ ہم میں جو برے ہیں وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے ہیں اور جو ہم میں پسندیدہ ہیں انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا اور نہ دوسرے دین کو اختیار کیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اہل کتاب میں سے یہ سب برابر نہیں۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)(تفسیر ابن عباس:210/1)

سوال2: ﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ﴾''وہ سب برابر نہیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''وہ سب برابر نہیں ہیں'' سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:اہل کتاب اور امت محمد یہ برابر نہیں ہوسکتے۔(مسند احمد۔تفسیر ابن کثیر)

سوال3: ﴿ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ ﴾''اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے''﴿1﴾﴿ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ ﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب

پر اور اس کے فرائض اور اس کی حدود پر قائم ہیں۔(جامع البیان:56/4)《2》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں۔ وہ اس کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے اور نہ اسے چھوڑتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے ضائع کر دیا۔(ابن ابی حاتم:738/3)《3》اس سے مراد ایسا گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور نبی ﷺ کی پیروی پر قائم رہنے والا ہے۔

سوال4:《يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ》''جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں'' وہ رات کی گھڑیوں میں عشاء اور قیام الیل میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:198)

سوال5:《يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ》''جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں'' رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے کے مومن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:''جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں'' رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے سے《1》مومن کا دل پگھلتا ہے۔《2》مومن رب کے قریب ہوتا ہے۔《3》مومن رب کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

سوال6:《وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ》''اور وہ سجدے کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ سجدے کرتے ہیں''《1》سجدہ ارکان صلوٰۃ میں سے خشوع وخضوع کے کمال کے لیے خاص ہے۔(تفسیر مراغی:30/2)《2》سجدے انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اس کے مزاج میں تواضع پیدا کرتے ہیں۔《3》یہ سجدہ کرنے پر ان کی تعریف ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع کا عظیم مظہر ہیں۔(ایسر التفاسیر:198)

《يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ(114)》

''وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔''(114)

سوال1:《يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ》''وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں'' سعید بن جبیر کا قول ہے:《يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ》سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق ہے۔《2》《وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ》وہ غیب کی تصدیق کرتے ہیں جس میں اعمال کی جزا ہے۔(القرآن العظیم ابن ابی حاتم:739/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کی وجہ سے انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ساری ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ ﴿3﴾ انسان بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

سوال3: ﴿ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں'' وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں اور محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں اور جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا ہے۔(جامع البیان:4/59)

سوال4: ﴿ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ﴾ ''اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں'' بھلائیوں یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں دوڑ دوڑ کر کون حصہ لیتا ہے؟

جواب: ''اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں'' ﴿1﴾ بھلائیوں میں دوڑ دوڑ کر حصہ وہ لیتا ہے جس کے لیے زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو جائے۔ ﴿2﴾ یہ ان کی عالی ہمتی ہے کہ نیکی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب بھی ہو سکے فوراً نیکی کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکی کی شدید رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور اس کے فوائد وثمرات سے خوب واقف ہیں۔(تفسیر سعدی:1/409) ﴿3﴾ نیک کاموں میں اڑ کر وہ پہنچتے ہیں جو اپنی زندگی، صحت، مال، فرصت اور جوانی کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں۔

سوال5: ﴿ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ''اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں'' صالحین میں کون لوگ شامل ہیں؟

جواب: ''اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں'' صالحین میں وہ لوگ شامل ہیں جن میں ایمان اور تقویٰ والی خوبیاں موجود ہیں۔

سوال6: ایمان اور تقویٰ والی خوبیاں کون سی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ راتوں کی گھڑیوں میں کلام اللہ کی تلاوت کرنا۔ ﴿2﴾ راتوں کو سجدے کرنا۔ ﴿3﴾ نیکی کا حکم دینا۔ ﴿4﴾ برائی سے روکنا۔ ﴿5﴾ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا۔

سوال7: یہودیوں میں اچھے لوگ کون تھے؟

جواب: عبداللہ بن سلام، اسد بن عبید، ثعلبہ بن سعیۃ اور اسید بن سعیۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

﴿ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (115) ﴾

''اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے۔''(115)

سوال1: ﴿ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ﴾ ''اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی'' ﴿1﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم سے ہرگز گم نہیں ہوں گے۔ (جامع البیان:60/4) ﴿2﴾ بھلائی کے کام کرتے ہوئے شیطان انسان کے ذہن میں وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ کام قبول نہیں ہوگا۔ جب انسان یہ تسلیم کر لیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ایسے بے مقصد کرنے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہن سازی کی ہے کہ وہ قدر دان ہے، بھلائیوں کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال2: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے'' سے کس طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون اس کے تقویٰ کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ان پر ثبات اختیار کرتا ہے۔ (جامع البیان:60/4) ﴿2﴾ نیک کاموں کی بنیاد تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف پر ہے۔ آپ اگر بھلائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ دل کے خوف کو جانتا ہے یعنی کس نے کس نیت سے کام کیا اس سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بشارت ہے کیونکہ تقویٰ، خیر اور حسن عمل کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہی کامیاب ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ (تفسیر بیضاوی:81/2) ﴿4﴾ اعمال کے ثواب کا دارومدار عمل کرنے والے کے دل میں موجود ایمان اور تقویٰ پر ہوتا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ (المائدہ:27) (تفسیر سعدی:410/1)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (116) ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (116)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور دیگر کئی محدثین نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید، اسد بن عبید اور کچھ دوسرے یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا تو علمائے یہود کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر برے لوگ ایمان لائے ہیں، اگر وہ اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑتے اور ان مسلمانوں سے

مخاطب ہوکر کہا کہ تم لوگوں نے اپنا دین بدل کر خسارہ اٹھایا ہے۔اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے دین اسلام کو قبول کرلیا، ان اہل کتاب کی مانند نہیں ہیں جو اپنے کفر پر قائم رہے۔(تیسیر الرحمٰن:201/1)

سوال2: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' یہاں کفر کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' ﴿1﴾ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد اہل کتاب اور مشرکین مکہ ہیں جو نبی ﷺ اور ان کی اتباع کرنے والوں کو فقیری کی عار دلایا کرتے تھے اور کہتے تھے اگر محمد ﷺ حق پر ہے تو اس کا رب اسے اتنی شدت کی فقیری کی حالت میں نہ رکھتا اور وہ اپنے کثرت اموال واولاد پر فخر کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم ہرگز عذاب دیے جانے والے نہیں ہیں۔(سبا:35)(تفسیر مراغی:33/2) ﴿2﴾ کفر کرنے والوں سے مراد عام طور پر وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کو قبول نہیں کرتے یعنی ایمان نہیں لاتے۔ ﴿3﴾ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد ایمان والے کاموں کے مقابلے میں ان کاموں کا انکار کرنے والے ہیں یعنی: (i) امر بالمعروف کا انکار کرنے والے۔(ii) نہی عن المنکر کا انکار کرنے والے۔(iii) بھلائی اور نیکی کے کاموں کا انکار کرنے والے۔

سوال3: انسان کفر کا رویہ کیوں اختیار کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مال اور اولاد کی محبت انسان کو سچے اور قربانی والے دین سے روک لیتی ہے۔ ﴿2﴾ انسان چند نمائشی قسم کے اعمال کا مظاہرہ کر کے سمجھتا ہے کہ وہ سچے دین پر قائم ہے۔اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جاننے کی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ﴿3﴾ ایسے شخص کو جب دعوت دی جاتی ہے تو وہ انکار کر دیتا ہے۔ ﴿4﴾ انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر آ کر میری دنیا چھن جائے گی اس لیے وہ دین قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

سوال4: کفر کا رویہ اختیار کرنے والوں کو کیا تنبیہ کی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کام نہیں آئیں گے۔ ﴿2﴾ دنیا میں جو مال خرچ کر کے اپنے آپ کو نیک سمجھتے رہے وہ ضائع جائے گا۔

سوال5: ﴿ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کافروں

کوان کے مال اوران کی اولاد اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کے حصول میں معمولی سا بھی فائدہ نہیں دیں گی۔ جیسے فرمان الٰہی ہے:﴿ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓي اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ یہ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں ایسی نہیں کہ جو تمہیں ہمارا قرب بخش سکیں، لیکن جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے (اسے قرب حاصل ہوگا) (سبا:37) ﴿2﴾ بلکہ ان کے مال و اولاد جہنم کی طرف سفر میں ان کا زادِراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اضافے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کا شکرادا کیا جائے، لیکن ان کے لیے یہ چیزیں شکر نہ کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف حجت ہوں گی، اس لیے ان پر شکر کرنے اور ناشکری کی پاداش میں انہیں سزا دی جائے گی۔ (تفسیر سعدی:410/1) ﴿3﴾ اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کافر اور مشرک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ ﴿4﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو جہنم کی آگ سے کبھی نکل نہیں پائیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی روحوں پر ظلم کیا، اپنے عقائد خراب کیے اور اپنے اعمال کو بگاڑ لیا وہ ہمیشہ کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ (تفسیر مراغی:33/2)

﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ (117) ﴾

''اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔'' (117)

سوال1: ﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ ﴾ ''اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا'' ﴿1﴾ دنیا میں کافر کے خرچ کی مثال ہے۔ (الدرالمنثور:117/2) ﴿2﴾ دنیا کی زندگی میں کافروں کے اچھے مقاصد کے لیے خرچ کی مثال ایک ایسے کھیت کی طرح ہے جو ہرا ابھرا ہے کٹائی کے لیے تیار ہے لیکن اچانک برفانی ہوا چلتی ہے اور کھیت کو برباد کر دیتی ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ ماننے والوں کا اچھے مقاصد پر کیا گیا خرچ برباد ہونے والا ہے۔ ﴿3﴾ اس آیت میں کافر کے صدقہ وخیرات اور رفاہی کاموں کو آخرت میں بے فائدہ اور ضائع ہونے کے

اعتبار سے ظاہر کی اس کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔(تفسیر اشرف الحواشی:78/1)

سوال2: ﴿ كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ﴾ ''اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا'' کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال کیا سمجھانے کے لئے دی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کفر کرنے یعنی انکار کرنے والوں کے خرچ کی مثال یہ سمجھانے کے لئے دی گئی ہے کہ ان کی سرگرمیاں اہل ایمان کے مقابلے میں مختلف ہوتی ہیں۔ ﴿2﴾ کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ ایمانی کاموں کا انکار کرنے والے اپنے مال بظاہر بھلائی کے اور رفاہی کاموں پر خرچ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خرچ کام آجائے گا۔اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ہر طرح کا خرچ کرنا بے کار جائے گا چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو، آخرت میں اس کا بدلہ نہیں ملے گا۔ بدلے میں جہنم کی آگ ہی ملے گی۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرنے والوں کے مال کیسے اکارت چلے جاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ کافروں کے اعمال اس لئے ان کے کام نہیں آئیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ آخرت کی جزا و سزا کا شعور نہیں رکھتے۔ ایمان کے بغیر کسی قسم کے کاموں کا کوئی صلہ نہیں ملے گا خواہ دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے جیسے رفاہی کاموں پر کئے جانے والے خرچ سے شہرت ملتی ہے لیکن عملاً ان کا کوئی صلہ نہ ملے گا بلکہ جہنم کا دائمی عذاب ہوگا جو کافروں کا مقدر ہے۔ کافروں کے دنیاوی خرچ کا ثواب دنیا میں ہی مٹا دیا جاتا ہے جیسے فصل کو مالک کی بدنیتی اور گناہ جلا ڈالتے ہیں۔ اسی طرح کافروں کے عمل بے بنیاد ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے۔(مختصر ابن کثیر:251/1) ﴿2﴾ وہ گمراہی اور نادانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی رسی کی حفاظت سے منہ موڑتے ہیں تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ کوئی خرچ خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو جب تک ایمانی خواہش کی بنیاد پر نہ ہو، قبول نہیں کیا جاتا بلکہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔

سوال4: انسان کا خرچ کیا ہوا مال کیسے اس کے کام آسکتا ہے؟

جواب: انسان کا خرچ کیا ہوا مال تب اس کے کام آسکتا ہے جب وہ: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے خرچ کرے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرے۔ ﴿3﴾ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت، ان کے طریقے کے مطابق خرچ کرے یعنی ہر طرح کی بھلائی کے کاموں میں، رفاہی کاموں میں بھی اور احیائے دین کے کاموں میں بھی خرچ کرے۔

سوال5: ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں'' ﴿1﴾ کافروں پر اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں جیسے شرک اور نافرمانی کے کاموں سے وہ خود کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ﴿2﴾ جب لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر خرچ کرتے ہیں تو ان کا خرچ کیا ہوا ان کے اپنے کام بھی نہیں آتا۔ چونکہ بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنا ایسا عمل ہے جس پر اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر اجر عطا کرتے ہیں جب کہ کافروں کا خرچ رائیگاں جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اپنے اعمال کو ضائع کر کے تم خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر ظلم نہیں ہے۔ ﴿3﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مومن پر کسی بھی نیکی کے سلسلے میں کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ دنیا میں بھی اسے اس نیکی کا بدلہ دیا جائے گا اور آخرت میں بھی اسے اس نیکی کا بدلہ دیا جائے گا۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کی ہوں گی اس کا بدلہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔'' (مسلم:7089) ﴿4﴾ امام سعدی کہتے ہیں کہ کافر مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں تو یہ کوششیں ناکام رہیں گی جیسے کوئی شخص فصل بوئے، اسے اس کا نتیجہ ملنے اور اس سے پیداوار حاصل ہونے کی امید ہو، اچانک کھیتی پر ایک ٹھنڈی ہوا چلے جس سے کھیتی تباہ ہو جائے۔ کافروں کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ چنانچہ ابھی وہ اور خرچ کرتے رہیں گے۔ پھر وہ ان پر حسرت بن جائے گا پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے۔ (الانفال:36)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (118) ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے، وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے، ان کا بغض ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے۔ یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو۔'' (118)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر اور ابن اسحاق نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جاہلیت کی دوستی کی بنا پر مسلمانوں میں سے کچھ حضرات یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ فرمایا اور فتنہ کی بنا پر ان سے تعلقات رکھنے کی ممانعت فرمادی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ اپنے علاوہ کسی کو صاحب خصوصیت نہ بناؤ۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2: ﴿يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَا تَتَّخِذُوْابِطَانَةً﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ'' مسلمانوں کو اپنے سوا کسی کو دلی دوست بنانے سے روکا گیا تو انہیں اے ایمان والو کہہ کر پکارا گیا۔ اس سے مراد ہے کہ اے لوگو! جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ایمان رکھتے ہو اور اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر ایمان رکھتے ہو۔ ﴿2﴾ ﴿بِطَانَةً﴾ دلی دوست اور رازدار کو کہتے ہیں۔ ﴿3﴾ یعنی بطانۃ الرجل کسی شخص کے ولی اور رازدار دوست اور اس کے معاملات میں دخیل کو کہا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے معاملات میں مشورہ لے۔ (معارف القرآن:157/2:2)

سوال3: کافروں اور مشرکوں کے ساتھ دلی دوستی رکھنے کو کیوں ناجائز قرار دیا گیا ہے؟

جواب: کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں دل میں جو دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں کی ان سے دوستی کو ناجائز قرار دیا گیا۔ ﴿1﴾ یہ مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں کینہ رکھتے ہیں۔ ﴿2﴾ یہ مسلمانوں کے خلاف رات دن سازشیں کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ جس چیز سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے وہ ان کو محبوب ہوتی ہے۔ ﴿4﴾ مسلمانوں کا بھلا ہوتا ہے تو انہیں برا لگتا ہے۔ ﴿5﴾ ان کے پوشیدہ جذبات میں ہر وقت ابال آتا رہتا ہے۔

سوال4: مسلمانوں کو دشمنوں کی دوستی سے روکا گیا تو دراصل کن کاموں سے روکا گیا؟

جواب: مسلمانوں کو دشمنوں کی دوستی سے روکا گیا تو دراصل یہ حکم دیا گیا کہ: ﴿1﴾ ان پر اعتماد نہ کریں۔ ﴿2﴾ انہیں رازدان نہ بنائیں۔ ﴿3﴾ ان سے مشورہ نہ لیں۔ ﴿4﴾ آیت کا مقصد عام معاشی و مجلسی تعلقات سے روکنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کافر پر کلی اعتماد نہ کیا جائے اور کبھی غیر مسلموں کو اپنا سچا خیر خواہ نہ سمجھا جائے۔ (سراج البیان:153/1) ﴿5﴾ بخاری وغیرہ میں حدیث ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کے لئے دو بطانہ مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دلانے والا اور دوسرا برائی کی راہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس اللہ تعالیٰ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:457/1) ﴿6﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ ازہر بن راشد نے آکر حسن بصری سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو، دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دارو اپنے سوا دوسروں کو ہم راز نہ بناؤ۔ (ابویعلیٰ) (تفسیر ابن کثیر:457/1) ﴿7﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ غیر مسلموں کو مسلم ممالک کے آفسوں میں ایسی ذمہ داریاں نہیں دینی چاہئیں جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کے راز حاصل کریں اور دشمنوں کو ان کی اطلاع دیں۔ مفسر الکیا الہرّ اسی لکھتے

ہیں کہ اس آیت کے پیشِ نظر کسی ذمی (غیر مسلم جو مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہے) سے مسلمانوں کے کسی معاملے میں مدد لینا جائز نہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:202/1)

سوال5: ﴿لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ ''وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے''یعنی تمہیں نقصان پہنچانے اور مشکلات پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تمہیں نقصان پہنچے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:412/1)

سوال6: ﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ ''وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے'' وہ تمہارے دین اور دنیا میں شدید نقصان کی تمنا رکھتے ہیں۔ (تفسیر مراغی:37/2)

سوال7: کیا اسلامی حکومت میں کافروں اور مشرکوں کو کلیدی مناصب پر فائز کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک بار کہا گیا کہ حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظے والا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جب کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال8: ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''ان کا بغض ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''ان کا بغض ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے''اور آپ کے نبی کی تکذیب اور کتاب اللہ کی تکذیب ظاہر ہو چکی۔ (تفسیر مراغی 37/2:)

سوال9: ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ ''اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے''﴿1﴾ ربیع نے کہا: جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے اس سے جو ان کی زبانیں کہتی ہیں۔ (جامع البیان:67/4) ﴿2﴾ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں دل میں جو دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں اس کے پیشِ نظر مسلمانوں کی ان سے دوستی کو ناجائز قرار دیا گیا۔

سوال10: ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو''﴿1﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکامات و نواہی اور اس کی نصیحتوں کو سمجھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے واضح دلائل دیے ہیں جس سے تم اپنے دشمن کو پہچان کر اس کی دوستی سے بچ سکتے ہو۔ ﴿2﴾ ﴿اِنْ كُنْتُمْ

﴿تَعْقِلُوْنَ﴾ ''اگر تم سمجھتے ہو''عقل مند وہ ہوتا ہے جسے اگر دشمن سے میل جول رکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس سے میل جول صرف ظاہری معاملات میں ہو،اور اپنے اندرونی معاملات اسے نہ بتائے۔اگر چہ دشمن کتنی ہی چاپلوسی کرے اور قسمیں کھائے کہ وہ دوست ہے۔ (تفسیر سعدی:412/1)

﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ(119)﴾

''دیکھو!تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں،آپ کہہ دیں اپنے غصے ہی سے تم مر جاؤ،بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔''(119)

سوال1: ﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ ''دیکھو!تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''دیکھو!تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو''﴿1﴾تم ان کے لیے اسلام چاہتے ہو اور وہ بہترین چیز ہے اور وہ سب تمہارے لیے کفر چاہتے ہیں اور وہ ہلاکت ہے۔(تفسیر الوسیط:483/1)﴿2﴾ابن جریج نے کہا:مومن منافق کے لیے بہتر ہے بہ نسبت منافق کے جو مومن کے لیے بہتر نہیں۔(جامع البیان:68/4)

سوال2: کسی کے لئے دل میں محبت کا ہونا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: انسانوں کے لیے دل میں محبت کا ہونا ثابت کرتا ہے کہ ﴿1﴾انسان حق پرست ہے۔﴿2﴾انسان اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں پا لینے والا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سراپا رحم ہے تو اس کے بندے کا دل بھی مخلوق کے لئے کھلا ہوتا ہے۔

سوال3: مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے کھل جاتا ہے تو اس کے رویے میں کیا تبدیلی آجاتی ہے؟

جواب: مومن کے لئے تمام انسان یکساں ہیں وہ ہر ایک کے لئے وہی کچھ چاہنے لگتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

سوال4: ﴿وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ ''اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے'' جو لوگ دوسروں سے محبت نہیں رکھتے ان کا یہ مزاج کیسے بنتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے ہوئے نہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں نہیں پاتے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی کی وجہ سے ایسے لوگ ذات کی سطح پر جیتے ہیں۔﴿3﴾ایسے لوگوں کی زندگی کا سرمایہ اپنے فائدے اور اپنے گروہی تعصّبات ہوتے ہیں۔

سوال5: ﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ ''حالانکہ تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ** ﴾سے مراد ساری کتابیں ہیں۔(ایسر التفاسیر:200)﴿2﴾تم ساری آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسلیم کرتے ہو۔

سوال6: جو لوگ گروہی تعصّبات میں مبتلا ہوتے ہیں ان کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ گروہی تعصّبات رکھنے والے اپنے مفاد کے خلاف نظر آنے والے ہر شخص کے دشمن بن جاتے ہیں۔﴿2﴾ گروہی تعصّبات رکھنے والے اپنے گروہ کے علاوہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔﴿3﴾ گروہی تعصّبات رکھنے والے دوسرے افراد سے ملاقات کے وقت اگر نارمل رہ بھی لیں تو تنہائی میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔﴿4﴾ گروہی تعصّبات رکھنے والے دوسرے گروہ کے افراد پر غصہ کرتے ہیں اور بسا اوقات انتقامی کاروائیاں کرتے ہیں مثال کے طور پر پروپیگنڈا وغیرہ۔﴿5﴾ گروہی تعصّبات رکھنے والے افراد باقاعدہ دوسرے گروہوں کے خلاف عملی کاروائیاں کرتے ہیں۔

سوال7:﴿ **وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا** ﴾''اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو اپنے خون اور مالوں کے ڈر سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔(جامع البیان:69/4)

سوال8:﴿ **وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ** ﴾''اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جو کچھ وہ اپنے دلوں میں غصہ اور کراہت پاتے ہیں اس کی وجہ سے تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں۔(جامع البیان:69/4)

سوال9:﴿ **قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ** ﴾'' آپ کہہ دیں اپنے غصے ہی سے تم مر جاؤ'' اہل کتاب کو یہ کیوں کہا گیا کہ اپنے غصّے میں مر جاؤ؟

جواب:﴿1﴾اہل کتاب کے غصّے سے انگلیاں چبانے پر انہیں یہ بات کہی گئی تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ دل کے حالات کو جانتا ہے اور یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے نبوت کے لئے منتخب کرے۔اس کے فیصلوں پر کسی کا طرزِ عمل اثر انداز نہیں ہوسکتا۔﴿2﴾اس میں مومنوں کے لیے خوش خبری ہے کہ یہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اپنا نقصان کر رہے ہیں۔وہ اپنے غصے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہیں۔وہ مرتے دم تک دنیا کا یہ عذاب سہتے رہیں گے اور مرنے کے بعد دنیا کے عذاب سے آخرت کے عذاب کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔(تفسیر سعدی:412/1)

سوال10:﴿ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے'' کے انسان پر کیا اثرات

مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے'' کے الفاظ سے انسان محتاط ہوتا ہے اور اسے یوں لگتا ہے جیسے چوری پکڑی گئی۔ یہ احساس اسے ایک لمحے کے لیے ایمان کی روشنی میں ضرور لے آتا ہے۔ اگر انسان کے اندر تھوڑی سی حق پرستی بھی ہو تو انسان سینے کے بغض کے بارے میں شرمندہ ہو جاتا ہے اور اس سے نجات پانے کے لیے سوچنا ضرور ہے۔

سوال11: اللہ تعالیٰ نے اپنے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا'' ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے دلوں کے حال سے اپنے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو جب کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ محبت کا معاملہ دل کا ہے جس سے وہی واقف ہوسکتا ہے جو دلوں کے بھید جانتا ہو۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے غصّے اور دل کی جلن سے اپنے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اگرچہ وہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن دلوں کے راز جاننے والے سے دل کی جلن اور غصّے کی آگ چھپا نہیں سکتے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھلائی پہنچنے پر کافروں کے دل کی ناخوشی اور مومنوں کو برائی پہنچنے پر کافروں کی خوشی سے اپنے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ یقیناً وہ خفیہ باتوں کا علم رکھتا ہے۔

﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (120) ﴾

''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔'' (120)

سوال1: ﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ﴾ ''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے'' جب فتح و نصرت مسلمانوں کے قدم چومتی ہے تو منافقوں کے دلوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کی عزت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ (ابن کثیر:253/1)

سوال2: ﴿ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں'' ﴿1﴾ جب وہ اہل اسلام کو فرقوں میں بٹا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ ﴿2﴾ مقاتل نے کہا: اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے یعنی قتل، شکست اور مصائب۔ (الدر المنثور:119/2)

سوال3: کسی کی دشمنی کو اس کے کس طرزِ عمل سے پہچانا جا سکتا ہے؟

جواب:《1》اس کو دوسرے کی بھلائی بری لگے۔《2》اس کو دوسرے کا نقصان اور مصیبت خوش کر دے۔

سوال4:《وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا》''اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی''مصیبت کے مواقع پر ہم اپنے دشمنوں سے خود کو کیسے بچائیں؟ قرآن کیا طریقہ کار بتاتا ہے؟

جواب:''اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی''《1》دشمن کی کاروائیوں پر خود کو منفی ردِّعمل سے بچائیں۔《2》صبر اور تقویٰ پر قائم رہیں۔

سوال5: صبر اور تقویٰ سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب:《1》صبر سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر حال میں حق کا پابند رکھا جائے۔《2》تقویٰ یہ ہے کہ فیصلہ کن طاقت صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے۔

سوال6:اللہ تعالیٰ نے کافروں کی چالوں کے مقابلے میں مومنوں کو صبر اور تقویٰ کا حکم کیوں دیا ہے؟

جواب:《1》کافروں کی چالوں سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہی صبر اور تقویٰ ہے۔《2》اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید کے حصول کا ذریعہ صبر اور تقویٰ ہے۔《3》مسلمانوں کو پستی اور زوال سے نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں۔یہی صبر کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کیونکہ یہی خوف انسان کو دنیا کی ہر قوت کے خوف سے آزاد کر دیتا ہے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کے لئے کون سی نفسیاتی رکاوٹ دور کی ہے؟

جواب:انسان جب کسی کے منفی رویے پر صبر کرتا ہے تو اسے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ فریق مخالف کی چالیں اور مضبوط ہو جائیں گی اور اس طرح اسے اور زیادہ برائی کرنے کے مواقع ملیں گے اور صبر کر کے انسان زیادہ کمزوری کا مظاہرہ کرے گا تو دوسروں کو شہہ ملے گی۔ یہ چیز انسان کے صبر کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس نفسیاتی رکاوٹ کو دور کیا ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو ان کی چالیں تمہیں نقصان نہ دیں گی اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے۔

سوال8:《اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ》''جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے''سے کیا مراد ہے؟

جواب:''جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے''اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے اعمال کو جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ کس کے دل میں کیا ہے؟ کون کیا ظاہر کر رہا ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان گھلا رہا ہے اور کون دین سے نکل رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

سوال9:اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں پر اپنے کنٹرول سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے حالات کے علم سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے مسلمانوں کی بھلائی سے ناخوش ہونے اور ان کو برائی پہنچنے پر خوش ہونے سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لئے دلایا ہے کہ انسان اپنے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کو محسوس کر کے اس کے آگے جھک جائیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لئے دلایا ہے تاکہ لوگ سرکشی سے باز آجائیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ شعور اس لئے بھی دلایا ہے تاکہ لوگ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں، اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں، تقویٰ اختیار کریں اور صبر کریں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ مومن اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اسے کافی سمجھیں۔

رکوع نمبر 13

﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (121) ﴾

''اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکل کر مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(121)

سوال1: ﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ﴾ ''اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکل کر مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے'' اس آیت میں کس جنگ کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں؟

جواب: اس آیت میں غزوۂ احد کی تیاریوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ صبح سویرے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے احد کے لیے نکلے جس جگہ کے لیے مشاورت تھی اور طے ہو گیا تھا کہ جنگ مدینہ سے باہر لڑی جائے گی۔ گھر سے نکل کر یہاں مسلمانوں کی صف بندی کی جا رہی ہے۔ تیر اندازوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ پشت کی جانب پہاڑی پر مورچہ سنبھالیں۔ اس منظر میں اہم ترین چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سنتا ہے اور نہایت باخبر ہے۔

سوال2: ﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ﴾ ''اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکل کر مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿تُبَوِّئُ﴾ یعنی تم لشکر کے مقامات پر پڑاؤ تجویز کرتے تھے، مورچے بنانا مراد ہیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر) ﴿2﴾ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ احد کے موقع پر (تیر اندازوں کے) پچاس آدمیوں کا افسر عبداللہ بن جبیر

رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔آپ نے انہیں تاکید کردی تھی کہ اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ پرندے ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں پھر بھی اپنی اس جگہ سے مت ہٹنا، جب تک میں تم لوگوں کو کہلا نہ بھیجوں۔اسی طرح اگر تم یہ دیکھو کہ کفار کو ہم نے شکست دے دی ہے اور انہیں پامال کر دیا ہے پھر بھی اپنی اس جگہ سے مت ہٹنا جب تک میں تم لوگوں کو کہلا نہ بھیجوں۔اسی طرح اگر تم یہ دیکھو کہ کفار کو ہم نے شکست دے دی ہے اور انہیں پامال کر دیا ہے پھر بھی یہاں سے نہ نکلنا، جب تک میں تمہیں خود بلا نہ بھیجوں۔(صحیح بخاری:3039)﴿3﴾اس میں نبی ﷺ کی عظیم تعریف ہے کہ آپ بنفس نفیس ان کو منظم فرما رہے تھے اور جنگ کے لیے مناسب مقامات پر ٹھہرا رہے تھے۔اس کی وجہ آپ کے علم وفراست کا کمال، دوراندیشی اور بلند ہمتی تھی۔علاوہ ازیں آپ کامل شجاعت سے بہرہ ور تھے،صلوات اللّٰہ و سلامه علیه(تفسیر سعدی:414/1)

سوال3: غزوہ احد کے مختصر حالات بتائیں؟

جواب: غزوۂ احد شوال 3ہجری میں پیش آیا تھا جس میں مشرکین کی تعداد تین ہزار اور مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ نے شکست کھائی، جوش انتقام انہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔اس لیے ایک اور جنگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ یہ احد کے مقام پر لڑی جائے گی۔اس جنگ کے لیے ایک ہزار اونٹ اور 50ہزار دینار کی رقم جمع کی گئی۔اس جنگ کے لیے دوشعلہ بیان شعراء کی خدمات حاصل کی گئیں جو بدوی قبائل کو بھڑکاتے تھے۔جنگ میں کافروں کی تعداد تین ہزار تھی۔مسلمان مقابلے کے لیے نکلے تو راستے میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گیا۔اس واقعے سے کچھ انصاری مسلمانوں کی ہمت پست ہو گئی مگر رسول اللہ ﷺ نے یاد دلایا کہ ہم اپنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکلے ہیں۔لڑائی کے آغاز میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لیکن ان کی ایک کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دشمن ان پر غالب آ گئے۔اسی دوران یہ افواہ اڑی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے۔اس خبر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوش وحواس گم کر دیئے۔بعد میں پتہ چلا کہ نبی ﷺ زندہ ہیں۔دشمن کے لیے موقع تھا کہ مسلمانوں کو پوری طرح کچل ڈالے مگر اس کی فوج میدان جنگ چھوڑ کر چلی گئی۔یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی کہ دشمن فوج نے مدینہ کی بجائے مکہ کا رخ کیا اور جو مغلوب ہوئے یعنی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے دشمن فوج کا پیچھا کیا۔

سوال4: ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''اللہ تعالیٰ نے اپنے سمیع اور علیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی جنگی سرگرمیوں سے اپنے سمیع اور علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔جنگ سے پہلے آپ ﷺ مورچوں پر جس طرح مسلمانوں کو متعین کر رہے تھے، آپ ﷺ کا کہنا اور کرنا دونوں ہی اللہ سمیع وعلیم کے نوٹس میں تھا۔﴿2﴾ابوسلیمان دمشقی نے کہا: وہ خروج کے بارے میں تمہارے مشوروں کا سننے والا سمیع ہے۔وہ جانتا ہے کہ کون کس نیت اور کس کیفیت سے نکل رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون شہادت کی محبت کو چھپائے ہوئے ہے؟(زادالمسیر :22/2)

سوال5: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے تقویٰ کے لئے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ کسی کے سننے اور جاننے کا احساس انسان کو محتاط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان صفات کے توسط سے اپنے تعلق کی گہرائی کا احساس دلایا ہے تاکہ مومن اس تعلق کی گھنی چھاؤں میں اپنے آپ کو مطمئن کر لیں۔

﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (122) ﴾

''جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کر چکی تھیں کہ ہمت ہار جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں۔'' (122)

سوال1: ﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ﴾ ''جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کر چکی تھیں کہ ہمت ہار جائیں'' غزوہ احد کی ابتداء میں کون سی دو جماعتوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کر لیا تھا؟

جواب: ''جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کر چکی تھیں کہ ہمت ہار جائیں'' سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب ہم میں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا۔ سفیان نے بیان کیا کہ ہم دو جماعتیں بنوحارثہ اور بنوسلمہ تھے۔ حالانکہ اس آیت میں ہمارے بودے پن کا ذکر ہے مگر ہم کو یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نہ اترتی کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کا مددگار رہے۔ (صحیح بخاری:4558)

سوال2: ﴿ اَنْ تَفْشَلَا ﴾ ''یہ کہ ہمت ہار جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہ کہ ہمت ہار جائیں'' یعنی کمزور پڑ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ (ایسر التفاسیر:202) ﴿2﴾ یعنی بزدلی اور کمزوری دکھائیں اور وہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی تھے جنہوں نے کمزوری دکھائی۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر منیر:2/387)

سوال3: ان دو قبیلوں نے بزدلی کیوں دکھائی؟

جواب: یہ دونوں قبائل عبداللہ بن ابی کی دھوکہ دہی سے متاثر ہو گئے کیونکہ وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا تھا۔

سوال4: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا'': یعنی ان کے معاملات کا سرپرست اور ان کا مددگار تھا۔ اسی لیے اس نے معرکے سے بھاگنے سے بچا لیا۔ (ایسر التفاسیر:202) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری دور کر دی اور ان کی ہمّت بندھائی۔ اس طرح

اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔

سوال5:﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾''پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی جو مومنوں میں سے کمزور ہو یا ہمت ہار بیٹھے تو اسے اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر توکل کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اپنی نیت کے مطابق قوی ہو جائے اور اپنی مراد کو پہنچ جائے۔(ابن ابی حاتم:750/3)﴿2﴾ مومنوں کے مزاج میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہونا چاہیے۔﴿3﴾ وہ تعداد یا سامان کی کمی سے نہ گھبرائیں۔﴿4﴾ تعداد کم ہو تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو بھیج کر کمی پوری کر دے گا۔﴿5﴾ سامان کم ہو تو بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دے گا جو ان کے لیے سامان کی کمی کی تلافی بن جائیں۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر توکل کرنے کی ترغیب کیسے دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے ہمت ہار جانے کے بعد ان کی کمزوری دور کرنے اور ان کی ہمت بندھانے سے اپنے اوپر توکل کرنے کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ دہشت زدہ، گھبرائے ہوئے دلوں کی کمزوری دور کر سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھروسے کے لائق ہے اور اس پر توکل کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔

سوال7: بندے کا توکل کس کے مطابق ہوتا ہے؟

جواب: بندے کو اللہ تعالیٰ پر جتنا ایمان ہوتا ہے، اسی کے مطابق اس کا توکل ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دوسروں کی نسبت مومن اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بالخصوص سختی اور جہاد کے موقع پر انہیں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا، اس سے مدد اور فتح طلب کرنا، اپنی طاقت پر بالکل بھروسہ نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور حفاظت پر بھروسا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی مصیبتیں اور مشکلات دور فرماتا ہے۔(تفسیر سعدی:415/1)

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (123) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرو۔''(123)

سوال1:﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے'' غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا کیا عالم تھا؟

جواب:﴿1﴾''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے'' غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی بے

سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی تمام افراد پیدل تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ہم لوگ سواریوں کی قلت کی وجہ سے ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوتے تھے۔ ﴿2﴾ سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم اصحاب محمد ﷺ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی جتنی اصحاب طالوت کی، جنہوں نے آپ کے ساتھ نہر فلسطین پار کی تھی اور ان کے ساتھ نہر کو پار کرنے والے صرف مومن ہی تھے یعنی تین سو دس پر اور کئی آدمی۔ (صحیح بخاری:3958) ﴿3﴾ سیدنا ابولبابہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ اونٹ پر باری باری سواری ہوتی تھی تو جب رسول اللہ ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آئی تو ابولبابہ اور علی رضی اللہ عنہما نے عرض کی: آپ تشریف رکھئے، ہم آپ کی طرف سے باری باری پیدل چلتے رہیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ باہمت نہیں ہو اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ تم دونوں اجر لے جاؤ اور میں محروم رہ جاؤں۔ (مسند احمد: 418,411/1)

سوال2: واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کا ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بدر کی فتح مادی اسباب کی نایابی کے باوجود ہوئی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جب کہ انسانوں کی طرف سے کوئی مددگار نہ تھا۔ ﴿2﴾ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ مومن یقین رکھیں کہ فتح وشکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا اسی سے ڈریں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے جو انعام کیا اس پر مومنوں کا فرض ہے کہ وہ شکر ادا کریں۔ ﴿4﴾ واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور صبر وتقویٰ کا پھل فتح وکامرانی ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں یہی ہوا کہ مسلمان ہر طرح سے کمزور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور صبر وثابت قدمی سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کافروں پر غلبہ دیا۔ (تیسیر الرحمٰن:205/1) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کی مدد اس لیے فرمائی تھی کہ انہوں نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور احد میں انہیں دشمنوں کے ہاتھوں اس لیے نقصان پہنچا کہ ان میں سے بعض افراد سے ایسی غلطی ہوگئی جو تقویٰ کے منافی تھی دونوں واقعات اکٹھے بیان کرنے کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کا یہ عمل پسند ہے کہ جب انہیں کوئی ناخوش گوار صورت حال پیش آجائے تو انہیں وہ نعمت یاد کرنی چاہئے جو انہیں پسند ہے، تو ان کی مصیبت ہلکی ہوجائے گی اور وہ اس بڑی نعمت پر رب کا شکر کریں گے جس کے مقابلے میں یہ ظاہری مصیبت، جو حقیقت میں نعمت ہی ہے، بڑی نعمت کے مقابلے میں بہت معمولی محسوس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ کیا بات ہے کہ جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے۔ (آل عمران:165) (تفسیر سعدی:413/1)

سوال3: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ تاکہ تم شکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے شکر گزاری کے لئے کس صفت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؟

جواب: ''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرو'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ شکر گزاری کی توفیق ہو۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴾ یعنی مجھ سے ڈرو کیونکہ وہ میری نعمت کا شکر ہے۔ (جامع البیان: 78/4) ﴿2﴾ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی اس کا شکر ادا کرتا ہے وہی اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو تقویٰ ترک کر دیا ہے وہ شکر گزار نہیں ہوتا۔ (تفسیر سعدی: 416/1)

سوال 4: تقویٰ اور شکر گزاری کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والی ایسی حالت ہے جس میں مومن کا شعور بے دار ہوتا ہے۔ جب شعور بے دار ہوتا ہے تو مومن حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ مومن اپنے مالک کے احسانات کو پہچانتا ہے اور احسان شناسی اس کے دل کو شکر گزاری کے احساسات سے معمور کر دیتی ہے۔ ﴿2﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنے رب سے ڈرو اور اس کے حرام کردہ امور سے اجتناب کرو تاکہ تم اپنے نفس کو شکر کے لیے تیار کرو کیونکہ جس کے نفس پر تقویٰ غالب نہیں ہوتا اس پر خواہشات غالب آجاتی ہیں اور وہ شہوات کی پیروی کرتا ہے۔ ایسے شخص سے شکر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ (تفسیر مراغی: 46/2)

﴿ **اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ** (124) ﴾

''جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمھیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے؟'' (124)

سوال 1: ﴿ **اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ** ﴾ ''جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمھیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے'' نبی ﷺ نے یہ الفاظ کس موقع پر کہے؟

جواب: غزوۂ احد میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن تین ہزار ہیں اور ہم ایک ہزار میں سے بھی 700 رہ گئے تو نبی ﷺ نے ٹوٹتے حوصلوں کو جوڑنے کے لیے یہ الفاظ کہے۔

سوال 2: ﴿ **اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ** ﴾ ''جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمھیں یہ کافی نہیں ہے (کہ) تمہارا ربّ تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''کیا تمھیں یہ کافی نہیں ہے (کہ) تمہارا ربّ تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے'' نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے لیے اور اس سے امید باندھنے کے لیے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ﴿2﴾ ﴿ **اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ** ﴾ ''یہ کہ تمہارا رب

تمہاری مدد فرمائے‘‘ یعنی تمہارا رب تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں جو تم سے تعداد اور اسلحے میں بڑھ کر ہیں تمہاری مدد فرمائے۔ ﴿3﴾ ﴿اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ﴾ کہ تمہیں تقویت دینے اور تمہاری مدد کرنے اور تمہارے دشمنوں کو دور کرنے کے لیے تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے۔ (تفسیر قاسمی:219/4) ﴿4﴾ ﴿بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ’’تین ہزار فرشتوں کے ساتھ‘‘ جو اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں، نور سے بنے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جائے۔ (ایسر التفاسیر:203) ﴿5﴾ ﴿الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ ’’نازل کردہ فرشتے‘‘ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں نے یوم بدر کے سوا جنگ نہیں کی۔ وہ مدد تعداد میں اضافے کے لیے آتے تھے۔ نہ جنگ کی نہ ضرب لگائی۔ (تفسیر مراغی:47/2)

﴿بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ(125)﴾

’’کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔‘‘(125)

سوال1: ﴿بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ ’’کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں‘‘ اللہ تعالیٰ کی مدد (کامیابی) کا وعدہ کن شرائط سے مشروط ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ’’کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں‘‘ اللہ تعالیٰ کی مدد (کامیابی) کا وعدہ تین شرائط سے مشروط ہے۔ صبر: یہ حملے کے صدمات پر کیا جاتا ہے، تقویٰ: جو انسانوں کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم کر دیتا ہے چاہے فتح ہو یا شکست اور دشمن کا اپنے سخت جوش میں آ پہنچنا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: صبر، تقویٰ اور مشرکین کا فوری جوش وجذبے کے ساتھ آنا۔ یہ وعدہ مذکورہ بالا فرشتوں کے بطور امداد فوج نازل ہونے کے بارے میں ہے۔ لیکن فتح اور دشمنوں کے منصوبوں کی ناکامی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی دو شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ (تفسیر سعدی:417/1)

سوال2: ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ ’’اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا﴾ ’’اگر تم صبر کرو‘‘ یعنی اگر تم دشمن سے ملاقات کے موقع پر صبر کرو۔ ﴿2﴾ ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو۔ (تفسیر منیر:387/2)

سوال3: ﴿وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ ’’اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں‘‘ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: اپنے غضب سے۔ (ابن ابی حاتم:753/3) ﴿2﴾ ﴿مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ کا مطلب ہے (من مقصدهم هذا) ’’اپنے کسی ارادے اور عزم کے ساتھ‘‘ اس سے غزوہ بدر مراد ہے۔ (تفسیر سعدی:416/1)

سوال4: ﴿ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ ''تمہارا ربّ پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا'' فرشتوں کی پہچان کے لئے مخصوص علامت مقرر کی گئی تھی۔ ﴿ مُسَوِّمِيْنَ ﴾: نشان زدہ کو کہتے ہیں۔ ﴿2﴾ مُسَــــوَّم اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی نشانی ہو مثلاً پشم یا اور کوئی نشانی۔ (بخاری: کتاب التفسیر) ﴿3﴾ ﴿ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ کا ترجمہ ''نشان لگے ہوئے'' سے کیا گیا ہے۔ ان فرشتوں کے کیا نشان تھے، اس کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن کے شملے کمروں پر ڈالے ہوئے تھے اور غزوہ حنین میں ان کے عمامے سرخ تھے۔ (انوار البیان: 546/1)

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (126) ﴾

''اور اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محض خوش خبری بنایا ہے اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (126)

سوال1: ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ﴾ ''اور اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محض خوش خبری بنایا ہے اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں'' فرشتوں کے نزول کا سبب کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محض خوش خبری بنایا ہے اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں'' فرشتوں کو اس لئے نازل کیا گیا تا کہ مسلمان خوش ہو جائیں، ان کے دلوں کو اطمینان ہو، ان کے دل سکون میں آئیں، ان کا خوف دور ہو اور ان کا قلق جاتا رہے۔ (ایسر التفاسیر: 203) ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں نے یوم بدر کے سوا نہ دشمن پر ضرب لگائی نہ جنگ کی، وہ مدد اور تعداد میں اضافے کے لیے آئے تھے۔ (تفسیر مراغی: 47/2) ﴿3﴾ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فرشتوں نے بدر کے سوا، نہ اس سے پہلے نہ اس سے بعد میں، کبھی جنگ نہیں کی۔ (جامع البیان: 88/4)

سوال2: ﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ ''اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' العزیز وہ قوی ہے جس کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ الحکیم وہ ہے جو معاملات کی بہترین طریقے اور قوی وسائل سے تدبیر کرتا ہے۔ وہ نصرت کے ظاہری اور باطنی اسباب کی طرف جس کی چاہتا ہے راہ نمائی کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ (تفسیر مراغی: 48/2) ﴿2﴾ وہ اپنی نصرت کو جس جگہ چاہتا ہے رکھتا

ہے، وہ اہل بصیرت اور اہل تقویٰ کو ہی نوازتا ہے جو اس کے مستحق ہیں۔(ایسر التفاسیر:204)《3》''اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور کمال حکمت والا ہے'' تمام کام اس کی مرضی سے ہوتے ہیں، اس کا ارادہ ہی کسی کام کو عملی شکل دیتا ہے، مادی اسباب بھی اس کی مدد کے بغیر مؤثر نہیں ہوتے۔《4》فتح اسی کی جانب سے ہوتی ہے جو غالب اور کمال حکمت والا ہے، قوی اور دانا و بینا ہے۔《5》اس کی طرف سے فتح عطا کرنے میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے یقیناً وہ عزیز و حکیم ہے۔

سوال3:《**وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ**》''اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' اللہ تعالیٰ کی مدد (فتح) کے بارے میں قرآنی مؤقف کو واضح کریں؟

جواب:《1》''اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' اللہ تعالیٰ کی مدد کے بارے میں قرآن مجید یہ واضح کرتا ہے کہ مدد اور فتح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے۔《2》 کسی رسول اور اس کے ساتھیوں کو فتح سے کوئی ذاتی مفاد نہیں ملتا، نہ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض ہوتی ہے۔《3》فتح حاصل کرنے میں نہ رسول کا دخل ہوتا ہے نہ اس کے ساتھیوں کا، وہ تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ظاہر کرتی ہے۔

سوال4:《**الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ**》''سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے العزیز اور الحکیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:''سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول سے اپنے العزیز یعنی سب پر غالب ہونے کا شعور دلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان اور خوشی کے لئے فرشتوں کے نزول کا طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح اس نے اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے کہ یقیناً وہ اپنی مخلوق کے معاملات کو حکمت کے ساتھ انجام دینے والا ہے۔

سوال5:''اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے'' اس کے مومن کے دل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مومن کے دل میں ایک خاص رابطہ ہو جاتا ہے۔《2》بندہ عزیز و حکیم سے امید باندھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان براہ راست تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

《**لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ**(127)》

''تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کردے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں۔''(127)

سوال1:《**لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ**》''تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کردے پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی کیا صورتیں ہیں؟

جواب:《1》''تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کردے پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں'' کافروں کی

جماعت کو کاٹ لے یعنی وہ قتل ہو جائیں یا قید ہو جائیں یا ان کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے یا مال غنیمت حاصل ہو، اس طرح مومنوں کو قوت حاصل ہو اور کافر ذلیل ہو جائیں۔ اسلام کا مقابلہ کرنے اور اسلام سے جنگ کرنے کی قوت انہیں یا افراد سے حاصل ہوتی ہے یا ہتھیاروں سے یا مال سے یا زمین سے۔ ان میں سے کسی بھی چیز کا ختم ہو جانا یا مسلمانوں کے قبضے میں آنا، ان کی قوت میں کمی کا باعث ہے۔

﴿2﴾ دوسرا مقصد یہ ہے کہ کافر اپنی قوت و کثرت پر اعتماد کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خواہش کریں، بلکہ اس کی انتہائی شدید حرص میں مبتلا ہو کر اپنی طاقت اور اپنا مال صرف کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ جنگ میں مومنوں کی مدد کر کے انہیں ناکام کر دے، وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں۔ بلکہ خسارہ اٹھا کر غم اور حسرت لے کر واپس چلے جائیں۔ جب آپ حالات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب مومنوں کی مدد کرتا ہے تو وہ ان دو امور سے خارج نہیں ہوتی۔ یا ان پر مسلمانوں کی فتح یا کفار کی اپنی کوششوں میں ناکامی۔ (تفسیر سعدی:417,418/1)

سوال2: ﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿طَرَفًا﴾ سے مراد طائفہ یعنی ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دشمن کے ایک حصے کو ہلاک کر دے۔ (i) وہ قتل ہوں۔ (ii) ان کی افرادی قوت کم ہو۔ (iii) ان کی زمین ان کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ (iv) ان کی ظالمانہ حکومت کا دائرہ تنگ ہو جائے۔ (v) ان کی دولت مال غنیمت کی کمی کی وجہ سے کم ہو جائے۔ (vi) شکست کے نتیجے میں ان کی سرگرمیوں میں کمی آ جائے۔

﴿2﴾ ﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دیا، ستر مشرکوں کو ہلاک کر دیا۔ (ایسر التفاسیر:203)

﴿3﴾ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دیا، ان کے بڑے بڑے رؤساء اور ان کے برائی کے قائد مارے گئے۔ (جامع البیان:88/4)

سوال3: ﴿أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ﴾ ''یا ان کو ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''یا ان کو ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں'' غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا مقصد یہ تھا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل کیا جائے اور یہ بھی کہ سارے کے سارے کافر نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ ﴿1﴾ یعنی وہ ذلیل و رسوا ہوں اور شکست کھائیں۔

﴿2﴾ اپنے مقصد میں ناکام لوٹیں جب کہ وہ دبے ہوئے ہوں۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (128)﴾

''آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے، بلاشبہ وہی ظالم ہیں۔'' (128)

سوال1: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ ''آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں'' محمد ﷺ کا فیصلے کے اختیارات میں کوئی حصہ نہیں، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾'' آپ کواس معاملے میں کوئی اختیارنہیں'' یہ ایک جملۂ معترضہ ہے جس سے مقصود نبی کریم ﷺ کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ آپ کی ذات بھی کچھ مؤثر ہے اور آپ کے عقیدۂ توحید میں کچھ فرق آجائے۔آپ تو ایک انسان ہیں۔آپ کا کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ڈرانا ہے،ان کی بخشش یا عذاب کا معاملہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔(تیسیر الرحمن:206/1)﴿2﴾اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کے معاملے میں کوئی اختیارنہیں کیونکہ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے دانت شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم کو کیسے فلاح نصیب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کردیا؟ اس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کی ہدایت کے معاملے سے ناامیدی کا اظہار کیا تھا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے وضاحت کردی کہ آپ ﷺ کا اختیار نہیں کہ کسی کو ہدایت دینے کا یا نہ دینے کا فیصلہ کرلیں۔(تفسیر ابن کثیر:462/1)﴿3﴾رسول اللہ ﷺ نے بعض قبیلوں کے لئے قنوت نازلہ کا اہتمام کیا تھا جس میں ان کے لئے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ نے بددعا کا سلسلہ بند کردیا۔(بخاری:4559,4560) سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی دوسری رکعت میں حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، اور صفوان بن امیہ پر لعنت بھیجتے تھے،تو یہ آیت نازل ہوئی۔(صحیح بخاری:4070)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا چاہتے یا کسی کے لیے دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد کرتے (**سمع اللّٰہ لمن حمدہ اللّٰھم ربنا لک الحمد**) کے بعد بعض اوقات آپ نے یہ دعا بھی کی:'' اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! مضر والوں کو سختی کے ساتھ پکڑ لے اور ان میں ایسی قحط سالی لا جیسی یوسف کے زمانے میں ہوئی تھی'' آپ ﷺ بلند آواز سے یہ دعا کرتے اور آپ نماز فجر کی بعض رکعت میں یہ دعا کرتے:'' اے اللہ! فلاں فلاں اور فلاں کو اپنی رحمت سے دور کردے۔''عرب کے چند خاص قبائل کے حق میں آپ (یہ بددعا کرتے تھے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی:'' آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں۔''(صحیح بخاری:4560)

سوال2:﴿**لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ**﴾'' آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں''اس بات کے ایمان والوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾'' آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیارنہیں'' اہل ایمان یہ جان لیتے ہیں کہ ان کی ذات فتح کا سبب نہیں بن سکتی۔﴿2﴾اہل ایمان تکبر، احساس برتری، سخت گیری اور غرور سے محفوظ ہوجاتے ہیں جس میں عام طور پر فاتحین مبتلا ہوجاتے ہیں۔﴿3﴾اہل ایمان کی روح اور طرز عمل متوازن ہوجاتے ہیں۔

سوال3:﴿**أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ**﴾''خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے''اس سے کیا مراد ہے اور یہ معافی کیسے ممکن ہوتی ہے؟

جواب:﴿1﴾''خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے'' محمد بن اسحاق کا قول ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ اپنی رحمت سے جس کی چاہے توبہ قبول کرلے۔(ابن ابی حاتم:757/3)﴿2﴾یہ معافی ایسے ممکن ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی فتح کی صورت میں کافر سبق لیتے ہیں اور اسلام قبول

کر لیتے ہیں یوں اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیتے ہیں۔《3》جن مشرکوں کے حق میں آپ ﷺ نے یہ بد دعا کی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قدموں پر لا ڈالا اور اسلام کے جانباز سپاہی بنا دیا۔(تیسیر القرآن:302/1)

سوال4:《أَوْ يُعَذِّبَهُمْ》''یا ان کو عذاب دے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:''یا ان کو عذاب دے''اس سے مراد ہے《1》عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔《2》عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ دنیا میں اہل اسلام ان پر غالب آ جاتے ہیں۔《3》دنیا میں قید ہونے کی صورت میں عذاب پاتے ہیں۔《4》خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور آخر کار جہنم کے مستحق بن جاتے ہیں۔

سوال5:《فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ》''بلا شبہ وہی ظالم ہیں'' کہہ کر کس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب:''بلا شبہ وہی ظالم ہیں''ظالم اسے کہتے ہیں جو حق دار کو اس کا حق نہ دے۔ایک انسان جب اپنے خالق کو نہیں پہچانتا، اپنی حیثیت نہیں پہچانتا، اپنی زندگی کے مقصد کو نہیں پہچانتا، زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو نہیں مانتا تو دراصل وہ حقائق کا انکار کرتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھولی گئی حقیقتوں کو ماننے والا مومن ہے تو انکار کرنے والا کافر ہے۔انکار کر کے ایک انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا لیتا ہے۔

《وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ(129)》

''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(129)

سوال1:《وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ》''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے''یعنی ملکیت بھی اس کی، تخلیق بھی اسی کی، بندے بھی اسی کے، وہ جیسے چاہے تصرف کرے اور جیسے چاہے فیصلے کرے۔(ایسر التفاسیر:204)《2》یعنی فرشتے، انسان، حیوان، جن، جمادات، افلاک وغیرہ اور زمین میں جو کچھ ہے، تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ملک اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کی تدبیر کے تابع ہیں۔وہ ان میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔اس حکومت میں ان کا ایک ذرہ بھی نہیں۔(تفسیر سعدی:419/1)

سوال2:اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف کیسے کروایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔《2》اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے معاملات میں جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے، وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، وہ حکمت اور عدل سے فیصلے کرتا ہے۔《3》اس کی رحمت کے دروازے

بندوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

سوال3: ﴿ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے'' کسی بندے کو، چاہے وہ نبی مرسل ہو یا ولی مکرم، یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کی قسمت کا فیصلہ کرے، اور کسی کو جنت میں بھیج دے اور کسی کو جہنم میں۔ (تیسیر الرحمٰن) ﴿2﴾ جب صورت حال یہ ہے تو وہ سب اس کی مغفرت اور اس کے عذاب کے درمیان ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کی مغفرت اس طرح فرماتا ہے کہ ہدایت دے کر اسلام میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا شرک معاف کر دیتا ہے۔ اور اس پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اسے گناہ ترک کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس طرح اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے'' وہ اس طرح کہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ انسان کا نفس ظالم اور جاہل ہے جو برائیوں کے ارتکاب کا تقاضہ کرتا ہے۔ چنانچہ انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کی سزا دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:419/1)

سوال4:﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنے اختیارات کی وسعت کا شعور دلایا ہے کہ وہ چاہے تو معاف کر دے، چاہے تو رحمت کر دے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے مالک کل ہونے کی وجہ سے یہ شعور دلایا ہے کہ مغفرت اور عذاب دونوں ہی اس کے اختیار میں ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات سے اپنی مغفرت اور مغفرت سے اپنی رحمت کا شعور دلایا ہے۔ وہ عذاب دے سکتا ہے پھر بھی اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے یقیناً وہ غفور ہے، رحیم ہے۔ ﴿3﴾ اس میں بہت بڑا اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی مغفرت اس کے مؤاخذہ پر غالب ہے۔ اس آیت میں مخلوق کی حالت بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور کسی کو عذاب دیتا ہے لیکن آیت کے آخر میں اس طرح کے دو اسمائے مبارکہ ذکر نہیں فرمائے کہ ایک سے اس کی رحمت ظاہر ہو اور دوسرے سے اس کا انتقام۔ پس اللہ تعالیٰ رحمت و احسان والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ایسے انداز سے رحمت فرمائے گا جو کسی انسان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا، نہ اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے دامن رحمت میں جگہ دے اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔ (آمین) (تفسیر سعدی:419,420/1)

رکوع نمبر 14

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (130) ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''(130)

سوال 1: اس آیت کا شانِ نزول بیان کریں؟

جواب: فریابی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لوگ وقت مقرر پر ادھار چیزوں کو فروخت کیا کرتے تھے۔ یہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض میں اضافہ کر دیتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(ابن ابی حاتم:759/3)

سوال 2: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے ہوں''اس مقام پر خاص طور پر سود کھانے سے روکنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی مالِ غنیمت کے لالچ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طمع کی سب سے زیادہ خوفناک شکل سود سے منع کیا ہے۔ ﴿2﴾ احد کی شکست کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان مال کی حرص میں مبتلا ہوئے۔ اپنے فرض کی ادائیگی کی بجائے مالِ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے مال کی محبت کی بنیاد پر ضرب لگائی ہے اور حکم دیا ہے کہ سود خوری سے باز آ جاؤ۔ لالچ اور دولت پرستی کی سب سے گھناؤنی صورت ''سود'' ہے۔ سود خور اپنے نفع کا دن رات حساب کتاب کرتا ہے اور راس روپے کی وجہ سے اس کے اندر روپے کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ ﴿3﴾ جہاد میں ''فشل'' نامردی کا ذکر ہوا ہے اور سود خوری سے قوم میں وہن اور بزدلی پیدا ہوتی ہے، خود غرضی اور بخل کا جذبہ فروغ پاتا ہے اور سود خور قوم جہاد کے قابل نہیں رہتی اور پھر انصار کے یہود کے ساتھ سودی لین دین کے تعلقات تھے اور احد میں منافقین اور یہود کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا۔ گویا اس کو حرام قرار دے کر ان تعلقات کو ختم کر دیا۔(اشرف الحواشی:80/1) ﴿4﴾ سود خوری نسلِ انسانی کو بے کار بنا دیتی ہے اور ایک ایسا گروہ پیدا کر دیتی ہے جو جماعت کے لیے نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ عوام میں جس قدر برائیاں پھیلتی ہیں وہ امراء کے گروہ کی بدولت پھیلتی ہیں۔ ان کی آسائشوں بھری زندگی عوام کے اخلاق کے لیے مستقل خطرہ ہے۔ اسلام جو اخلاق و اصلاح کا علمبردار ہے کیسے سود کی اجازت دے سکتا ہے! (سراج البیان:157/1)

سوال 3: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے ہوں'' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اے ایمان والو!'' کس بات پر دلالت کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں آتا ہے ''اے ایمان والو!'' فلاں کام چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان ہی وہ سبب ہے جو اس حکم کی اطاعت کا داعی اور موجب ہے اور اس نہی سے اجتناب کا باعث ہے کیونکہ ایمان ان تمام امور کی

تصدیق کامل کا نام ہے جن کی تصدیق واجب ہے اور اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہے۔ چنانچہ انہیں کئی کئی گنا سود کھانے سے منع کیا۔ (تفسیر سعدی:421/1) ﴿2﴾ آیت میں لفظ ''ایمان'' کے ساتھ خطاب اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا سود کو چھوڑ دینا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 207/1)

سوال4: ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوٓا﴾ ''سود نہ کھاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوٓا﴾ ''سود نہ کھاؤ'' اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ صرف کھاؤ نہیں بلکہ سود سے ہر طرح کا تصرف حرام ہے خواہ کھانا پینا ہو یا لباس ہر چیز اس میں شامل ہے۔ ﴿2﴾ ﴿الرِّبٰوٓا﴾ لغت میں اضافے کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس کی دو قسمیں ہیں: ربا فضل اور ربا نسیہ۔ ﴿3﴾ ربا الفضل: سونے، چاندی گندم، جو، کھجور وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اسی جنس سے بیع حرام ہے۔ یہ فضل یا زیادتی ہے۔ ﴿4﴾ اور دوسرا ربا نسیہ: کسی آدمی پر مدت مقررہ کے ساتھ قرض ہو تو مدت مقرر کرنا حلال ہے جب کہ اس قرض میں اضافہ نہ ہو اور اگر مہلت کے ساتھ قرض میں اضافہ ہو تو یہ ربا نسیہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:204,205)

سوال5: ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ''کئی گنا دگنے کیے ہوئے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ''کئی گنا دگنے کیے ہوئے ہوں'' جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ لوگ قرض کے لیے مہلت دیتے تو جتنی مہلت دیتے اتنا ہی قرض بڑھا دیتے، اس طرح قرض میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ (ایسر التفاسیر:204,205) ﴿2﴾ ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کے الفاظ سے بعض لوگوں نے سود مرکب کو حرام اور سود مفرد کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہاں اس زمانے کے سود خوروں کی سنگ دلی بیان ہو رہی ہے جو آج بھی موجود ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بہت سے لوگ دوسروں کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ جب قرضے کی میعاد ختم ہو جاتی تو مقروض سے کہتے کہ قرض ادا کرو ورنہ سود میں اضافہ کرو۔ قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں میعاد کی توسیع کر دی جاتی اور سود کی مقدار میں اضافہ کر دیا جاتا، اس طرح کچھ عرصہ کے بعد سود کی مقدار اصل زر سے بھی کئی گنا زیادہ ہو جاتی۔ سودی کاروبار کی اس بھیانک صورت حال کی طرف قرآن نے ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ مرکب سود حرام ہے اور مفرد جائز ہے۔ اسلام میں ہر قسم کا سود حرام ہے۔ (دعوۃ القرآن)

سوال6: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' سعید بن جبیر کا قول ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سود نہ کھاؤ۔ (ابن ابی حاتم:759/3) ﴿2﴾ ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' تم عذاب سے نجات پاؤ اور جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پا کر کامیاب ہو جاؤ۔ (ایسر التفاسیر:204,205)

سوال7: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' سود کھانے سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ

نے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾''اوراللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ'' سود سے متعلق آیتوں میں تین بار لفظ 'تقویٰ'' کو دہرایا گیا ہے، گویا سود نہ لینا تقویٰ کی اہم صفت ہے۔(تیسیر الرحمٰن:207/1)﴿2﴾اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اس کا خوف ہی وہ بنیاد ہے جو مومن کو اس کی اطاعت کے لئے تیار کرتی ہے۔﴿3﴾ تقویٰ کی وجہ سے مومن حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے، حق کو اپناتا ہے اور باطل کو رد کرتا ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو کامیابی کا باعث قرار دیا ہے یعنی تقویٰ اختیار کرنے پر ہی تم کامیاب ہو سکتے ہو۔

﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (131)﴾

''اوراس آگ سے ڈر جاؤ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''(131)

سوال1:﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾''اوراس آگ سے ڈر جاؤ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' کن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے؟

جواب:﴿1﴾''اوراس آگ سے ڈر جاؤ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ کبیرہ گناہ تو کفر کے خصائل ہیں جن کے حاملین کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔(تفسیر سعدی:422/1)﴿2﴾سعید بن جبیر اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے سود کھانے والوں کو آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔(ابن ابی حاتم:760/3)﴿3﴾امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ کہتے تھے کہ قرآن کریم میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اگر مسلمانوں نے تقویٰ کی راہ اختیار نہ کی تو اس آگ کا سامنا کرنا پڑے گا جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔(الاساس فی التفسیر:878/2)

سوال2:﴿وَاتَّقُوا النَّارَ﴾''اور آگ سے ڈر جاؤ'' سود اور آگ کا کیا تعلق ہے؟

جواب:﴿1﴾ایمان اور سودی نظام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔﴿2﴾سود اور آگ کا تعلق ہے کیونکہ وہ معاشرہ جہاں سودی نظام قائم ہوگا دین سے خارج تصور ہوگا اور اس کا انجام آگ ہے جسے کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔﴿3﴾اس مقام پر شدید تنبیہ کی گئی ہے جو چھپی ہوئی نہیں ہے۔مومنوں کو مخاطب کر کے نافرمانیوں سے بچنے کا حکم دیا گیا جب کہ اس نے علم دیا ہے کہ تقویٰ سے جدا ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ گے۔یہ بات تمام نافرمانیوں سے دور رکھتی ہے اور جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت ہے۔اللہ تعالیٰ نے وعید دی ہے مومنوں کو اس آگ کی جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب نہیں کریں گے۔(تفسیر المراغی:56/2)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے سود کھانے سے روکتے ہوئے دو دفعہ تقویٰ کا حکم دیا۔ایک بار یہ فرمایا:﴿ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴾''تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''اور دوسری بار آگ سے ڈرایا گیا،حکمت واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾ایک طرف تو امید دلائی گئی ہے کہ اگر سودی کاروبار چھوڑ دیں گے تو امید رکھ سکتے ہیں کہ کامیاب ہو جائیں۔اس لیے کہ کامیابی تقویٰ کی صورت مل سکتی ہے۔﴿2﴾دوسری طرف خوف دلایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو،جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو،عذاب جہنم کا خوف ہو،وہ ہرگز سود نہیں کھا سکتا۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے دل کے اندر امید کو ابھار کر اور خوف کو جگا کر اس کے ایمان کو بے دار کیا ہے،ایمان کو قوی کیا ہے تا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو کافرانہ اعمال سے بچا لے کیونکہ ایمان صرف زبانی دعوے کا نام نہیں،اس کا تقاضا ہے کہ اپنی زندگی کو ایمان کے رنگ میں رنگا جائے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے اپنی آگ کا خوف کیوں دلایا ہے،حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی آگ کا خوف دلانے سے پہلے اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی صحیح پہچان نہیں رکھتے ان کے لئے آگ خوف کا باعث بن سکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کا خوف دلایا ہے تا کہ لوگ سود کھانے سے بچ سکیں۔

سوال5:﴿ **أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ** ﴾''کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''اس آیت میں کافر کسے قرار دیا گیا ہے؟

جواب:﴿1﴾''کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''اس آیت میں کافر اسے قرار دیا گیا ہے جو حرام فعل یعنی سود خوری کا ارتکاب کرتا ہے۔﴿2﴾سود خوری کبھی آدمی کو کفر تک لے جا سکتی ہے۔(تیسیر الرحمٰن:207/1)

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ(132) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''(132)

سوال1:﴿ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''اس آیت کا پس منظر بیان کریں؟

جواب:''اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں:اس آیت میں ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس دن کے لیے بھی اور اس کے علاوہ بھی۔(جامع البیان: 94/4)

سوال2:﴿ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لئے کس چیز کی شرط عائد کی ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لئے اطاعت کی شرط عائد کی ہے کہ میری اور میرے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا

جائے۔《2》اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی اطاعت کرو تا کہ تم نیک مؤمن ہو جاؤ جن تک اللہ عزوجل کی رحمت پہنچتی ہے۔(واضح المیسر :148,149)

سوال3: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں فرمایا:《**لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**》''تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' اطاعت کے ساتھ رحمت کے تعلق میں حکمت کی وضاحت کریں؟

جواب: ایک مسلمان نے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تو ہر حال میں کرنی ہے لیکن سودی کاروبار سے روکنے کے بعد اس رحمت کے ذکر میں حکمت ہے۔《1》کسی ایسے معاشرے میں جہاں سودی کاروبار ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ممکن نہیں رہتی۔《2》سود کھانے والے کے دل میں اللہ تعالی کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ہی باقی نہیں رہتا۔《3》سودی کاروبار سے روکنے کے لیے یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کرسکتا ہے اگر تم اطاعت کے طریقے پر آجاؤ۔《4》اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی صورت میں ہی انسان پر رحم کیا جاسکتا ہے۔

《**وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ**(133)》

''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''(133)

سوال1:《**وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ**》''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو'' اللہ تعالیٰ نے جنت اور مغفرت کے لئے جلدی کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟

جواب: ''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو''《1》اللہ تعالیٰ نے ہلاکت اور بربادی سے بچانے کے لئے جنت اور مغفرت کے لئے جلدی کرنے کا حکم دیا ہے۔انسان مال و دولت کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے، لپکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی بھاگ دوڑ کا رخ جنت اور مغفرت کی طرف کیا ہے تا کہ مال و دولت کے پیچھے لگ کر انسان اپنی آخرت برباد کرنے سے بچ جائے۔《2》سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے قول《**وَسَارِعُوْٓا**》کے بارے میں کہا کہ اس سے مراد ہے کہ نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو۔(ابن ابی حاتم:761/3)《3》اس چیز کی طرف جلدی کرو جو مغفرت کا مستحق بنا دے جیسے اسلام، توبہ اور اخلاص ہے۔(تفسیر بیضاوی:92/2)《4》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنوں کے واقع ہونے سے پہلے تم نیک اعمال کی جلدی کرو۔صبح کو آدمی ایمان دار ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو ایمان دار ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا لوگ دین کو دنیا کے سامان کی خاطر فروخت کردیں گے۔''(جامع ترمذی:2195)《5》ابوسروعہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے مدینہ

میں عصر کی نماز پڑھی، پس آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور نہایت تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی بیویوں میں سے کسی کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔ لوگ آپ ﷺ کی اس تیز رفتاری سے گھبرا گئے (تھوڑی دیر کے بعد) آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی اس تیز رفتاری پر تعجب کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس (گھر میں سونے یا چاندی کی) ڈلی کا کچھ حصہ ہے، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ یہ (ڈلی) مجھے (اللہ تعالیٰ کی یاد سے) روک دے، اس لیے (میں نے جلدی جلدی جا کر) اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔'' (صحیح بخاری:851) ﴿6﴾ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے نبی ﷺ سے غزوۂ احد کے موقع پر پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میں کہاں جاؤں گا؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں'' انھوں نے کھجور پھینک دی جو ان کے ہاتھ میں تھی اور لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (صحیح بخاری:4046) ﴿7﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے دن ایک تلوار لے کر فرمایا: ''مجھ سے یہ تلوار کون لے گا؟'' پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھوں کو یہ کہتے ہوئے دراز کیا: میں، میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پہ کون لیتا ہے؟'' (یہ سنتے ہی) لوگ پیچھے ہٹ گئے تو سیدنا سماک بن خرشہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پہ لیتا ہوں۔'' پس انہوں نے یہ تلوار لے لی اور اس کے ساتھ مشرکین کی کھوپڑیاں پھوڑ دیں۔ (صحیح مسلم:6353)

سوال2: ﴿وَسَارِعُوْٓا﴾ ''اور دوڑو'' اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی بجائے جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو'' اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی بجائے جلدی کرنے کا حکم دے کر یہ یقین دلایا ہے کہ تم اکیلے اس راستے کے مسافر نہیں ہو کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس انعامی مقابلے میں شریک ہیں۔ جیسا کہ ربّ العزت نے فرمایا: ﴿2﴾ ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ (البقرۃ:148) ﴿3﴾ اسی طرح فرمایا: ﴿وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں۔ (المطففین:26) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے مسابقت کا جذبہ بیدار کیا ہے کہ اتنے زبردست انعام کے لیے جلدی کرو تاکہ انعام کے حق دار بن جاؤ۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جنت یونہی نہیں مل جائے گی۔ اس کے لیے محنت مشقت اور بھاگ دوڑ ناگزیر ہے۔ ﴿6﴾ رب کی مغفرت اور جنت کی طرف استغفار، توبہ اوراعمال صالحہ کے ساتھ دوڑو۔ (تفسیر القاسمی:228/4)

سوال3: ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ ''جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے'' ابن کثیر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہا گیا ہے ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ جنت بے حد فراخ ہے جب اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو لمبائی کیا ہو گی؟ (مختصر ابن کثیر:2/1572) ﴿2﴾ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ دوڑو اپنے ربّ

کی مغفرت اوراس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے۔(الحدید:21)﴿3﴾مسند احمد میں ہے کہ ہرقل نے نبی ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟(تفسیر ابن کثیر:463/1)

سوال4: ﴿ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے''یعنی اس وقت موجود ہے۔اس آیت کے توسط سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جنت اور دوزخ تیار کی جاچکی ہیں اوراس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس بات کے قائل نہیں۔(تیسیر القرآن:307/1)﴿2﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے'' متقی وہ ہیں جو نہ واجب کو ترک کر کے اور نہ حرام کام انجام دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:206)﴿3﴾یقیناً جنت متقیوں ہی کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

سوال5: جنت کا راستہ، مغفرت اور خطا بخشی کا راستہ ہے،اس کے لیے مومن کو کس یقین کی ضرورت ہے؟

جواب: ﴿1﴾اس کے لیے مومن کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کی ضرورت ہے۔﴿2﴾اس کے لیے مومن کو جنت کے یقین کی ضرورت ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی آگ پر یقین کی ضرورت ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کی ضرورت ہے۔﴿5﴾اس یقین کے ساتھ انسان جنت کے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے۔

سوال6: مومن کے اندر اس یقین کی وجہ سے کون سے رویے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: اس یقین کی وجہ سے مومن کے اندر جو رویے پیدا ہوتے ہیں ان کا تذکرہ اگلی آیت 134 میں کیا گیا:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر حال میں مال خرچ کرنا خواہ بدحالی ہو یا خوش حالی۔﴿2﴾اپنے غصے کو پی جانا۔﴿3﴾دوسروں کے قصور معاف کر دینا۔﴿4﴾اگر فحش کام سرزد ہو جائے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو فوراً ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔﴿5﴾اپنے گناہوں پر استغفار کرنا۔﴿6﴾جان بوجھ کر گناہ پر اصرار نہ کرنا۔

سوال7: ﴿ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ جنت کی قیمت ہے،اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے'' تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا حقیقی ڈر نفس کی وہ کیفیت ہے جس کے پیدا ہونے کی وجہ سے انسان مادّی دنیا اور خواہشات میں گھرے رہنے کے باوجود اپنی آخرت کی فکر میں رہتا ہے، آخرت کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر تقویٰ نہ ہو تو انسان اس دنیا سے آگے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔اس اعتبار سے تقویٰ ہی وہ قیمت ہے جس کو ادا کر

کہ انسان جنت کے راستوں پر چل سکتا ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (134) ﴾

''وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''(134)

سوال1: ﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾''وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں'' خوشی اور تکلیف میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾''وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں'' خوشی میں مال خرچ کرنے والے کے اندر مال کی وہ حرص نہیں ہوتی جو سود خور کے اندر ہوتی ہے۔﴿2﴾ خوشی میں مال خرچ کرنے والے کا مال کے بارے میں نقطۂ نظر درست ہو جاتا ہے۔ اسے کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی جگہ مال خرچ کرنے سے نہیں روکتا۔ وہ ہر قسم کی نیکیوں پر اپنا مال خرچ کرتا رہتا ہے۔﴿3﴾ خوشی میں مال خرچ کرنے والا تکبر میں مبتلا ہو کر غافل نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں خوش ہو یا مغموم، صحت مند ہو یا بیمار، مال دار ہو یا نادار اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتا ہے۔﴿4﴾ خوشی میں مال خرچ کرنے والے کو خوشی اس کا مقصد زندگی نہیں بھلاتی اور تکلیف میں مال خرچ کرنے والا مقصد زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔﴿5﴾ خوشی اور تکلیف میں مال خرچ کرنے والوں کو ہر حال میں اپنی ذمہ داریوں کا شعور رہتا ہے۔ سخاوت ایک مزاج ہے جس کا تعلق مال داری سے نہیں جسے سخاوت کا مزاج نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں خرچ کرتا ہے۔

سوال2: انسان اپنے آپ کو مال کی محبت اور حرص سے کیسے آزاد کروا سکتا ہے؟

جواب: انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے بخیل ہے۔ اس کے اندر دولت کی طبعی محبت موجود ہوتی ہے۔ اسے صدقات کے طریقے پر عمل پیرا ہونے اور قائم رہنے کے لیے ہر وقت ایک مضبوط جذبے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مضبوط جذبہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا سب کچھ لگا دینے کا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا سب کچھ تب ہی قربان کر سکتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہو اور اس کی ناراضگی کا شدید خوف ہو۔ محبت اور خوف ہی ایسی قوتیں ہیں جن سے انسان اپنے آپ کو مال کی محبت اور حرص سے آزاد کروا سکتا ہے۔ یہ دراصل تبدیلی ہے۔ مال کی محبت کی جگہ اللہ تعالیٰ کی محبت لے لیتی ہے۔ مال کی حرص کی جگہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی حرص جگہ بناتی ہے۔ یہ کام خود سے خود نہیں ہوتا۔ اس کے لیے شعوری کوشش کرنی پڑتی ہے مثلاً محبت اور خوف کے لیے اللہ تعالیٰ کی پہچان کی ضرورت ہے اور اس پہچان کے لیے غور و فکر کی۔ ایک غور و فکر کرنے والے کے لیے دنیا کی ہر چیز ایمانی رزق بن جاتی ہے۔ جو انسان شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محسوس کرتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہے۔ جتنا یہ تعلق بنتا جاتا ہے، پہلے سے موجود تعلقات میں اتنی ہی کمی آتی جاتی ہے اسی وجہ سے مال سے اس کا تعلق کمزور

پڑ جاتا ہے۔

سوال3: دومحبتیں (اللہ تعالیٰ کی محبت اور مال کی محبت) ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ہرمحبت انسان کی زندگی کا رخ متعین کرتی ہے۔انسان کی ساری سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں اور رویوں میں واضح فرق آجاتا ہے۔

مال کی محبت میں گرفتار انسان	اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا
(1) رات دن اس فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس کا مال دوگنا چوگنا ہوجائے۔	(1) رات دن اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگاتا ہے۔
(2) دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے مال بڑھاتا ہے۔	(2) آخرت میں کامیاب ہونے کے لیے اپنے دنیا کے مال کو گھٹاتا ہے۔
(3) اس کا اصل سرمایہ مال کی محبت ہے۔	(3) اس کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔
(4) اسے دنیا کے نفع کا شوق ہے۔	(4) اسے آخرت کے نفع کا شوق ہے۔
(5) اسے دنیا کے نقصان کا ڈر لگا رہتا ہے۔	(5) اسے آخرت کے نقصان کا ڈر لگا رہتا ہے۔
(6) دنیا میں بےقید (آزاد) زندگی گزارتا ہے۔	(6) دنیا میں پابند زندگی گزارتا ہے۔
(7) اپنی ضروریات کی طرف پوری توجہ لگی رہتی ہے۔	(7) اللہ تعالیٰ کے دین کی ضرورت کو اپنی ضرورت بنالیتا ہے۔
(8) ہر کام دنیا کے لوگوں کی خوشی اور اپنی خوشی کے لیے کرتا ہے۔	(8) ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔
(9) دنیا کی نظروں میں پسندیدہ بننا چاہتا ہے۔	(9) اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ سے زیادہ پسندیدہ بننا چاہتا ہے۔
(10) غصہ آجائے تو پھٹ پڑتا ہے۔	(10) غصہ آجائے تو برداشت کرتا ہے۔
(11) کسی سے شکایت ہو تو بدلہ لیتا ہے۔	(11) کسی سے شکایت ہو تو معاف کردیتا ہے۔
(12) غلطی ہوجائے تو احساس ہی نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کبھی یاد ہی نہیں آتا۔	(12) غلطی ہو تو چونک پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے۔
(13) اپنی غلطیوں اور گناہوں کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔	(13) اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہے کہ وہ معاف کردے، اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے۔

(14) مال دنیا میں ہی رہ جاتا ہے اور جب اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا۔ اس وقت اسے پتہ لگتا ہے: مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ آج میرا مال میرے کام نہ آیا۔ میری سب حجت بازی مجھ سے ختم ہوگئی۔ (الحاقہ:28.29)	**(14)** اللہ تعالیٰ ایسی جنتیں عطا کرتا ہے جن کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے۔

سوال 4: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ ''اور غصے کو پینے والے'' غصہ کیا ہے؟

جواب: غصہ ایک ردِعمل ہے۔ اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ انسان کے خون میں گرمی پیدا ہوجاتی ہے اور انسان کے افعال اس کے قابو میں نہیں رہتے۔ چہرے پر اس کے آثار نظر آتے ہیں، آنکھیں چڑھنے لگتی ہیں، نتھنے پھولنے لگتے ہیں، سانس پھولنے لگتا ہے اور انسان کی زبان بلا روک ٹوک بولنے لگتی ہے۔ غصہ بڑھ جانے کی صورت میں انسان توڑ پھوڑ بھی کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ ایسی حالت میں بعض اوقات لوگ دوسروں کو قتل تک کر ڈالتے ہیں۔ کئی شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔ کچھ لوگ بیوی بچوں کی پٹائی کر ڈالتے ہیں۔ غرض انسان غصے میں انسان نہیں رہتا۔

سوال 5: غصے کو پینے کی کون کون سی صورتیں ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان دوسرے سے انتقام لینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ظاہری طور پر غصہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے لیکن اندر حسد بن کر چھپ جاتا ہے اور دل کے اندر گہری دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔ ﴿2﴾ غصے کو دل میں چھپانے سے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ دل کے اندر کینے کی آگ سلگنے لگتی ہے۔ ﴿3﴾ انسان دوسروں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہو لیکن دل وجان سے معاف کردے اور درگزر کردے تو دل پر غصے کی وجہ سے جو پردہ پڑتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے۔ انسان کا دل مطمئن ہوجاتا ہے، ضمیر پرسکون ہوجاتا ہے اور روح ہلکی پھلکی ہوجاتی ہے۔

سوال 6: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں'' غصے کو پینے کی کون سی صورت افضل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ غصے کو پینے کی افضل صورت یہ ہے کہ غصہ آئے تو معاف کردیں، درگزر کریں اور دل میں کینہ نہ رکھیں۔ ﴿2﴾ غصے کو پینے والے لوگوں کی برائیوں اور زیادتیوں کو معاف کردیتے ہیں۔ غصے میں آپے سے باہر ہونا تو درکنار غصے کو ظاہر بھی نہیں ہونے دیتے۔

سوال 7: مومن غصے کو کنٹرول کیسے کرسکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ غصہ پینے پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید باندھنے والا باذن اللہ غصے کو کنٹرول کرسکتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان غصہ میں مجھے یاد کرلیا کرو جب مجھے غصہ آئے گا تو تم مجھے بھی یاد آجاؤ گے اور میں ہلاک کرنے والوں کے ساتھ تجھے ہلاک نہیں کروں گا۔ (ابن ابی حاتم) ﴿3﴾ جب غصہ دلایا جا رہا ہو تو انسان اپنے شعور کے دروازے کھلے رکھے۔ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اس لیے کہ

غصہ شیطانی فعل ہے، جب غصہ آجائے تو: (i) پانی پی لے، یہ غصے کی آگ کو بجھاتا ہے۔ (ii) اپنی حالت بدل لے یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح غصہ چلا جائے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (مشکوۃ:434) (iii) جگہ بدل لے یعنی اس جگہ سے اٹھ جائے یا چلا جائے چاہے تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو۔ (iv) وضو کر لے، یہ طریقہ انتہائی مفید ہے۔ اس میں حالت بھی بدلتی ہے، جگہ بھی بدلتی ہے اور سوچ بھی بدلتی ہے۔ انسان اپنے منہ میں اور ناک میں اور مختلف اعضاء پر پانی ڈالتا ہے جس کی وجہ سے سکون ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو کیفیت بدل جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ غصہ شیطان سے ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے سو تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وضو کرے۔ (سنن ابوداؤد) ﴿4﴾ غصہ آنے کے بعد جب کنٹرول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے اور جس پر غصہ آیا ہو اس کو معاف کر دے۔

سوال8: غصے کے بارے میں نبی ﷺ کی احادیث بیان کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلوان وہ نہیں جو کشتی لڑنے میں غالب آجائے بلکہ اصلی پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پالے۔'' (بخاری:6114) ﴿2﴾ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے کچھ وصیت کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے۔ (مسند احمد: 373/5) ﴿3﴾ سیدنا سہل بن معاذ نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی ضبط کر لے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی حورعین میں سے جسے چاہے منتخب کر لے۔ جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کی وجہ سے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا۔ جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا۔'' (ابوداؤد:4777) ﴿4﴾ جس نے قدرت کے باوجود غصہ پی لیا اللہ تعالیٰ اس کا سینہ نور اور ایمان سے بھر دیں گے۔

سوال9: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں'' دوسروں کے قصور معاف کرنا کب آسان ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں'' دوسروں کے قصور معاف کرنا تب آسان ہوتا ہے جب مومن اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید باندھتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، یہ غلطی مجھ سے ہو جاتی تو مجھے دوسرے سے کیا توقع ہوتی۔ ﴿2﴾ جب مومن یہ سوچتا ہے کہ میں دن رات خطائیں کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہوں تو اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ جب مومن یہ سوچتا ہے کہ معاف کر دینے کا اجر بہت بڑا ہے۔ ﴿4﴾ جب مومن یہ سوچتا ہے کہ معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

سوال10: عفوودرگزر کے بارے میں تین احادیث لکھیں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور بندے کے معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتا ہے۔''(مسلم:6592)﴿2﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مہربان ہو جاؤ تمہارے اوپر مہربانی کی جائے گی۔تم معاف کرو تمہیں بخش دیا جائے گا۔(مسند احمد:6541)﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم خادم کو کس قدر معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔اس نے پھر سوال کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے۔پھر جب تیسری بار پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ہر روز ستر بار معاف کرو۔(ابوداؤد:5164)

سوال11: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾''اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''اس کا مومن پر کیا اثر ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''اس اعلان محبت کی وجہ سے مومن کے دل سے نیکی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔﴿2﴾ مومن کے دل میں نیکی کے لیے جوش وخروش پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے لیے عفوودرگزر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔﴿3﴾ اس خوشی میں مومن کے دل میں اپنے بھائی کے لیے حسد اور کینہ نہیں رہتا۔﴿4﴾ اس کی وجہ سے ایمان کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے، آپس میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔اس سے ایک جماعتی زندگی کا احساس بے دار ہوتا ہے جس میں عفوودرگزر عام ہوتا ہے۔

سوال12: محسن سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ محسن سے مراد ہے احسان کرنے والا ہے۔﴿2﴾ جو معاملات کو خوبی کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔﴿3﴾ محسن سے مراد مخلص ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے ہر عمل کو خالص کرتے ہیں۔﴿4﴾ احسان کی دو قسمیں ہیں: [i] اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں احسان۔ [ii] اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ احسان۔

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ(135)﴾

''وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔''(135)

سوال1:﴿ **وَالَّذِيْنَ اِذَافَعَلُوْافَاحِشَةً** ﴾" وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿ **وَالَّذِيْنَ اِذَافَعَلُوْافَاحِشَةً** ﴾ ہر برے اور بے شرمی کے کام کو فحش کہتے ہیں۔فحش گوئی،فحش بینی،فحش سننا،میل ملاقات میں اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال نہ رکھنا،لباس میں حیاء کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا،ارادتاً فحش گو بننا مثلاً مسخرہ پن وغیرہ۔

سوال2: فحش کے بارے میں نبی ﷺ کی تین احادیث لکھیں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں بے ہودگی ہوگی اسے عیب دار کردے گی اور جس چیز میں حیا ہوگی اسے وہ خوب صورت بنادے گی۔(ترمذی:1974)﴿2﴾ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن نہ طعن و تشنیع کرتا ہے، نہ لعنت اور نہ فحش کلامی کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بدزبان۔(ترمذی:1977)

سوال3: انسان سے فحش کام کب سرزد ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ جب انسان کو موت اور آخرت کی زندگی یعنی اپنا حساب کتاب یاد نہ رہے۔﴿2﴾ جب انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو۔﴿3﴾ محفل میں بیٹھے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا جارہا ہو۔﴿4﴾ جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پھیکا پڑ جائے۔﴿5﴾ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا شعوری احساس نہ رہے۔

سوال4:﴿ **اَوْظَلَمُوْٓااَنْفُسَهُمْ** ﴾" یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں" اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:" یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں" واجب کو چھوڑ کر یا حرام کام کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔(ایسرالتفاسیر:206)

سوال5: انسان اپنے اوپر ظلم کرنے سے کیسے رک سکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اپنی موت کو یاد کر کے۔﴿2﴾ اپنے انجام کو یاد کر کے۔﴿3﴾ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھ کے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچ کے۔

سوال6:﴿ **ذَكَرُوااللّٰهَ** ﴾" وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب:" وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں" اس کے وعدوں اور وعیدوں، اور اس کے امر و نہی اور اس کی عظمت وجلال کو یاد کرتے ہیں۔(تفسیر منیر:2/ 407)

سوال7: ﴿ **فَاسْتَغْفَرُوْالِذُنُوْبِهِمْ** ﴾" پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں" اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کون مانگ سکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾" پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں" اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی وہ مانگ سکتا ہے جس سے اگر کوئی گناہ

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اور فوراً اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ ﴿2﴾ اکثر محدثین نے کہا ہے کہ اس سے مراد محض زبان سے استغفار نہیں ہے استغفار تو خالص توبہ ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی وہ مانگ سکتا ہے جس کے اندر تکبر نہ ہو۔ ﴿4﴾ جو اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہو۔ ﴿5﴾ جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف کر سکتا ہے۔

سوال 8: ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی گناہ کرے، پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (مسند احمد) ﴿2﴾ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے **اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے۔ ﴿3﴾ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سنت کے مطابق وضو کیا پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم) ﴿4﴾ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ ابلیس نے اپنے رب سے کہا: تیری عزت وجلال کی قسم! میں بنی آدم کو جب تک ان کی سانس چلتی رہے گی گمراہ کرتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت چاہتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔ (مسند احمد) ﴿5﴾ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا: مجھ سے گناہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: توبہ کر لے۔ اس نے کہا: میں نے توبہ کی، پھر گناہ ہو گیا۔ فرمایا: پھر توبہ کر لے۔ اس نے کہا: مجھ سے پھر گناہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر استغفار کر۔ اس نے کہا: مجھ سے اور گناہ ہوا۔ فرمایا: استغفار کئے جا یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔ پھر فرمایا: گناہ کو بخشنا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 466/1) ﴿6﴾ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا: یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد ﷺ کی طرف توبہ نہیں کرتا یعنی اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے حق دار کو پہنچایا۔ (تفسیر ابن کثیر: 466/1) ﴿7﴾ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا: لوگو تم اوروں پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔ لوگو تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ باتیں بنانے والوں کی ہلاکت ہے، گناہ پر جم جانے والوں کی ہلاکت ہے۔ (مسند احمد)

سوال 9: ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے'' اپنے گناہ پر اصرار کون کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے'' اصرار کے معنی ہیں گناہ پر توبہ نہ کرنا بلکہ اڑ جانا، بے نیازی سے

گناہ کرتے جانا اور ان پر پشیمانی کا اظہار کر کے توبہ نہ کرنا، دل کی سچائی سے توبہ کرنے کے بعد گناہ ہو جائے تو اسے اصرار نہیں کہتے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں بے باکی کے ساتھ غرق ہو جانے والا اصرار کرتا ہے۔﴿3﴾ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگ لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا چاہے وہ دن میں سو بار اس کا ارتکاب کرے۔ (جامع ترمذی:3559)﴿4﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اصرار سے بچو، ماضی میں اصرار کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف اس حرام سے نہیں روکتا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا، اور وہ گناہ پر توبہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی تھی۔ (جامع البیان:4/101)

﴿ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ(136) ﴾

''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا!''(136)

سوال1: ﴿ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں'' اللہ تعالیٰ ایک خطا کار انسان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں'' اللہ تعالیٰ انسان کی شخصی کمزوریوں سے واقف ہے کہ اس سے غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ وہ اس کی کمزوریوں کا لحاظ کرتا ہے تاکہ اس کے اندر مایوسی پیدا نہ ہو اور امید کا دیا روشن رہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ انسان کے میلانات سے واقف ہے۔ اگر اس کے اندر حیوانی میلانات ہیں تو دوسری طرف اس کے اندر رب کی طرف جھکنے کا رجحان بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ گندگی میں مبتلا ہونے پر اس کو اوپر اٹھاتا ہے، اس کے پھسلنے پر اسے تھپکی دیتا ہے، گرنے پر اسے اٹھاتا ہے اور اس شرط پر کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور جان بوجھ کر اپنی غلطی پر نہ اڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

سوال2: توبہ کا دروازہ کھول کر اللہ تعالیٰ نے خطا کاری کا دروازہ کیسے بند کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول کر شرمندہ ہونے والے انسان کی حوصلہ افزائی کی ہے، گناہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کے لیے آمادہ کرتا ہے لیکن گناہوں کے سلسلے میں لاپرواہی کی اجازت نہیں دیتا۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ مسلسل خطا کاری کو شعار بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔﴿4﴾ یہ دین اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے توبہ کا دروازہ کھولتا ہے۔ کمزور مخلوق وقتی طور پر برائیوں اور گمراہیوں کے گڑھے میں کیوں نہ جا گرے، خطاؤں میں، گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان کو یہ دین بے آسرا نہیں چھوڑتا، اپنے انجام کے بارے میں

مایوس بھی نہیں چھوڑتا۔اسے ہر وقت مغفرت کی امید دلائی جاتی ہے۔اس کی راہ نمائی کی جاتی ہے،اس کو سہارا دیا جاتا ہے۔اس کو گناہ گارانہ زندگی چھوڑنے کے لیے امید دلائی جاتی ہے اور اس طرح اسے راستہ مل جاتا ہے۔وہ اپنے گناہوں سے باہر آنے کے لیے استغفار اور امید کا دامن تھام لیتا ہے اور یوں گناہوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

سوال 3: غزوۂ احد کے واقعات کے درمیان مسلمانوں کی نفسیاتی خصوصیات پر بات کی گئی۔ان نفسیاتی خصوصیات کی کیا اہمیت ہے؟اور اس مقام پر ان کا تذکرہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ان صفات کا غزوۂ احد یعنی اسلام اور کفر کی جنگ سے گہرا تعلق ہے۔ان کے درمیان خاص مناسبت ہے۔جیسے سود خوری کی وجہ سے میدان جنگ میں مسلمانوں نے شکست کھائی تھی یعنی مال غنیمت کی حرص کی وجہ سے تیر اندازوں نے درّہ چھوڑ دیا تھا اور فتح شکست میں بدل گئی تھی،اسی طرح دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات پر فتح حاصل کرنا ضروری ہے۔

اپنی ذات پر فتح پانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے:

(End Result)نتیجہ	(Struggle) کوشش
(1) کنجوسی پر فتح یاب ہونا	(1) ہر حال میں مال خرچ کرنا (خوش حالی اور تنگ دستی میں)
(2) غصے پر فتح پالینا	(2) غصے پر قابو پا کر لوگوں کو معاف کر دینا۔
(3) نفس پر فتح پانا	(3) بے حیائی یا گناہ کا کام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یاد آ جانا۔
(4) گناہ کرنے کی بجائے کنٹرول کر لینا	(4) Alarming system کا activate ہونا جس کی وجہ سے گناہوں کا بر وقت احساس ہوتا ہے۔اس شدید احساس سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔
(5) خواہش پر فتح پانا	(5) خواہشات خطاؤں کی طرف لے جانے لگیں تو پلٹ آنا۔
(6) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا	(6) خطاؤں اور گناہوں پر اصرار کی بجائے شرمندہ ہونا،اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا، گناہوں کی طرف لپکنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا۔
(7) تکبر پر فتح پانا	**(7)** اپنی ذات کی بے بسی کی طرف توجہ کرنا اور عاجزی کی روش اختیار کرنا۔
(8) اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار رہنا	**(8)** دنیا طلبی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار رہنا۔
(9) نفس کی رضا پر فتح پالینا۔	**(9)** خواہشات نفس پر کنٹرول پا کر،اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کی کوشش کرنا،اس کی قدرتوں کو شعوری طور پر محسوس کر کے اور اپنے آپ کو ہر وقت اس کی گرفت میں سمجھتے ہوئے۔

(10)اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہونا	(10)اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کو ہی اپنے لیے سب سے زیادہ ضروری خیال کرنا۔

یہ جنگ مومن کے اندر جاری رہتی ہے۔وہ اپنے اوپر فتح یاب ہوتو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر بھی فتح حاصل کر لیتا ہے۔

سوال 4: اسلام دشمنی کے بنیادی اسباب کیا تھے جن کی بناء پر غزوۂ احد میں قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے؟

جواب: اسلام اور کفر کے درمیان بنیادی فرق عقائد اور رویوں کا تھا جو ان کے ماننے والوں کے درمیان تھا۔اس فرق کا ہم موازنہ کر سکتے ہیں:

(کفر) کافر	(اسلام) مسلمان
1۔خواہش پرست	1۔خدا پرست۔اپنی خواہشات کو کنٹرول کرنے والے۔
2۔اپنی ذات اور اپنی زندگی کے نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات، اس کی شریعت اور اس کے پسندیدہ نظام زندگی کے پیروکار نہیں تھے۔	2۔اپنی ذات اور اپنی زندگی کے نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات، اس کی شریعت اور اس کے پسندیدہ نظام زندگی کے پیروکار تھے۔
3۔اللہ تعالیٰ کے نافرمان۔	3۔اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار۔
4۔اللہ کے رسول ﷺ کے دشمن۔	4۔اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے۔
5۔خطا کار، گناہ گار۔	5۔گناہ کرنے کے مقابلے میں ضبط کرنے والے۔
6۔بے حیا۔	6۔بے حیائی کے کاموں سے رکنے والے۔
7۔غصے کے بعد انتقام میں اندھے ہو جانے والے۔	7۔غصے پر قابو پا کر لوگوں کو معاف کر دینے والے۔
8۔اپنی خواہشات کی طرف رجوع کرنے والے۔	8۔اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے۔
9۔اپنی اور اپنے جیسے انسانوں کی رضا کو نصب العین بنانے والے۔	9۔اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو نصب العین بنانے والے۔
10۔بخل کی نمائندگی کرنے والے۔	10۔کنجوسی پر فتح یاب ہونے والے۔

مسلمانوں اور کافروں میں دشمنی کی یہی بنیادی وجوہات ہیں اور یہی وجوہات تھیں جن کی بناء پر معرکہ آرائی ہوئی تھی۔رہتی دنیا تک اسلام اور کفر کے درمیان انہی بنیادوں پر جنگ جاری رہے گی۔

سوال5: ﴿ أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغۡفِرَةٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَجَنَّٰتٞ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے'' توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت اور جنت ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ ﴿2﴾ جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی، جہاں کوئی دکھ، کوئی غم، کوئی حسرت، کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ﴿3﴾ جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، کبھی دلیس نکالا نہیں دیا جائے گا۔ ﴿4﴾ جہاں کی نعمتوں کو کبھی زوال نہیں آئے گا، جہاں کسی کی خوشیوں کو غم نہیں ڈسیں گے، جہاں کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، جہاں کسی کی جوانی کو کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سوال6: ﴿ وَنِعۡمَ أَجۡرُ ٱلۡعَٰمِلِينَ ﴾ ''اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے!'' مقاتل بن حیان کا قول ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کا بدلہ جنت ہے۔ (فتح القدیر: 486/1) ﴿2﴾ ﴿ أَجۡرُ ٱلۡعَٰمِلِينَ ﴾ ''عمل کرنے والوں کا بدلہ'' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تھوڑا عمل کیا مگر ان کو بہت زیادہ اجر عطا ہوا۔ مشقت برداشت کرنے کے بعد ہی راحت کی امید ہوتی ہے اور جزا کے وقت ہی عمل کرنے والوں کو اپنے عمل کا پورا اور وافر بدلہ عطا ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 424/1)

﴿ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِكُمۡ سُنَنٞ فَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱنظُرُواْ كَيۡفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلۡمُكَذِّبِينَ (137) ﴾

''تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں، سو تم زمین میں چل کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔'' (137)

سوال1: ﴿ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِكُمۡ سُنَنٞ ﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں'' ﴿ سُنَنٞ ﴾ سنت کی جمع ہے۔ وہ سیرت اور طریقہ ہے جس پر فرد اور جماعت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنن سے مراد اپنی مخلوق کے بارے میں اس کے طریقے اور اس کا قانون ہے جو ماضی میں مخلوق کے بارے میں جاری رہا۔ (ایسر التفاسیر: 208) ﴿2﴾ یہاں پہلے لوگوں کے طریقے سے مراد رسولوں کو جھٹلانا، ان کے احکامات کی نافرمانی کرنا ہے۔ ﴿3﴾ مجاہد کا قول ہے: ﴿ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِكُمۡ سُنَنٞ ﴾ سے مراد کافروں اور مومنوں اور خیر و شر کے طریقے ہیں۔ (جامع البیان: 104/4)

سوال2: اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا میں لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس دنیا میں لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ ان کی روح خالص ہو جائے۔ ﴿3﴾ ان کے صبر کو آزمایا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے ان پر مصیبتوں اور آزمائشوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ ﴿4﴾

جوصبر سے کام لیتے ہیں انہیں فتح نصیب ہوتی ہے۔﴿ 5 ﴾اور جولوگ حق کوجھٹلاتے ہیں اور کفر کا رویہ اختیار کرتے ہیں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے۔

سوال3: ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں''مسلمانوں کو یہ بات کیوں کہی گئی؟

جواب: ''تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں''مسلمانوں نے غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔آپ ﷺ نے تیراندازوں کوغزوۂ احد میں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پرمقرر فرمایا تھا اس مقصد کے لئے کہ جو گھڑسوار ادھر سے آئیں انہیں پیچھے دھکیل دیں اور فتح ہو یا شکست اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔پھر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو اس دستے کے افراد میں اختلاف ہوگیا۔ان میں سے ایک گروہ کا یہ خیال تھا کہ اب جنگ ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہاں رہنا ضروری نہیں۔وہ درّے سے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے دس افراد باقی رہ گئے۔اس موقعے سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کردیا۔اس موقعے پراللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جوکچھ ہوا ہے نئی بات نہیں،اس سے پہلے بھی لوگ رسولوں کوجھٹلاتے رہے ہیں۔

سوال4: ﴿ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ ''سوتم زمین میں چل کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا''اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''سوتم زمین میں چل کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا''اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ ہلاک ہونے والوں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔

سوال5: ﴿ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ ''سوتم دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا''اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کے انجام کی طرف توجہ کیوں مبذول کروائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کا انجام اس لئے سامنے رکھا ہے تاکہ لوگ رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے سے بچ جائیں۔

سوال6: گزشتہ اقوام کا انجام دیکھنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

جواب: ﴿ 1 ﴾زمین پر انسانی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس زمین پر واقعات کے فیصلے کس بنیاد پر ہوتے ہیں۔﴿ 2 ﴾انسان کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام کس قدر پختہ ہے جس کے تحت یہ واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔﴿ 3 ﴾یہ پتہ چلتا ہے کہ ان واقعات کی روانی میں آئندہ کے لیے کیا لائن ہے۔﴿ 4 ﴾اب اللہ تعالیٰ کی ہدایات آجانے کے بعد مسلمانوں کی جانب سے ایسے واقعات ہونے چاہئیں کہ انہیں کامیابی حاصل ہو اور مسلمانوں کی طرف سے پہلا کام اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔﴿ 5 ﴾ یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغمبروں کوجھٹلانے والوں کا جوانجام کل ہوا تھا وہی انجام آج بھی طے ہے تاکہ امت کے افراد اپنے انجام کے بارے میں

مطمئن اور یک سو ہو جائیں اور جھٹلانے والوں کے ساتھ پھسل نہ جائیں۔ ﴿6﴾ کوئی قوم ایسی نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ایک خبردار کرنے والا گزرا ہے۔ (فاطر:24) ﴿7﴾ جب تک کوئی قوم اپنے پیغمبر کی تعلیمات پر عمل پیرا رہتی ہے تو یہ اس کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے اور جب یہی قوم عیش و عشرت اور فحاشی و بے حیائی اور معصیت کے کاموں میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کا نام ان کی زبان میں تہذیب ہوتا ہے تو اس پر بتدریج زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن:310/1)

﴿ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ(138) ﴾

''لوگوں کے لیے یہ بیان ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔'' (138)

سوال1: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے یہ بیان ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''لوگوں کے لیے یہ بیان ہے'' ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ تاریخی واقعات جو قرآن حکیم میں بیان ہو رہے ہیں، عام لوگ جن کے پاس کوئی علمی ذخیرہ نہیں ہے ان کے لیے تو علمی بیان ہے۔ یہ قرآن انسانیت کے لیے ایک دوررس انقلاب ہے اور جب تک یہ قرآن بیان نہ کیا جائے یہ انقلاب نہیں آ سکتا۔ ﴿2﴾ ''لوگوں کے لیے یہ بیان ہے'' اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو جنگ کرنے کے لیے آئے تھے اور عام مکذبین بھی۔ (انوارالبیان:553/1) ﴿3﴾ یہ واضح دلیل ہے جو لوگوں کے سامنے حق کو باطل سے واضح کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی:425/1)

سوال2: ﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے'' اس لیے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے دل ہدایت کے لیے کھلے ہوتے ہیں، وہی ہدایت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ ﴿2﴾ سچائی اور حق کو قبول کرنے کے لیے ہدایت اس صورت میں مل سکتی ہے جب دل ایمان اور یقین سے بھر جائے۔ ﴿3﴾ ایمان اور تقویٰ ہی سے انسان حق کے راستے کی تکلیفیں برداشت کر سکتا ہے۔

سوال3: قرآن حکیم متقیوں کے لیے کیسے ہدایت اور نصیحت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ متقیوں کے لئے قرآن مجید ہدایت اور نصیحت ہے۔ اس میں پچھلے لوگوں کے حالات سے ہدایت دی گئی اور ان جیسے طرز عمل سے بچنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ ﴿2﴾ موعظہ مومن کی ایسی نصیحت ہے جس کی وجہ سے دوسرا مومن کامیابی اور نجات کے راستے پر چلتا ہے۔ ﴿3﴾ موعظہ: جس کی وجہ سے دلوں کو نرم کیا جاتا ہے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ (تفسیر منیر:2/ 421)

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(139) ﴾

''اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''(139)

سوال1: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' الوھن: رائے، عمل اور امور کے انجام دینے میں کمزور پڑنا۔(تفسیر منیر:2/ 421)﴿2﴾﴿وَلَا تَهِنُوْا﴾ کفار سے جنگ کرنے میں کمزور نہ پڑو۔﴿3﴾﴿وَلَا تَهِنُوْا﴾ تم کمزور نہ پڑو ورنہ جہاد سے ہی بیٹھ جاؤ گے۔ (ایسر التفاسیر:209)﴿4﴾﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اور نہ غم کرو جو تمہارے مردوں میں سے چلے گئے۔ (ایسر التفاسیر:209)﴿5﴾﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ ''اور تم ہی غالب رہو گے'' قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے: یعنی اصحاب محمد ﷺ۔ انہیں اپنے دشمن سے جنگ کی ترغیب دلائی ہے اور انہیں عاجز اور کمزور پڑنے سے روکا ہے۔(جامع البیان:4/106)﴿6﴾﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''اگر تم مومن ہو'' اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے ایک کلیہ بیان فرما دیا کہ اگر تم فی الواقع مومن ہو اور سست اور غم زدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل اور صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں غلبہ عطا کرے گا اور اگر تم مغلوب و مقہور ہو تو وہ وجوہ تلاش کرو جن کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔(تیسیر القرآن:1/310)

سوال2: رسول اللہ ﷺ نے اَلْوَهَنُ کے بارے میں کیا وضاحت فرمائی ہے؟

جواب: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔'' اسی مسند احمد میں مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گی۔ جس طرح کہ بھوکے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہاری کثرت ہوگی، لیکن تمہاری حالت اس وقت سیلاب کے خس و خاشاک جیسی ہوگی۔ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بزدلی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حُبَّ الْحَيَاتِ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ '' زندگی سے محبت اور موت کا ڈر۔''(مسند احمد:5/278، سنن ابی داود 4297)

سوال3: غزوۂ احد میں شکست کے بعد دل شکستگی اور مایوسی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا ہدایات دیں؟

جواب: '' اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' غزوۂ احد میں شکست کے بعد دل شکستگی اور مایوسی سے بچانے کے لئے فرمایا گیا، جو مصائب پیش آرہے ہیں اور جو مفادات تم سے چھوٹ گئے ہیں ان پر غم نہ کرو، ان پر ہمت نہ ہارو، تم غالب ہو اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھکتے۔ تمہارا نظام حیات افضل ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ تمہارا کردار اعلیٰ ہے اس لیے کہ تم پوری انسانیت کے لیے راہ نما ہو۔ اس زمین پر تمہارا مقام بلند ہے اس لیے کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد باندھ رکھا

ہے اور دوسرے لوگوں کا کوئی عہد نہیں۔ اگر تم سچے مؤمن بنو تو تم دنیا میں سربلند رہو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کار ہے کہ کبھی تم پر مصیبت آئے گی اور کبھی تم کامیاب رہو گے تاکہ کھوٹے اور کھرے کے درمیان فرق ہو جانے کے بعد تمہارا انجام اچھا ہو۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے سست پڑنے اور غم کھانے سے روکا ہے۔ ان دو کیفیات کا خاص طور پر یہاں کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: یہاں ان دو کیفیات کا اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ شکست کے بعد اس کا غم لاحق ہو جاتا ہے اور غم سست کر دیتا ہے۔ یہ میدان جنگ میں شکست کے بعد دلوں کی شکست ہے۔ شکست خوردگی جو انسان کے نفس کو لاحق ہو جاتی ہے انسان کو اٹھنے نہیں دیتی، بے عمل کر دیتی ہے جب کہ ایمان عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کیفیات سے باہر نکالا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب رہو گے لہٰذا نہ سست پڑو نہ غم کھاؤ۔

سوال 5: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا اصل راز کسے قرار دیا ہے؟

جواب: ''اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا اصل راز ایمان کو قرار دیا ہے کہ اگر ایمانی قوت موجود ہے تو غلبہ تمہارا ہے۔

﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (140)﴾

''اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو انہیں بھی یقیناً اس جیسی چوٹ لگ چکی ہے اور یہ دن ہیں جنہیں ہم انہیں لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہید بنا لے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔'' (140)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ جب عورتوں پر احد کے دن (غلط بات مشہور ہونے کے بعد) صورت حال کی تحقیق میں دیر ہوئی تو وہ معلومات کرنے کے لیے نکلیں دیکھا کہ دو آدمی اونٹ پر آ رہے ہیں تو ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟ ان سواروں نے کہا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں تو وہ عورت بولی: اگر رسول اکرم ﷺ سلامت ہیں تو اب کسی بات کی فکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے اپنے بندوں کو شہید کر دے تو اسی عورت کے الفاظ کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیت ﴿وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ﴾ نازل ہوگئی۔ (ابن ابی حاتم: 774/3)

سوال2: ایمان والوں کوکس چیز سے جانچا جاتا ہے؟

جواب: ایمان والوں کوصبر واستقامت سے جانچا جاتا ہے کیونکہ صبر اوراستقامت ایمان کا تقاضا ہے۔

سوال3: ﴿ اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ ﴾''اگرتمہیں چوٹ لگی ہے''یہاں کون سی چوٹ کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: ''اگرتمہیں چوٹ لگی ہے''یہ وہ چوٹ ہے جواہل اسلام کواحد کے میدان میں لگی تھی۔

سوال4: ﴿ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾''توانہیں بھی یقیناًاس جیسی چوٹ لگ چکی ہے''اللہ تعالیٰ نے زخم خوردہ لوگوں کے دلوں پر کیسے مرہم رکھا ہے؟

جواب: ''توانہیں بھی یقیناًاس جیسی چوٹ لگ چکی ہے''اللہ تعالیٰ نے زخم خوردہ لوگوں کے دلوں پردلیل کا مرہم رکھا ہے کہ اگرتم زخمی ہوئے ہوتو تمہارے مخالف بھی زخمی ہو چکے ہیں۔کافرقوم کو لگنے والی چوٹ سے مرادغزوۂ بدر ہے جس میں مسلمان صحیح سلامت رہے جب کہ 70 کافرقتل ہوئے اور70 ہی قید ہوئے۔

سوال5: ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾''اور یہ دن ہیں جنہیں ہم انہیں لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں''اللہ تعالیٰ دنوں کولوگوں کے درمیان باری باری بدلتا کیوں رہتا ہے؟

جواب: ''اور یہ دن ہیں جنہیں ہم انہیں لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں''اللہ تعالیٰ دنوں کولوگوں کے درمیان اپنی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے باری باری بدلتا ہے۔﴿1﴾انسان جب سختی اورکشادگی کی مختلف کیفیات سے گزرتا ہےتواس کے اندرکی چھپی ہوئی صلاحیتیں بے دارہوتی ہیں۔﴿2﴾لوگوں کے مزاج کا پتہ چل جاتا ہے۔﴿3﴾یہ پتہ چل جاتا ہے کہ:(i) کون خالص ہو چکا ہے اورکس کے اندرمیل کچیل موجود ہے؟(ii) کون جلدباز ہے اورکون ثابت قدم؟(iii) کون اللہ تعالیٰ پربھروسہ کرتا ہے اورکون مایوس ہوجاتا ہے؟(iv) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاپرراضی ہوجاتا ہے اورکون ہے جوسرکشی اورخودسری کا رویہ اختیارکرتا ہے؟﴿4﴾اس طرح انسانوں کے اندرکی کمزوریاں دورہوجاتی ہیں۔﴿5﴾زندگی کے نشیب وفرازایسی کسوٹی ہیں جن کا نتیجہ غلط نہیں ہوتا۔

سوال6: احدکی شکست میں مستقبل کے لئے کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں؟

جواب: احدکی شکست اگرچہ مسلمانوں کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی لیکن اس میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ یہ شکست اس لئے تھی:﴿1﴾تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے۔﴿2﴾تاکہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ شہادت کے درجے پر فائز کرے۔﴿3﴾تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کوالگ کردے۔﴿4﴾تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کومٹا دے۔

سوال7: ﴿ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ ''اورتم میں سے بعض کوشہید بنالے'' شہید کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جانے والا۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حنظلہ بن ابی عامر لڑتے ہوئے ابوسفیان کے پاس جا پہنچے۔ وہ اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شداد بن اسود نے حنظلہ پر تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس کی بیوی سے (اس کی وجہ) پوچھو۔ بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ جب حنظلہ نے معرکہ آرائی کا سنا تو اس پر غسل واجب تھا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اسی حالت میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی وجہ سے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔ (مستدرک حاکم:4917) ﴿2﴾ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد جب (غزوۂ احد) میں شہید ہوئے تو میں بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا تھا اور روتا تھا تو لوگ مجھے منع کرتے تھے مگر نبی ﷺ مجھے منع نہ فرماتے تھے۔ پھر میری پھوپھی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم رووٴ یا نہ رووٴ، فرشتے برابر ان پر اپنے پروں سے سایہ کیے رہے، یہاں تک کہ تم نے انہیں (میدان جنگ سے) اٹھایا۔ (صحیح بخاری:1244)

سوال8: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میدان جنگ میں اگر ان کی طرف سے تمہیں زخم پہنچے تو یہ تو اس وجہ سے کہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہو جائے اور تم میں سے کچھ لوگ شہادت کے درجے پر فائز ہو جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں سے محبت نہیں رکھتا۔ ﴿2﴾ ابن اسحاق نے کہا: اس سے مراد منافق ہیں جو اپنی زبانوں سے اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور دل ان کے نافرمانی پر اصرار کرتے ہیں۔ (جامع البیان:111/4)

﴿ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (141) ﴾

''اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کر لے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔'' (141)

سوال1: ﴿ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کر لے جو ایمان لائے'' **تمحیص** سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کر لے جو ایمان لائے''، تمحیص سے مراد اختیار کرنا، چن لینا، تطہیر اور خالص کرنا ہے۔ ﴿2﴾ تطہیر اور خالص کرنے سے مراد گناہوں سے پاک اور صاف کرنا ہے۔ (فتح القدیر) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو منافقین سے پاک کرتا ہے اور وہ منافقین سے الگ ہو جاتے ہیں اور وہ منافق اور مومن کو پہچان لیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:427/1)

سوال2: ﴿ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور کافروں کو مٹا دے'' اللہ تعالیٰ کافروں کو کیسے مٹاتا ہے؟

جواب: ''اور کافروں کو مٹا دے'' کافروں کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کار عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ وقتی فتح سے انہیں تکبر اور سرکشی میں

مبتلا کر دیتا ہے۔ یہی چیز ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ ﴿ وَيَمْحَقَ ﴾''اور (کافروں) کو مٹا دے'' اللہ تعالیٰ کفر اور کافروں کے آثار مٹا دیتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:208)

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (142) ﴾

''یا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو۔'' (142)

سوال 1: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''یا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو'' اس سے کس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ''یا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو'' یعنی یہ نہ سمجھ لینا اور نہ تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تم کسی مشقت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اس کی رضا کے لیے کوئی تکلیف اٹھائے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ جنت بلند ترین منزل مقصود اور سب سے افضل مقام ہے جس کے حصول کے لیے مسابقت کی جاتی ہے۔ مطلوب و مقصود جتنا زیادہ بڑا ہو گا وہاں تک پہنچانے والا وسیلہ اور عمل بھی اتنا ہی بڑا ہو گا۔ پس ایک راحت کو چھوڑ کر ہی دوسری راحت تک پہنچا جا سکتا ہے اور نعمت کو ترک کر کے ہی دوسری نعمت حاصل کی جا سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی:428/1)

سوال 2: جنت انسان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جنت میں داخلہ ایسی چیز نہیں جو محض خیال اور خواہش کی بنیاد پر ہو جائے اس کے لیے کوشش شرط ہے۔ ﴿2﴾ جنت میں داخلے کی کم از کم شرائط جہاد اور صبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاد اور صبر کے مواقع دے کر ایک انسان کی خواہش کی حقیقت کو دیکھتے ہیں۔ ﴿3﴾ جنت انسان کو صبر اور جہاد کے بدلے میں نصیب ہو سکتی ہے۔

سوال 3: ﴿ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو'' اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزمائش لازم ہے اور اس آزمائش میں اللہ ربّ العزت کو یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ صبر کرنے والے کون ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى

يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچی اور وہ بری طرح ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول بھی اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی؟ سن لو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہی ہے۔(البقرہ:214) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف جہاد کر لینا کافی نہیں بلکہ مشکلات پر صبر ضروری ہے۔﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ (العنکبوت:2) ﴿3﴾ یہ صبر میدان جنگ میں بھی ہوتا ہے اور روزمرہ زندگی میں بھی۔مکی دور میں مسلمانوں پر قریش مکہ کی طرف سے بے پناہ مظالم اور مصائب ڈھائے جا رہے تھے۔سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ان مصائب سے کچھ گھبرا سے گئے اور چاہا کہ جا کر رسول ﷺ سے دریافت فرمائیں کہ جس وقت کی آپ بشارت سناتے ہیں وہ کب آئے گا؟ چنانچہ وہ خود راوی ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔اس زمانے میں ہم مشرک لوگوں سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے ان مشرکوں کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سنتے ہی آپ ﷺ (تکیہ چھوڑ کر) سیدھے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کا چہرہ (غصے سے) سرخ ہو گیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے گوشت اور پٹھوں میں ہڈیوں تک لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں مگر وہ اپنے سچے دین سے نہیں پھرتے تھے اور آرا ان کے سر کے درمیان رکھ کر چلا دیا جاتا تھا اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔مگر وہ اپنے سچے دین سے نہیں پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ایک دن اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔'' (بخاری) اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: مگر تم لوگ تو جلدی مچاتے ہو۔(تیسیر القرآن:310/1) ﴿4﴾ روزمرہ زندگی میں ایمان پر جمے رہنا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہنا صبر ہے۔(i) آرام طلبی کی تمنا کے مقابلے میں کام کرنا صبر ہے۔(ii) وسوسوں اور نفس کی اکساہٹوں کے مقابلے میں ایمان پر جمے رہنا صبر ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون روزمرہ زندگی میں ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے، کون اپنی آرام طلبی کو ترک کرتا ہے اور کون وسوسوں اور نفس کی اکساہٹوں کے مقابلے میں ایمان پر جما رہتا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ(143) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے، تو یقیناً تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔''(143)

سوال1: ﴿ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے'' کون لوگ شہادت کی تمنا اور آرزو کر رہے تھے؟

جواب: ''اور بلاشبہ یقیناً تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ لوگ جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہادت کی تمنا اور آرزو رکھتے تھے، اسی لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکل کر جہاد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ کہتے تھے: کاش ہم کفار کو پھر اس طرح قتل کریں جیسا کہ بدر کے دن قتل کیا تھا اور کاش بدر جیسا دن پھر پیش آئے اور اس میں ہم کفار کو تہہ وتیغ کریں اور بہت زیادہ ثواب کمائیں یا شہادت اور جنت حاصل کریں یا زندگی اور مال غنیمت حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن کا مشاہدہ کرا دیا اور اس میں ان لوگوں کے سوا جن کو اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا، کوئی نہ جم سکا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم تو مرنے (یعنی شہید ہونے) کی تمنا کر رہے تھے۔ (تفسیر ابن عباس:220/1)

سوال 2: کیا دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا رکھنی چاہئے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔ جب دشمن سے لڑنا پڑ جائے پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (بخاری:2818)

سوال 3: ﴿فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''تو یقیناً تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے'' اس سے کیا سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے؟

جواب: ''تو یقیناً تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے'' غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور 70 افراد شہید ہوئے۔ مسلمان ذہنی صدموں کا شکار تھے۔ تب یہ کہا گیا کہ تمہاری ہی چاہت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے وہ موقع دے دیا اور تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تمہاری چاہت پوری ہوگئی اب پریشانی کس بات کی ہے؟

سوال 4: ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''اس حال میں کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے'' موت کو سامنے دیکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اس حال میں کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے'' موت کو سامنے دیکھنے کی بات تاکید اور مبالغے کے لئے کی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم نے مجاہدوں کی صف آرائی میں، تلواروں کی یلغار اور تیروں کی بوچھاڑ میں موت کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ (فتح القدیر)

رکوع نمبر 15

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ(144)﴾

''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی

ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔'' (144)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: غزوۂ احد میں جب تیراندازوں کے دستے نے درّہ چھوڑ دیا تو مشرکین ان پر پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ آپ ﷺ کے چہرے پر زخم آئے۔ خون بہنے لگا۔ مسلمان منتشر ہو گئے۔ کسی کو کسی کا پتہ نہ رہا۔ ان حالات میں کسی نے بآواز بلند یہ کہا: ''لوگو! محمد ﷺ قتل ہو گئے!'' اس پکار کا مسلمانوں پر بہت برا اثر پڑا۔ بہت سے لوگ مدینہ لوٹ گئے اور میدان جنگ کو چھوڑ گئے۔ چند افراد تھے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس رہ گئے۔ ان حالات میں نبی ﷺ ان چند افراد کے ساتھ جم گئے اور نبی ﷺ مسلمانوں کو بلانے لگے: **اِلَـيَّ عِبَـادَ اللّٰہِ** ''میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو!'' لوگ پھر جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ اس واقعے کو موضوع بنا کر اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کے بارے میں اہم وضاحتیں کی ہیں۔

سوال2: ﴿**وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ**﴾ ''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول'' محمد ﷺ کے رسول ہونے سے مراد ان کی امتیازی خصوصیت یعنی رسالت ہے۔ ﴿2﴾ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ بشری خصوصیات نہیں رکھتے اور نعوذ باللہ خدا کی صفات رکھتے ہیں کہ انہیں موت نہیں آئی وغیرہ۔ ﴿3﴾ وہ رسولوں میں سے کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ وہ ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ذمہ داری اپنے رب کا پیغام پہنچانا اور اس کے احکام کا نفاذ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہ تھے اور نہ ان کی بقاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے لیے کوئی شرط تھی۔ (تفسیر سعدی:429/1)

سوال3: ﴿**قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ**﴾ ''یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں'' ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا اور وہ وفات پا گئے۔ (ایسر التفاسیر:209,210) ﴿2﴾ پہلے رسول آئے اور گزر گئے، ہمیشہ نہیں رہے۔

سوال4: ﴿**اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ**﴾ ''تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟'' کے پس منظر میں کیا واقعہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟'' احد کے میدان میں ایک شخص نے آواز دی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اب مشرکین کے ساتھ جنگ کا کیا فائدہ۔ یہ ذہنی تبدیلی تھی۔ جس طرح احد کے معرکے میں مسلمان جسمانی طور پر شکست کھا رہے تھے ایسے ہی وہ ذہنی طور پر بھی پسپا ہو رہے تھے۔ لوگوں

نے ہتھیار چھوڑ دیئے اور کچھ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ہر طرف مایوسی نے ڈیرے ڈال دیئے تو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ کیا اگر وہ یعنی محمد ﷺ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے؟ ﴿2﴾ دعوت دینے والے پیغمبر سے محبت اگر چہ ایمان کے لیے ضروری ہے لیکن پیغمبر کے جانے کے بعد بھی ایمان کی ضرورت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ پیغمبر کے جانے سے ایمان نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ﴿3﴾ تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے رسول بھی آئے اور چلے گئے لیکن دین زندہ رہا۔ ﴿4﴾ اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جائیں۔ ﴿5﴾ ﴿ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾ تم اسلام سے کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ (ایسرالتفاسیر:209,210)

سوال 5: ﴿ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ﴾ ''اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا'' جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کو کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں۔

سوال 6: کیا عام زندگی میں انسان دین سے الٹا پھر جاتا ہے؟ ایسا کب کب ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان جب اپنی خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو دل کی مرضی پوری کر لیتا ہے۔ یہ تب ممکن ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو چھوڑتا ہے۔ عین اس موقع پر انسان دین سے الٹا پھر کر خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔ ﴿2﴾ معاشرتی دباؤ کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے الٹا پھر کر معاشرے کے افراد کی پسند کے مطابق کام کرتا ہے تو یہ کام دین سے پھرنے کی قیمت پر ہوتا ہے۔

سوال 7: ﴿ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا'' اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزا دیتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، دنیا میں غلبہ عطا فرماتے ہیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو الٹے پاؤں نہیں پھرتے بلکہ اطاعت پر قائم رہتے ہیں اور انہوں نے اپنے دین کے لیے جنگ کی اور اپنے رسول کی، ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اتباع کی۔ ان کا نام شاکرین رکھا کیونکہ انہوں نے نعمت اسلام پر شکر ادا کیا جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ جو شخص اپنے دین پر یقین رکھتا ہے اور اپنے رب کی طرف سے بصیرت رکھتا ہے وہ رسول کی وفات پر دین سے نہیں پھرتا کیونکہ وہ اپنے رب کے لیے جہاد کرتا ہے رسول کے لیے نہیں جیسے پہلے انبیاء کے ساتھی تھے۔ ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمت ہار دی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! معلوم یہ ہوتا تھا کہ لوگ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی۔ لوگوں نے سیدنا ابوبکر صدیق سے اس آیت کو حاصل کیا اور جس جس نے بھی اس آیت کو سنا تو بے ساختہ اس آیت کی تلاوت شروع کر دی۔ سیدنا سعد بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے سیدنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کی تلاوت سنی تو کھڑے کا کھڑا رہ گیا میرے پاؤں مجھے اٹھا نہیں رہے تھے یہاں تک کہ میں گر گیا۔(صحیح بخاری 4454)

سوال 8: ﴿وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا'' شکر گزار کون ہیں؟

جواب: ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا'' شکر گزار وہ ہیں: ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچانتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو ثابت قدم رہتے ہیں، ثابت قدمی عملی شکر ہے۔ ﴿3﴾ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ کا جو مضمون ہے اور اس میں جس سزا کا ذکر ہے اس کی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کھل کر سامنے آئی کہ بہت سے منافقین اور ضعیف الایمان لوگ ایمان سے مرتد ہو گئے اور جو مخلص لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی اور فتح و نصرت سے نوازا۔(تیسیر الرحمٰن:211/1)

سوال 9: شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے؟

جواب: شکر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچان کر ادا ہو سکتا ہے۔شکر ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شعور سے بھر پور ہو اور زبان سے ان کا اعتراف کرے۔شکر گزاری تب پیدا ہو سکتی ہے جب مومن اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو نعمت سمجھے۔

سوال 10: انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ کیسے بے دار ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ تب بے دار ہوتا ہے جب وہ رب کی صفات سے اس کی عظمت کا شعور حاصل کرے۔ ﴿2﴾ دنیا کی بجائے آخرت کو سب کچھ سمجھنے سے انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ بے دار ہوتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ(145)﴾

''اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر جائے، مقررہ وقت لکھا ہوا ہے، اور جو کوئی دنیا کا بدلہ ہی چاہتا ہے ہم اسے دنیا میں ہی دیں گے، اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا اسے ہم آخرت میں دیں گے اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔''(145)

سوال 1: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر جائے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''کوئی جان اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر مر نہیں سکتی'' انسان کے دل میں موت کا خوف بسا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو دور کرنے کے لیے واضح کیا ہے کہ: (i) ہر شخص کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔(ii) کوئی شخص اس مقررہ وقت تک زندگی گزارنے

سے پہلے مرنہیں سکتا۔ ﴿2﴾ انسان موت کے ڈر سے ایک پل بھی زندگی کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ ﴿3﴾ ثابت قدمی، بہادری اور وفاداری سے عمر کم نہیں ہوتی، نہ بزدلی سے عمر میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

سوال2: ﴿ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾ ''مقرر کیا ہوا وقت لکھا ہوا ہے'' یہ بات کیا سمجھانے کے لئے فرمائی گئی ہے؟

جواب: ''مقرر کیا ہوا وقت لکھا ہوا ہے'' یہ بات بزدل اور کمزور لوگوں کے حوصلے بڑھانے کے لئے کی جارہی ہے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی لہٰذا بزدلی دکھانے کا فائدہ نہیں۔

سوال3: مومن پر اس حقیقت کا کیا اثر ہوتا ہے کہ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مومن کے نفس میں تقدیر کی حقیقت بیٹھ جاتی ہے اور وہ موت سے ڈرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسے موت کا خوف نہیں رہ جاتا۔ ﴿2﴾ مومن کی سوچ، فرض کی ادائیگی اور ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے میں مصروف ہوجاتی ہے۔ ﴿3﴾ مومن خوف، کم ہمتی، بے حوصلگی، اور جزع فزع پر قابو پالیتا ہے۔ ﴿4﴾ دنیا کی حرص کی بجائے نیکیوں کی حرص مومن کے دل میں جگہ بنالیتی ہے۔ ﴿5﴾ مومن حق کے راستے کی ساری مشکلات برداشت کرلیتا ہے۔ ﴿6﴾ مومن سارے فرائض پورے کرنے لگ جاتا ہے۔ ﴿7﴾ مومن صبر اور توکل علی اللہ کے ذریعے آگے بڑھتا ہے کیونکہ اب وہ ایک بدلا ہوا انسان ہے۔ اس کی سوچ نئی ہے۔ اس نے گھٹی ہوئی سوچ سے نجات پالی ہے۔ اب اسے پتہ لگ گیا ہے کہ موت کا وقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور لکھا ہوا ہے۔ ﴿8﴾ اب یہ نئی سوچ اسے نئے جہان میں لے آئی ہے جہاں اسے آنے والے وقت کی فکر ہے۔ اس کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہے۔ اب زندگی، جذبے، صلاحیتیں اور سبھی کچھ اس آنے والے وقت کے لیے لگ رہا ہے۔

سوال4: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ﴾ ''اور جو کوئی دنیا کا بدلہ ہی چاہتا ہے ہم اسے دنیا میں ہی دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا اسے ہم آخرت میں دیں گے'' دنیا کے اجر کے ارادے اور آخرت کے اجر کے ارادے سے کام کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ثواب نیت اور عمل دونوں پر ملنے والا بدلہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:210) ﴿2﴾ ﴿ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ مال غنیمت اور دنیا کا رزق وغیرہ۔ ﴿3﴾ ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مرکز کو چھوڑ کر غنیمت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی:176/2) ﴿4﴾ ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ﴾ ''اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا اسے ہم آخرت میں دیں گے'' اس سے مراد عمل کی جزا ہے۔ اس سے مراد جنت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کے بدلے کو کئی گنا بڑھا کردینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں اس سے مراد عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے مرکز کو نہیں چھوڑا تھا حتیٰ کہ شہید ہوگئے۔ (تفسیر قرطبی:176/2) ﴿5﴾ دو طرح کے انسانوں کی زندگیوں میں بڑا فرق ہے کیونکہ ان دونوں کے ارادوں میں بڑا فرق ہے۔

	دنیاکے اجر کے ارادے سے کام کرنے والا	آخرت کے اجر کے ارادے سے کام کرنے والا
مقصد	صرف دنیااس کا مقصد ہے لہٰذاوہ کیڑوں مکوڑوں اور جانوروں کی طرح کھانے پینے، رہنے سہنے اور جسمانی ضروریات کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ایسے لوگ حیوانی سطح پر جیتے ہیں،	اس انسان کی نظریں آخرت پر لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی دنیا کی بنیادی ضروریات بھی پوری کرتا ہے لیکن اس کی فکر کا محور و مرکز آخرت رہتی ہے۔ ایسے لوگ انسانی سطح پر جیتے ہیں۔
ترجیح	دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔اسی کے لیے وقت، صلاحیتیں، مال لگاتا ہے،	آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔اپنی دنیا کا حصہ لیتا ہے لیکن وقت، صلاحیتیں، مال آخرت کے لیے لگاتا ہے۔
عمل کا راستہ	اس کی امیدوں کا مرکز دنیا ہے۔وہ اسی میں صلہ پانے کی امید رکھتا ہے اور دنیا کے فائدے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے،	اس کی امیدوں کا مرکز آخرت ہے۔وہ اللہ تعالیٰ سے صلہ پانے کی امید رکھتا ہے اور آخرت کے فائدے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

سوال 5: اجر وثواب کا انحصار کس چیز پر ہے؟

جواب: اجر وثواب کا انحصار مومن کی نیت پر ہے۔﴿1﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر کسی کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے نیت کی۔ پھر جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوئی کہ اسے حاصل کرے، یا عورت سے نکاح کے لیے، پھر اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔'' (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی:1) ﴿2﴾ یعنی کوئی عمل کرتے وقت انسان کی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اسے بدلہ ملے گا۔ ایک ہی کام ہوتا ہے جو نیت کی تبدیلی سے کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن:314/1)

سوال 6: ﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے'' ﴿1﴾ وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم رہے ان کی جزا نعمت بھری جنتوں کے سوا کچھ نہیں اور یہ ان کی موت کے بعد ہے۔ (ایسر التفاسیر:210) ﴿2﴾ یہاں اللہ تعالیٰ نے جزا کا ذکر نہیں فرمایا تا کہ یہ اس جزا کی کثرت اور عظمت پر دلیل ہو اور یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ یہ جزا قلت و کثرت اور حسن کے اعتبار سے شکر کی مقدار پر منحصر ہے۔ (تفسیر سعدی:430/1)

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (146)﴾

''اور کتنے ہی نبی تھے جن کے ساتھ مل کر بہت سے رب والوں نے جنگ کی اور اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچی، انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(146)

سوال1: ﴿**وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ**﴾ ''اور کتنے ہی نبی تھے'' میں ایک نبی کی نہیں کتنے ہی نبیوں کی بات کی گئی ہے۔ اس کے ذریعے کیا سمجھایا گیا ہے، واضح کریں؟

جواب: غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر اور 70 افراد کو شہید کروا کے لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئی تھیں۔ مسلمان میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کمزوری دکھائی اور دشمن کا دباؤ قبول کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے تابناک ماضی کو سامنے رکھا ہے کہ جب بھی لوگوں کے سامنے حقیقت کھلی وہ دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگے، زندگی ان کے لیے ناپائیدار چیز بن گئی۔ سچے ایمان والے کائنات اور کائناتی واقعات کو رب کے حوالے سے دیکھتے ہیں جو دینے والا بھی ہے اور چھیننے والا بھی ہے۔ یہ ایمان کے راستے کے سچے مسافر ہیں۔ انہیں جان کا خطرہ پست ہمت نہیں کرتا۔ ان کی دنیا برباد ہو جائے تو بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ ان کا نقصان ہو تو اپنی کوتاہی سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتے ہیں۔ انہیں فتح ہو تو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کی بازی لگ رہی ہو تو بھی ہمت نہیں ہارتے۔ کسی حال میں دشمنوں کے سامنے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ کل بھی تاریخ کے قیمتی لوگ وہی تھے جنہوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور آج تم بھی پست ہمتی چھوڑ کر، کمزوری دکھانی چھوڑ کر، مغلوبیت چھوڑ کر، متحد ہو کر صبر کے ساتھ حق پر جم کر اللہ والے بن سکتے ہو۔

سوال2: ﴿**وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا**﴾ ''اور کتنے ہی نبی تھے جن کے ساتھ مل کر بہت سے رب والوں نے جنگ کی اور اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچی، انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿**وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ**﴾ اس سے مراد کثیر انبیاء ہیں۔ (ایسر التفاسیر:211) ﴿2﴾ ربیون جمع ہے اس کا واحد ربی ہے یعنی اللہ والا۔ (بخاری، کتاب التفسیر) ﴿3﴾ ربیون سے مراد علماء، صلحاء، متقی اور عبادت گزار ہیں۔ (ایسر التفاسیر:211) ﴿4﴾ ﴿**فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ**﴾ وہ قتال سے کمزور نہیں ہوئے اور نہ وہ قتل وغارت گری اور زخموں سے شکست خوردہ ہوئے۔ ﴿5﴾ ﴿**وَمَا ضَعُفُوْا**﴾ ''اور نہ وہ کمزور پڑے'' وہ جہاد، دشمنوں اور دین سے کمزوری نہیں کرتے۔ (تفسیر قاسمی:4/246) ﴿6﴾ ﴿**وَمَا اسْتَكَانُوْا**﴾ ''اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی'' نہ وہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ وہ ذلیل ہوئے بلکہ انہوں نے قتال پر صبر کیا۔ ﴿7﴾ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر لپیٹے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے لیے دعا کیجیے اور مدد کی درخواست کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے

پہلے ایسے لوگ بھی ہوگزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر اس کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر کے وسط میں رکھ کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور مصیبت کا یہ پہاڑ بھی اس کو توحید سے برگشتہ نہ کرسکتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے مگر اہل توحید پھر بھی دین نہ چھوڑتے۔ (بخاری:3612) ﴿8﴾ نبیوں کے ہمراہ اللہ والوں نے جنگ کی۔ نہ ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی، نہ جدوجہد کا سلسلہ ختم کیا، نہ دشمن کے سامنے جھکے، نہ مشکلات پر پیچھے ہٹے۔

سوال3: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' ﴿1﴾ ﴿الصّٰبِرِيْنَ﴾ سے مراد جہاد پر صبر کرنے والے ہیں۔ (تفسیر قرطبی:179/2) ﴿2﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے تسلی ہے اور اس عمل کو دوسروں کے سامنے نمونے کے طور پر رکھ کر اس کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

سوال4: باطل کے مقابلے میں صبر کرنے والے کیسے ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کا نفس کمزور نہیں پڑتا۔ ﴿2﴾ ان کی قوتیں کم نہیں ہوتیں۔ ﴿3﴾ ان کے ارادے نرم نہیں پڑتے۔ ﴿4﴾ وہ نہ جھکتے ہیں نہ حق کو چھوڑ کر باطل پر سمجھوتہ کرتے ہیں۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے صبر وثبات کے لئے کیسے آمادگی پیدا کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رہنے والوں کے صبر وثبات کی مثالیں دے کر اس کے لئے آمادہ کیا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو اپنی محبت کی خوش خبری دے کر صبر وثبات کے لئے آمادہ کیا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی دعاؤں سے یہ شعور دلایا ہے کہ صبر کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور اہل ایمان صبر کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ یوں اس شعور سے صبر کرنے کا راستہ مل جاتا ہے۔

سوال6: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کا انسان پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی محبت کے احساس سے ﴿1﴾ انسان کے اندر کی تلخیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ ﴿2﴾ انسان کی تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے۔ ﴿3﴾ انسان کے زخم بھر جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے سارے دکھوں کا مرہم ہے۔

﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ(147)﴾

’’اوران کی دعااس کے سوا کچھ نہ تھی: ’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کوبخش دیجیےاور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کوبھی اورآپ ہمیں ثابت قدم رکھیں اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں۔‘‘(147)

سوال1: ﴿ **وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا** ﴾ ’’اوران کی دعااس کے سوا کچھ نہ تھی: ’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کوبخش دیجیےاور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کوبھی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اوران کی دعااس کے سوا کچھ نہ تھی: ’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کوبخش دیجیےاور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی‘‘اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی خوبیاں بیان کرنے کے بعدان کےقول کی خوبی یہاں بیان کی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ **رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا** ﴾ ’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کوبخش دیجیے‘‘اس سے مرادصغیرہ گناہ ہیں۔(فتح القدیر:491/1) ﴿3﴾ ﴿ **وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا** ﴾ ’’اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کوبھی‘‘اسراف کہتے ہیں جوحد سے گزرجائے یہاں اس سے مرادکبیرہ گناہ ہیں۔ ﴿4﴾ بعض مرتبہ کسی نیک کام میں لگنے سے جودوسرے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں اوراس طرح حدود سے آگے بڑھ جانے کی صورت بن جاتی ہے جس کواسراف سے تعبیر فرمایا۔استغفار سے اس کی بھی تلافی ہوگی۔(انوارالبیان:563/1) ﴿5﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْٓئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ هَزْلِيْ وَجِدِّيْ وَخَطَئِيْ وَعَمْدِيْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ اے اللہ! میری خطااورنادانی اورمیرے کاموں میں زیادتی سے درگزرفرمااوراس گناہ سے بھی جس کاعلم مجھ سے زیادہ تجھے ہے۔اے اللہ! میری مغفرت فرمااس بات سے جس کومیں نے ارادے اورسنجیدگی سے کیااوراس سے بھی جس کوہنسی اوردل لگی میں کیااوران کاموں سے بھی جنہیں میں نے بھول چوک میں کیااوران سے بھی جنہیں میں نے دانستہ طور پر کیا۔(بخاری:6399)

سوال2: فتح وکامرانی کی اولین شرط کیا ہے؟

جواب: فتح وکامرانی کی پہلی شرط اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے دعا کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ثابت قدمی اورنصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔

سوال3: ﴿ **وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴾ ’’اوران کی دعااس کے سوا کچھ نہ تھی: ’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کوبخش دیجیے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کوبھی اورآپ ہمیں ثابت قدم رکھیں اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں‘‘یہ آیت کیا ظاہر کررہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت اہل ایمان کی اندرونی کیفیت کوظاہر کررہی ہے۔ ﴿2﴾ اس آیت میں اہل ایمان کے’’شعوری ایمان‘‘ کا اظہار ہو رہاہے۔ ﴿3﴾ یہ پتہ چل رہاہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہروقت خودکوحاضر رکھتے ہیں۔کوئی خوف وخطرہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ

کرنے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ﴿4﴾ اہل ایمان عفوودرگزر کی درخواست کرتے ہیں۔ ﴿5﴾ وہ فرض ادا کرتے ہوئے بھی اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ﴿6﴾ ان کا سوال دولت کے لیے نہیں، نہ دنیا کے اجر کے لیے ہے۔ وہ تو گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ کفار کے مقابلے میں کامیابی کی دعا کرتے ہیں اور حق کی کامیابی اور کفر کی شکست کی دعا کرتے ہیں۔

سوال 4: کون سی چیز اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق بناتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نازک مواقع پر اہل ایمان کا باہم متحد رہنا۔ ﴿2﴾ صبر کے ساتھ حق پر جمے رہنا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے دشمن کب مؤمنوں پر غالب آجاتے ہیں؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے دشمن غالب آجاتا ہے اور شیطان کو مسلمانوں سے دشمنی کا موقع مل جاتا ہے۔

سوال 6: ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ ''اور آپ ہمیں ثابت قدم رکھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور آپ ہمیں ثابت قدم رکھیں'' ہمارے دلوں کو جہاد کی قوت عطا فرمائیے اور ہمارے دلوں کے وسوسے دور فرما دیجیے۔ (تفسیر منیر:433/2)

سوال 7: ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہے۔ یہ فتح کی دعا بھی ہے اور کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ ﴿2﴾ دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے، غنیمت سے کامیاب کیجئے، زمین میں سیادت، کرامت، عزت اور اچھا ذکر عطا فرمایئے۔ ہمیں اطاعت پر اجر نصیب فرمایئے اور اپنے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمایئے۔ (تفسیر مراغی:78/2)

﴿ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (148) ﴾

''تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' (148)

سوال 1: ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی'' اللہ تعالیٰ نے انہیں (اس سبب سے) دیا۔ ﴿2﴾ ثواب الدنیا سے مراد نصرت، غنیمت اور عزت ہے۔ (فتح القدیر:491/1) ﴿3﴾ ثواب الدنیا سے مراد نصرت، غنیمت، دشمنوں پر غلبہ، اچھا تذکرہ، شرح صدر، ایمان کا نور اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ (تفسیر قاسمی:247/4) ﴿4﴾ ﴿وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور

آخرت کا اچھا بدلہ بھی'' اس سے مراد آخرت کا اجر ہے اور جو اس میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔(تفسیر القاسمی:247/4)

سوال2: دنیا وآخرت کا بدلہ کس کے لیے اچھا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو لوگ پست ہمت نہیں ہوتے، کمزوری نہیں دکھاتے، مغلوب نہیں ہوتے، انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اچھا بدلہ دیتا ہے اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیتا ہے۔

سوال3: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی وجہ سے ان پر احسان کیا۔ وہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(جامع البیان:127/4) ﴿2﴾ یعنی خالق کی عبادت اور مخلوق کے ساتھ معاملہ میں احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ جہاد کے وقت، ان مومنین کا سا کردار اختیار کرنا بھی احسان ہے۔(تفسیر سعدی:432/1)

سوال4: اس بات کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت رکھتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے اندر محسن بننے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ انسان محسن بننے کا ارادہ کر کے کوشش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کیوں عطا کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو ان کے توحید پر اعتقاد رکھنے، توکل کرنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کی وجہ سے کامیابی عطا کرتے ہیں۔ آخرت میں اپنے فضل وکرم سے اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا کریں گے۔

رکوع نمبر16

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ(149)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے۔''(149)

سوال1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے'' ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''جنہوں نے کفر کیا'' یعنی مشرکین عرب ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔ ﴿2﴾ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہود اور عیسائی ہیں۔ ﴿3﴾ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں جنہوں نے احد کی شکست پر مومنوں سے کہا تھا اپنے آباء کے دین کی

طرف لوٹ چلو۔(تفسیر منیر:2/446)﴿4﴾﴿ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾''وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے''یعنی تمہیں تمہارے پہلے کام کی طرف لوٹا دیں گے اور وہ کفر اور ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے شرک ہے۔کفر کی دعوت کو قبول کرنا بھی کفر ہے۔(تفسیر خازن)

سوال2: غزوۂ احد میں یہودیوں،کافروں اور منافقوں کو پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملا،اس کے مقاصد کیا تھے؟

جواب:﴿1﴾مسلمانوں کو نبی ﷺ کا ساتھ دینے کے انجام سے ڈرانا۔﴿2﴾اسلامی صفوں کو منتشر کرنا۔﴿3﴾دلوں کو متزلزل کرنا۔﴿4﴾اسلامی قیادت کے خلاف بداعتمادی پیدا کرنا۔﴿5﴾اپنے سے بڑی قوت کے ساتھ ٹکرانے کی پالیسی کے فائدوں کو مشکوک بنانا۔﴿6﴾اس پالیسی سے باہر نکلنے کے فوائد کو ظاہر کرنا۔﴿7﴾انفرادی دردوغم کو ابھارنا۔﴿8﴾کامیاب ہونے والوں کے ساتھ مصالحت پر آمادہ کرنا۔﴿9﴾مسلمانوں کے گروہ کی بیخ کنی کرنا۔﴿10﴾اہل اسلام کو اپنے سے قوی قوتوں کے سامنے جھکنے پر آمادہ کرنا۔

سوال3: غزوۂ احد میں وقتی شکست پر مخالفین نے کیا کہنا شروع کیا؟

جواب:﴿1﴾اگر واقعی محمد ﷺ نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے؟﴿2﴾پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کا معاملہ خدائی معاملہ نہیں ہے۔﴿3﴾ کچھ لوگ اپنے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے جوش کی سزا بھگت رہے ہیں۔

سوال4: ﴿ اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾''اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے''اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت سے کیسے روکا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت کرنے کا انجام دکھا کر اس سے روکا ہے کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے تو یہ:(i)تمہیں ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے۔(ii)تمہیں دنیا اور آخرت کے خسارے تک لے جائیں گے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت کے مقابلے میں اپنے تعلق کا شعور دلایا ہے کہ:(i)اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔(ii)اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔لہٰذا اپنے مولا و مددگار کی مانو اور کافروں کی نہ مانو۔

سوال5: مؤمنوں سے کہا گیا کہ ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾''پھر تم خسارہ پانے والے بن کر پلٹو گے''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾''پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے''پھر تم دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھاؤ گے۔(واضح المیسر)

سوال6: عقیدۂ توحید رکھنے والا مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے دین کے مخالفوں کے سامنے جھکتا ہے تو اس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾وہ روحانی طور پر ٹوٹ جاتا ہے۔﴿2﴾وہ مخالفین کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہوتا ہے۔﴿3﴾پھر وہ ان سے ہدایات لینے لگتا ہے۔﴿4﴾ پھر ان سے مصالحت کر کے ان کی پیروی کرتا ہے۔﴿5﴾ایسا شخص کسی بھی وقت کفر کی طرف پلٹ سکتا ہے۔

سوال 7: ایمان کے باوجود کفار کی اطاعت کرنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟

جواب: کفار سے حمایت کی امید کی وجہ سے ایمان کے باوجود کفار کی اطاعت ہوتی ہے۔ایمان سے زیادہ کفر کی جانب دلی جھکاؤ اور دنیا اور اس کی لذتوں کے حصول کی وجہ سے انسان کفار کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

سوال 8: غزوۂ احد جیسے واقعات کا پیش آنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: دنیا کی زندگی میں ایسے واقعات اس لیے ضروری ہوتے ہیں تاکہ:﴿1﴾یہ کھل جائے کہ:(i)اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے والے کون ہیں؟(ii)پھسل جانے والے کون ہیں؟﴿2﴾لوگوں کی مخالفانہ باتوں سے مؤمن متاثر نہ ہوں۔﴿3﴾وقتی تکلیف سے گھبرائیں نہیں۔﴿4﴾ہر حال میں ثابت قدم رہیں۔

﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (150)﴾

''بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے۔''(150)

سوال 1: ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ﴾''بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾''بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے''مسلمانوں کا مولا اللہ تعالیٰ ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ سے ہی حمایت کی امید رکھی جاسکتی ہے۔﴿3﴾جس کا مددگار اللہ تعالیٰ ہوا سے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔﴿4﴾ابوسفیان نے میدان احد میں کہا تھا: اُعْلُ هُبَلُ ''ہبل بت کا بول بالا ہو۔''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر بلند آواز میں کہا: اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ ''اللہ تعالیٰ بلند اور جلال وعزت والا ہے۔''ابوسفیان نے کہا: لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لكم ''ہمارا عزیٰ بت ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔''نبی ﷺ نے فرمایا: تم کہو اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ ''اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں''اللہ تعالیٰ نے اسی پر فرمایا:﴿**بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ**﴾﴿5﴾اللہ تعالیٰ ہر حال میں مسلمانوں کا مولیٰ اور حامی و ناصر ہے۔غزوۂ احد میں مسلمانوں کو اس کا یقین اس وقت نصیب ہوا جب انہیں اونگھ آئی۔امام فخر الدّین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نیند کی حالت میں محفوظ و مامون رہنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ اس حال میں بھی ان کا حامی و ناصر تھا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے وعدے کا مسلمانوں پر کیا اثر ہوا؟

جواب: ﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ان کا یقین بڑھ گیا۔﴿2﴾دشمن کا خوف ان کے دل سے نکل گیا۔

سوال 3: ﴿وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴾''اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے''﴿1﴾اگر تم کافروں کی اطاعت کر کے ان سے مدد طلب کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ

سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے لہٰذا اس کی اطاعت کر کے اس سے مدد طلب کرو وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔(ایسر التفاسیر:213)

《2》اللہ تعالیٰ نے تم سے مدد کا وعدہ کیا ہے اس نے فرمایا:《وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ》اور اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے، وہ اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے!(الانفال:40)

سوال4: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے فتح ونصرت کن امور سے خالی نہیں ہوتی ؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے فتح ونصرت، دو امور سے خالی نہیں ہوتی:《1》اللہ تعالیٰ یا تو کفار کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔《2》یا انہیں ذلت سے دوچار کرتا ہے۔اور وہ خائب وخاسر واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ (رعب ڈال کر انہیں ناکام لوٹا دینا) یہ دوسری قسم ہے۔(تفسیر سعدی:433/1)

《سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ(151)》

''جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''(151)

سوال1:《سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ》''جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رعب ڈال دیں گے'' اللہ تعالیٰ نے کس موقعے پر کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا؟

جواب: ''جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رعب ڈال دیں گے''《1》یہاں رعب سے مراد وہ خوف عظیم ہے جو کفار کو ان کے بہت سے مقاصد سے روک دیتا ہے۔(تفسیر سعدی)《2》احد کی شکست کے بعد جب کافر مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے، اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔《3》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔(تفسیر ابن کثیر:472/1)

سوال2: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کا رعب کافروں پر کب ڈالا جاتا ہے؟

جواب:《1》مشکل مواقع پر اگر ایمان والے جمے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کا رعب کافروں پر ڈال دیا جاتا ہے۔اس کا طریقۂ کار کچھ یوں ہوتا ہے کہ اہل باطل کی صفوں میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ان کے پاس اپنے نظریئے کے حق میں دلائل نہیں رہ جاتے۔ان میں بے یقینی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ذہنی طور پر شکست کھا جاتے ہیں۔یوں مومنوں کی قوت سے اور پھر ان کے دین سے رعب میں آ جاتے ہیں۔《2》یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب ایمان والوں کے دلوں میں ایمان کی حقیقت موجود ہو انہیں پورا یقین ہو کہ اللہ

تعالیٰ مددگار ہے اور اس کا لشکر ہی غالب رہنے والا ہے۔

سوال3: ﴿ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ ''اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری'' کافروں کے دل میں مسلمانوں کا رعب کیوں بیٹھتا ہے؟

جواب: ''اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری'' کافروں کے مرعوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں جن کے شریک ہونے کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے دہشت زدہ رہتے ہیں۔

سوال4: ﴿ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ ''جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اتاری'' سلطان سے کیا مراد ہے؟

جواب: سلطان سے مراد قوت، دلیل اور سند ہے۔

سوال5: شرک کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کی الوہیت، ربوبیت اور اس کی صفات میں شریک سمجھنا۔

سوال6: مشرک کے لیے کوئی سلطان نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مشرک اس شرک کی وجہ سے ذلیل وناتواں اور کمزور رہیں گے اور مومنوں سے مرعوب رہیں گے۔ ﴿2﴾ ان کے مقابلے میں اہل ایمان کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو اہل حق اور اہل باطل کے ٹکراؤ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب بھی مقابلہ ہوتا ہے باطل خوف زدہ اور مرعوب ہوجاتا ہے۔ مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر پر تھر تھر کانپتا ہے۔ مسلمان کافروں پر جھپٹیں تو باطل دبک جاتا ہے اور منتشر ہوجاتا ہے۔ ان کی صفوں میں اضطراب پھیل جاتا ہے اور اس فرمان کی سچائی ثابت ہوجاتی ہے۔

سوال7: ﴿ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے'' اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کے انجام کو واضح کیا ہے کہ ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔ ﴿2﴾ ''اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھکانے پر تبصرہ کیا ہے کہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے ظالموں کے لئے یعنی دنیا میں ان کے دل ایمان والوں کے رعب سے بھرے رہیں اور آخرت میں آگ میں جائیں گے۔ یہ کتنا گھاٹے کا سودا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اس سے مراد مشرک ہیں جنہوں نے غیر اللہ کی اطاعت کی اور غیر اللہ کی عبادت کی۔ (ایسر التفاسیر:213)

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ(152) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد جو اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے اور بلاشبہ اس نے یقیناً تمہیں معاف کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بڑے فضل والا ہے۔''(152)

سوال1: ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَعْدَهٗۤ ﴾ یہاں وعدے سے مراد فتح و نصرت کا وعدہ ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا'' اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا اسے سچا کر دکھایا یعنی وہ اپنے مؤمن بندوں کی مدد کرتا ہے اور کافروں پر انہیں غلبہ دیتا ہے اسی لئے ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی تم ان کو قتل کر رہے تھے۔ ﴿3﴾ ﴿ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾ ''جب تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے'' ان کو قتل کر کے جڑ پیڑ سے اکھاڑتے ہوئے۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿4﴾ اس سے مراد وہ ابتدائی فتح ہے جو مسلمانوں کو غزوۂ احد میں حاصل ہوئی اور اگر مسلمان اطاعت پر قائم رہتے، رسول ﷺ کی اطاعت کرتے تو فتح و نصرت آخر تک برقرار رہتی۔

سوال2: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فشل سے بزدلی مراد ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ فَشِلْتُمْ ﴾: تم کمزور ہو گئے اور تم نے جنگ میں بزدلی دکھائی۔ (ایسر التفاسیر)

سوال3: ﴿ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ ''اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے'' ﴿ فِی الْاَمْرِ ﴾ نبی ﷺ کے حکم میں جھگڑا کیا اور رسول کی نافرمانی کی۔ مسلمانوں کو جب ابتدا میں فتح نصیب ہوئی اور وہ مال غنیمت لوٹنے لگے تو جن تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے گھاٹی پر متعین فرمایا تھا، ان میں سے اکثر کہنے لگے کہ ہمیں فتح تک نگرانی کا حکم تھا، اب ہمیں مال غنیمت لوٹنے

کے لیے جانا چاہیے۔بعض لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں متعین کیا ہے ہمیں اگلے حکم تک یہاں سے نہیں ہٹنا چاہیے۔اس گھاٹی پر چند سوار رہ گئے اور باقی مال غنیمت لوٹنے لگ گئے یہی ان کی نافرمانی تھی۔

سوال4: مسلمانوں کی شکست کے اسباب کیا تھے؟

جواب:﴿1﴾ مسلمانوں نے بزدلی دکھائی۔﴿2﴾(پیغمبر ﷺ کے) حکم کے بارے میں آپس میں جھگڑے۔﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔

سوال5:﴿ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ﴾''اس کے بعد جو اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے''،مسلمانوں کی پسند کی چیز انہیں دکھادی گئی، پسند سے کیا مراد ہے؟

جواب: مسلمانوں کی پسند سے مراد وہ فتح ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

سوال6: کسی گروہ میں اتحاد کی صورت کیا ہے؟

جواب: رائے کے اختلاف کے باوجود قیادت کی طرف سے فیصلہ ہو جانے کے بعد عمل میں اختلاف نہ کیا جائے۔

سوال7:﴿ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ﴾''تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے''،مسلمانوں کے گروہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ایک گروہ نے مال غنیمت کا ارادہ کرلیا اور دوسرے نے ثواب آخرت کو ترجیح دی۔اس طرح ان کا ہدف ایک نہ رہا،خلوص متاثر ہوا اور یہ جنگ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ رہی۔

سوال8:﴿ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا ﴾''تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ دنیا کا ارادہ رکھنے سے مراد مال غنیمت چاہنا ہے۔﴿2﴾ جو تیرانداز گھاٹی سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مال غنیمت لوٹنے لگے وہ دنیا کے طلب گار تھے۔

سوال9:﴿ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ﴾''اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: آخرت کا ارادہ رکھنے سے مراد ہے ﴿1﴾ آخرت کے نفع کا ارادہ رکھنا۔یعنی آج کے کام کا صلہ کل آخرت میں پانے کی امید رکھنا۔شوق شہادت میں جنگ کرنا جیسا کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کی کہ دشمنوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔﴿2﴾ جو لوگ گھاٹی پر جمے رہے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے وہ آخرت کے طالب تھے۔

سوال10: آخرت کا ارادہ کرنے والے کون لوگ تھے؟

جواب: ﴿1﴾ آخرت کا ارادہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو شہادت کا شوق رکھتے تھے۔ ﴿2﴾ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق درّے پر ڈٹے رہنے کا عزم کر لیا تھا۔ ﴿3﴾ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ ان کے چچا (انس بن نضر) بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے، پھر انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں غیر حاضر رہا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی اور لڑائی میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کتنی بے جگری سے لڑتا ہوں۔ پھر غزوہ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پیدا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے اللہ! مسلمانوں نے آج جو کچھ کیا میں تیرے حضور میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں تیرے حضور میں اس سے اپنی بے زاری ظاہر کرتا ہوں، پھر وہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے۔ راستے میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے کہا: انس! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو احد پہاڑی کے دامن میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور شہید کر دیئے گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ آخر ان کی بہن نے ایک تل یا ان کی انگلیوں کی پور سے ان کی لاش کو پہچانا۔ ان کو اسی (80) پر کئی زخم بھالے، تلوار اور تیروں کے لگے تھے۔ (صحیح بخاری:4048)

سوال11: ﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے'' ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کا پیچھا کرنے سے روک دیا تھا تاکہ اس واقعے کو مسلمانوں کے لئے امتحان اور آزمائش بنا دیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے مقابلے میں پھیر کر بھگا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائش اور تمہارے امتحان کے طور پر جیت دشمن کے ہاتھ رہی تاکہ مومن اور کافر، فرماں بردار اور نافرمان کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ (تفسیر سعدی)

سوال12: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ ''اور بلاشبہ اس نے یقیناً تمہیں معاف کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کس غلطی کو معاف کر دیا؟

جواب: ''اور بلاشبہ اس نے یقیناً تمہیں معاف کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ان غلطیوں کو معاف کر دیا: ﴿1﴾ مسلمانوں کے بزدلی دکھانے کو۔ ﴿2﴾ آپس میں اختلاف کرنے کو۔ ﴿3﴾ رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کو۔ ﴿4﴾ احد کے میدان سے شکست کھا کر بھاگنے کو۔

سوال13: ﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والا ہے'' ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا فضل تھا؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا ان کی کوتاہیوں کے باوجود انہیں معاف فرما دینا اس کا فضل تھا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے معافی اور مغفرت کے ذریعے مومنوں پر فضل کیا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر فضل ہر حال میں ہوتا ہے خواہ اللہ

تعالیٰ کی نصرت کے ذریعے ہو یا ابتلاء وآزمائش کے ذریعے۔ یقیناً ابتلاء وآزمائش اللہ تعالیٰ کا فضل اور خفیہ لطف وکرم ہے تاکہ مومن مصائب پر صبر کرنے لگیں اور مشکل محاذوں پر ثابت قدم رہیں اور یقین میں کمال حاصل کریں اور ثابت کردیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے حالات خود نہیں بدل لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نہ دنیا اور اس کی رونقوں کی طرف راغب ہوئے اور نہ وہ حق سے ہٹے۔ ان کی جلد بازی کی سزا انہیں ملی جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے پاک ہوگئے اور وہ شہادت کے مرتبے پر پہنچے۔ (تفسیر قاسمی:4/253)

سوال 14: کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کے بعد اہل ایمان پر طعن وتشنیع کی گنجائش ہے؟

جواب: اہل ایمان کی کوتاہیوں پر جب معافی مل جاتی ہے تو طعن وتشنیع کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ایک حج کے موقع پر کسی شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کئے کہ وہ غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے اور غزوۂ احد سے فرار ہوگئے تھے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غزوۂ بدر میں ان کی بیوی بیمار تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں، بیعت رضوان کے موقع پر وہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور غزوۂ احد کے فرار کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے۔ (بخاری:3699)

﴿ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ(153) ﴾

''جب تم دور چلے جارہے تھے اور مڑ کر کسی ایک کو بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہاری پچھلی جماعت میں پکار رہا تھا تو اس نے بدلے میں تمہیں غم کے ساتھ اور غم دیا تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی اور اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم عمل کرتے ہو۔''(153)

سوال 1: ﴿ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ ﴾ ''جب تم دور چلے جارہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''جب تم دور چلے جارہے تھے'' احد کے میدان میں مسلمانوں کی بدحواسی کا پتہ چلتا ہے۔ مسلمان مرعوب ہوگئے، دہشت زدہ ہوئے اور سخت اضطراب میں مبتلا ہوئے۔ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ کوئی کسی کی پکار کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ نبی ﷺ پکار رہے تھے: ''اِلَیَّ عبادَ اللّٰہ'' اللہ کے بندو میری طرف آؤ، تاکہ لوگ مطمئن ہوجائیں۔ ان کے قدم اس لیے لڑکھڑائے تھے کہ کسی نے مشہور کردیا کہ نبی ﷺ قتل ہوگئے۔

سوال 2: ﴿ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ ﴾ ''جب تم دور چلے جارہے تھے اور مڑ کر کسی ایک کو بھی نہ دیکھتے تھے'' کا احساس کیوں دلایا گیا؟

جواب:﴿1﴾'' جب تم دور چلے جا رہے تھے اور مڑ کر کسی ایک کو بھی نہ دیکھتے تھے'' یہ احساس اس لیے دلایا گیا کہ ان کے ذہن پر یہ نقش ہو جائے۔﴿2﴾اور یہ اپنے کیے پر پشیمانی اور ندامت محسوس کریں۔﴿3﴾اپنے رویے کے اسباب پر غور کریں۔﴿4﴾اپنی کمزوریوں، حکم عدولیوں اور باہمی اختلافات پر غور وفکر کریں۔

سوال3: ﴿وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ﴾'' اور رسول تمہیں تمہاری پچھلی جماعت میں پکار رہا تھا'' رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو پیچھے سے کیسے پکارتے رہے؟

جواب:'' اور رسول تمہیں تمہاری پچھلی جماعت میں پکار رہا تھا''﴿1﴾رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو پکارتے رہے: اِلَیَّ عِبَادَ اللہ میری طرف لوٹ کر آؤ اللہ کے بندو!﴿2﴾یعنی رسول ان لوگوں کو بلا رہے تھے جو پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے'' اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ'' مگر تم نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا نہ تم ان کے پاس رکے۔ پس میدان جنگ سے فرار فی نفسہ موجب ملامت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا بلانا، جو اس امر کا موجب تھا کہ اپنی جان پر بھی آپ کی پکار کو مقدم رکھا جائے، سب سے بڑی ملامت کا مقام ہے، کیونکہ تم لوگ بلانے کے باوجود آپ سے پیچھے رہے۔(تفسیر سعدی:435/1)﴿3﴾سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نے بیان کیا کہ احد کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ نے (تیراندازوں کے) پیدل دستے پر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر کیا تھا پھر مسلمانوں نے پیٹھ پھیر لی، آیت'' اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے'' میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اس وقت رسول کریم ﷺ کے ساتھ بارہ صحابیوں کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔(صحیح بخاری:4561)

سوال4: ﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ﴾'' تو اس نے بدلے میں تمہیں غم کے ساتھ اور غم دیا تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی'' اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کون سے غم دیئے؟

جواب:'' تو اس نے بدلے میں تمہیں غم کے ساتھ اور غم دیا تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی''﴿1﴾بہت سے مسلمانوں کے قتل ہونے کا غم۔﴿2﴾نبی ﷺ کی شہادت کی افواہ سے پہنچنے والا غم۔﴿3﴾مسلمانوں کے زخمی ہونے کا غم۔﴿4﴾نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا غم۔﴿5﴾مال غنیمت سے محرومی کا غم۔﴿6﴾کفار پر فتح پانے سے محرومی کا غم۔

سوال5: ﴿لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ﴾'' تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غم کیوں دیئے؟

جواب:'' تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی''﴿1﴾تا کہ ان کے اندر برداشت کرنے کی

قوت اور حوصلہ پیدا ہو جائے۔ اگر یہ عزم پیدا ہو جائے تو جانے والی چیزوں پر ملال نہیں رہتا۔ ﴿2﴾ یہ سب اس لیے ہوتا کہ انہیں مصیبتوں پر صبر کرنے کی عادت پڑے اور ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ فتح و نصرت اور حصول مال غنیمت سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، ان کی قدرت و طاقت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال 6: ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم عمل کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم عمل کرتے ہو'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی دل کے حالات اور بدلتے واقعات سب اللہ تعالیٰ کی خبر میں ہیں۔ اس لئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے۔ ﴿2﴾ احد کے میدان میں مسلمانوں کے اندر جو کمزوری اور بزدلی پیدا ہوئی تھی اور اس کے نتیجے میں جو بھگدڑ مچی اور ایک کے بعد ایک صدمہ پہنچا، اللہ تعالیٰ نے اس ماحول سے گزرنے والے مسلمانوں کو اپنی ذات کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اگر مسلمان میدان احد میں دل کی گہرائیوں سے اپنے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو خبردار سمجھتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (154) ﴾

''پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن نازل فرمایا، ایک اونگھ تھی جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی اور یقیناً کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے تھے، وہ کہتے تھے: ''کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟'' آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔'' وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: ''اگر اس میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے'' آپ کہہ دیں: ''اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لیٹنے کی جگہوں کی طرف نکل آتے۔'' اور تاکہ اللہ تعالیٰ اسے آزمالے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ وہ اسے خالص کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے۔'' (154)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: زہری نے بیان کیا کہ شیطان نے احد کے دن بلند آواز سے چیخ ماری کہ رسول اکرم ﷺ شہید کر دیئے گئے، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے میدان جنگ میں رسول اکرم ﷺ کو دور سے پہچانا۔ میں نے آپ کی آنکھوں کو خود کے نیچے سے دیکھا۔ دیکھتے ہی خوشی ومسرت میں بلند آواز کے ساتھ میں نے پکارا: اے صحابہ کرام! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس:225/1)

سوال2: ﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن نازل فرمایا، ایک اونگھ تھی جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی'' میدان احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طاری ہونے والی اونگھ کی کیفیت کیا تھی؟

جواب: ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن نازل فرمایا، ایک اونگھ تھی جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد اہل یقین پر خاص طور پر کامل امن طاری کر دیا، ان کا خوف جاتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرتی جارہی تھیں۔ ﴿2﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احد کے دن ہم صف بندی کیے ہوئے میدان میں تھے کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جارہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا۔ وہ گری جارہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ (بخاری:4562) ﴿3﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ''میں نے احد کے دن اپنا سر اٹھایا اور دیکھنے لگا ہر شخص کا سر ہودج پر جھکا ہوا ہے۔'' (تفسیر مظہری:261/2)

سوال3: اونگھ خوف زدہ انسان پر کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ خوف زدہ اور پریشان حال انسان پر جب اونگھ طاری ہوتی ہے چاہے ایک لمحے کے لیے ہو، جسم پر جادو کے سے اثرات مرتب کرتی ہے۔ اونگھ دور ہوتے ہی تروتازگی محسوس ہوتی ہے، جسم آرام محسوس کرتا ہے اور دلوں پر اطمینان کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ﴿2﴾ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اونگھ کے کئی فوائد تھے۔ ان میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ دشمنان اسلام جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے، ان کا خوف مسلمانوں کے دلوں سے نکل گیا کیونکہ نیند کی حالت میں محفوظ رہنے نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین بڑھا دیا۔ (تیسیر الرحمٰن:215) ﴿3﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قتل میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہے۔ (الدر المنثور:156/2)

سوال4: میدان جنگ میں سب سے زیادہ اہمیت کس بات کی ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کا سکون رخصت نہ ہو۔ ﴿2﴾ وہ پوری یک سوئی کے ساتھ اپنا منصوبہ بنا سکے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ ﴿4﴾ اسے یہ یقین ہو کہ اس کی جان اس کی اپنی نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسی کے لیے لڑنا ہے اور اسی کے لیے حرکت میں آنا ہے۔

سوال5: یہاں کن دو جماعتوں کا تذکرہ ہے؟

جواب: یہاں مسلمانوں کی دو جماعتوں کا تذکرہ ہے: ﴿1﴾ان میں سے ایک کو اونگھ ڈھانپ رہی تھی۔ ﴿2﴾ دوسری وہ تھی جسے اپنی جانوں کی فکر لاحق تھی۔

سوال6: ﴿ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''اور یقیناً کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا'' ڈگمگاتے ایمان والوں کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور یقیناً کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا'' وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا سرپرست نہیں بناتے، اس پر اعتماد نہیں کرتے، اپنے آپ کو تقدیر کے سپرد نہیں کرتے۔ ﴿2﴾ دین کی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔ ﴿3﴾ اپنی ذات کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ ﴿4﴾ ان کے دلوں میں ایمان کی حقیقت جاگزیں نہیں ہوتی۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں کرتے ہیں۔ ﴿6﴾ انہیں صرف اپنی فکر لاحق تھی۔ انہیں نہ تو اپنے دین کی فکر تھی، نہ اپنے رسول کی، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی،، خوف وقلق اور جزع فزع کی وجہ سے انہیں کہاں نیند آسکتی تھی! (تیسیر الرحمن)

سوال7: ﴿ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے تھے'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت والے گمان کیا تھے؟

جواب: ''وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے تھے'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت والے گمان یہ تھے کہ ﴿1﴾ نبی ﷺ کا معاملہ باطل ہے۔ ﴿2﴾ انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں۔ ﴿3﴾ جس دین کی دعوت دیتے ہیں اس کا مستقبل مایوس کن ہے۔

سوال8: ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''وہ کہتے تھے: ''کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ کہتے تھے: ''کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟'' ﴿1﴾ یہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی طرف اشارہ ہے۔ جنگ کے لیے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اس نے یہی مشورہ دیا تھا کہ شہر کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے اس لیے جب اسے خبر ملی کہ خزرج کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے تو اس نے مسلمانوں میں بدظنی پھیلانے کے لیے کہا ﴿ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟ (تیسیر الرحمن) ﴿2﴾ منافقین کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس جنگ کے لیے جو منصوبہ بنایا گیا اس میں ہماری ایک نہیں سنی گئی۔ اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ ﴿3﴾ ان کو جواب یہ دیا گیا کہ کہہ دو: یقیناً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ﴿4﴾ قتادہ اور ربیع نے کہا: جاہلیت کے گمان اہل شرک کے تھے۔ (جامع البیان:148/4)

سوال9: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ''آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے'' یہ امر کن امور پر مشتمل ہوتا

ہے؟

جواب:'' آپ کہہ دیں:'' بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے'' امر دو امور پر مشتمل ہوتا ہے امر قدری اور امر شرعی۔ پس تمام چیزوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کی اطاعت کرنے والوں کے حق میں، ان چیزوں کا انجام فتح وظفر ہی ہوتا ہے خواہ ان پر کچھ بھی گزر جائے۔ (تفسیر سعدی)

سوال10: ﴿ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ﴾ '' وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:'' وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے'' وہ اپنے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف کفر، بغض اور دشمنی چھپائے ہوئے تھے جس کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر) ان کے دل وسوسوں اور شبہات سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً: ﴿1﴾ قیادت کی غلطی ہے۔ ﴿2﴾ قیادت کے اختیارات میں ہمارا کوئی حصہ ہوتا تو یہاں نہ مارے جاتے۔

سوال11: ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾ '' وہ کہتے ہیں:'' اگر اس میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' وہ کہتے ہیں:'' اگر اس میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے'' یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کا انکار اور اس کی تکذیب ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو بے وقوفی کی طرف منسوب کرنا اور اپنے آپ کو پاک صاف اور صحیح قرار دینا ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال12: انسان کے اندر قیادت کے بارے میں وسوسے کب آتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان نظریئے کے لیے خالص اور یک سو نہیں ہوتا۔ ﴿2﴾ جب کسی موقع پر شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ﴿3﴾ جب توقع سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ﴿4﴾ جب ناگوار نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سوال13: ﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾ '' آپ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لیٹنے کی جگہوں کی طرف نکل آتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' آپ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لیٹنے کی جگہوں کی طرف نکل آتے'' موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جہاں کسی کے لیے لکھی ہوئی ہو آ کر رہتی ہے۔ ﴿1﴾ اسباب خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں وہ تب ہی فائدہ دیتے ہیں جب قضاوقدر معارض نہ ہو۔ جب قضاوقدر اسباب کے خلاف ہو تو اسباب کوئی فائدہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت

وحیات کے جو فیصلے لوح محفوظ میں لکھ دیئے ہیں وہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔(تفسیر سعدی)﴿2﴾احتیاطی تدابیر کسی کو موت سے نہیں بچا سکتیں۔

سوال14: ﴿**وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ**﴾ ''اور تا کہ اللہ تعالیٰ اسے آزمالے جو تمہارے سینوں میں ہے'' سینوں کے اندر کس چیز کی آزمائش مطلوب تھی؟

جواب:﴿1﴾'' اور تا کہ اللہ تعالیٰ اسے آزمالے جو تمہارے سینوں میں ہے'' ایمان کی آزمائش مطلوب تھی جو سینوں کے اندر تھا۔﴿2﴾ سینوں کے اندر اخلاص ہے یا نفاق، اللہ تعالیٰ اسے باہر نکالنا چاہتے تھے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر پروان چڑھنے والے اخلاص یا نفاق کو ظاہر کر کے حجت بنا دینا چاہتے تھے۔مومنوں کے ایمان میں تو اس سے اضافہ ہوا اور کافروں کے امراض ان کی زبان سے ظاہر ہوئے۔(تفسیر قاسمی)

سوال15: ﴿**وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ**﴾ ''اور تا کہ وہ اسے خالص کر لے جو تمہارے دلوں میں ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اور تا کہ وہ تمہارے دلوں کو خالص کرے۔اس سے مراد یہ ہے کہ آزمائش اس لئے آتی ہے تا کہ جب کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے تو کھوٹ کو اللہ تعالیٰ صاف کر دے۔

سوال16: دلوں کا حال کھول دینے میں کیا حکمت تھی؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ مخلص مسلمانوں کا اخلاص اور منافقوں کا نفاق کھل جائے کیونکہ ایسے حالات سے گزرنے کے بعد مومن کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور منافق کی زبان سے اسلام کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔﴿2﴾ اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ امتحان کے مراحل سے گزر کر مؤمن غفلت اور شیطانی وسوسوں سے نجات پا سکے جو اسلام اور ایمان کے منافی ہے۔

سوال17: ﴿**بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ خفیہ راز جو دل کی تہوں میں ہوتے ہیں۔﴿2﴾ جو ہر وقت دل میں ہوتے ہیں جدا نہیں ہوتے۔﴿3﴾ جو روشنی میں نہیں آتے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ ان بھیدوں سے خوب واقف ہے۔

سوال18: ﴿**وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے ﴿**عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾'' اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر چھپے ہوئے نفاق کو ظاہر کر کے اپنے ﴿**عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے ایمان کے علم سے اپنے ﴿**عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر آنے والے وسوسوں سے اپنے ﴿**عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴾ ہونے کا

شعور دلایا ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے گمانوں سے اپنے ﴿عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (155)﴾

''یقیناً تم میں سے جولوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا، یقیناً انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔''(155)

سوال1: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ ''یقیناً تم میں سے جولوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا'' مقابلے کے دن کس نے پیٹھ پھیری تھی؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً تم میں سے جولوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا'' اس سے مراد وہ تیرانداز ہو سکتے ہیں جن کے دل میں مال غنیمت کے لالچ نے جوش مارا تھا۔ ان کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ انہیں ان کا حصہ نہیں دیں گے۔ ﴿2﴾ اس سے مراد غزوۂ احد سے بھاگنے والے افراد بھی ہو سکتے ہیں۔﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف تیرہ یا چودہ مسلمان رہ گئے تھے جن میں سات مہاجرین تھے اور سات انصار۔ مہاجرین میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص تھے اور سیدنا عثمان بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے راہ فرار اختیار کی تھی۔ چنانچہ شیعہ حضرات سیدنا عثمان پر ایک یہ طعن بھی کرتے ہیں حالانکہ خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ فرار محض شیطانی اغوا تھا۔ ایمان کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قصور معاف فرما دیا ہے۔(تیسیر القرآن:320/1)

سوال2: انسان سے غلطی کب ہوتی ہے؟

جواب: انسان سے اس وقت غلطی ہوتی ہے۔﴿1﴾ جب اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔﴿2﴾ جب اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔﴿3﴾ جب اسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر بھروسہ نہیں رہتا۔﴿4﴾ اس مقام پر شیطان انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ ایسے انسان سے غلطیاں کرواتا ہے۔

سوال3: ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ ''یقیناً انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا'' ﴿اسْتَزَلَّهُمُ﴾ شیطان نے انہیں اپنے وسوسے سے

پھسلا دیا جس کی وجہ سے وہ پھسل جاتے ہیں اور غلطی کر بیٹھتے ہیں۔﴿2﴾﴿ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوا ﴾''ان کے بعض اعمال کی وجہ سے''ان کے گناہوں اور نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے،اللہ تعالیٰ کی تائیداور نصرت ان سے روک دی گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔(تفسیر منیر:454/2)

سوال4: شیطان انسان کے اندر کیسے داخل ہوتا ہے؟

جواب: شیطان انسان کے اندر اس وقت داخل ہوتا ہے﴿1﴾جب اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ جاتا ہے۔﴿2﴾جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ سے نکل آتا ہے۔﴿3﴾باہمی اختلاف سے شیطان در آتا ہے۔

سوال5: شیطان کو کب بہکانے کا موقع ملتا ہے؟

جواب:﴿1﴾شیطان کو انسان کے گناہوں کی وجہ سے بہکانے کا موقع ملتا ہے۔﴿2﴾حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال لشکر کی مانند ہیں۔اگر اچھے ہوں تو ان سے دشمن کے خلاف تقویت ملتی ہے اور اگر برے ہوں تو دشمن کو تقویت ملتی ہے۔﴿3﴾اگر وہ اپنے رب کی اطاعت کے ذریعے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے تو شیطان کو ان پر کوئی اختیار نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ﴾میرے بندوں پر بلاشبہ تجھے کوئی غلبہ نہیں۔(بنی اسرائیل:65)(تفسیر سعدی)

سوال6: اللہ والوں نے غلطی کے بعد کیا کیا؟

جواب: انہوں نے استغفار کی۔

سوال7: استغفار کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾استغفار کی وجہ سے انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ جاتی ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہوجاتا ہے۔﴿3﴾شکوک،شبہات اور بے یقینی کی حالت ختم ہوجاتی ہے۔﴿4﴾وسوسے دور ہوجاتے ہیں۔﴿5﴾وہ دروازہ بند ہوجاتا ہے جہاں سے شیطان در آتا ہے۔

سوال8:﴿ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ﴾''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا ہے''اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی معافی کا اعلان کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا ہے''اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں ہونے والی لغزشوں کی معافی کا اعلان کیا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی معافی کا اعلان کیا اس لیے کہ ان کا فرار نفاق کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک عارضی غلطی تھی۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال9: اللہ تعالیٰ نے انہیں کب معاف کر دیا؟

جواب:《1》جب اس نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کے اندر اللہ تعالیٰ کو پانے کی طلب ہے۔وہ اس سے جڑنا چاہتے ہیں۔《2》جب اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا کہ وہ لوگ سرکشی نہیں کرنا چاہتے۔

سوال 10:《اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ》"بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:"بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے"《1》اللہ تعالیٰ غفور ہے سارے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ حلیم ہے وہ گناہوں پر سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔(تفسیر منیر:2/460)

سوال 11: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفور اور رحیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کے باوجود ان کے دلوں میں موجود ایمان کے علم سے اپنی مغفرت کا شعور دلایا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی لغزشوں کے باوجود معاف کرنے سے اپنی رحمت کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 17

《يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (156)》

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ لڑنے والے تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ وہ قتل کیے جاتے، تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔"(156)

سوال 1:《يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا》"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا" کی وضاحت کریں؟

جواب:"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا"《1》اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منافقوں اور کافروں کی مشابہت سے روکا ہے۔《2》کفر اسلام سے اور اسلامی عقیدے سے انکار کو کہتے ہیں۔اسلامی عقیدے کے مطابق زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔جب انسان ایسی بات کہتا ہے کہ "اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے" تو زندگی اور موت کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے موت وحیات کے مالک ہونے کے عقیدے کا انکار ہے۔اس لئے اس قول کو کفر اور کہنے والے کو کافر قرار دیا گیا۔《3》فاسد عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے۔

سوال2: زندگی اور موت کے بارے میں مومن اور کافر کے عقیدے میں کیا بنیادی فرق ہوتا ہے؟

جواب:

مؤمن کی سوچ	غیرمؤمن کی سوچ
(1)دنیا میں ہونے والے کاموں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر یقین رکھتا ہے،	(1) ظاہری اسباب پر یقین رکھتا ہے۔
(2)زندگی موت، کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے،	(2)زندگی موت، کامیابی اور ناکامی کو اپنی تدبیروں کا نتیجہ سمجھتا ہے۔
(3)اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے،	(3) حادثہ پیش آئے تو غم میں مبتلا ہوتا ہے کہ میں نے فلاں تدبیر کی ہوتی تو حادثے سے بچ جاتا۔
(4)جو ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے وہ اپنے وجود کی قیمت پر اپنے مال سے، اپنے وقت، اپنی صلاحیت سے جنت حاصل کرنے کی تگ ودو میں زندگی گزارتا ہے،	(4)جو دنیا کے اسباب کو اہمیت دیتا ہے، دنیا کی چیزوں کی فراہمی میں ساری زندگی لگا دیتا ہے۔

سوال3: ﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾ ’’اور انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ لڑنے والے تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ وہ قتل کیے جاتے‘‘ کافروں کی سی باتیں کون سی ہوتی ہیں؟

جواب: اگر کوئی سفر یا جنگ میں حادثے سے دوچار ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔

سوال4: کسی کی موت یا شہادت پر اس قول کو ﴿لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾ ’’اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے‘‘ کفر کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب: ’’اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے‘‘ کفر اسلام سے، اسلامی عقیدے سے انکار کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب انسان ایسی بات کہتا ہے کہ اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تو زندگی اور موت کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے موت و حیات کے مالک ہونے کے عقیدے کا انکار ہے۔ اس لئے اس قول کو کفر اور کہنے والے کو کافر قرار دیا گیا۔

سوال5: کافرانہ باتوں کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: دل کے اندر حسرت پیدا ہوتی ہے۔

سوال6: اہل ایمان کو کافروں جیسی باتیں کرنے سے روکا گیا، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب:《1》 کافرانہ باتیں کر کے انسان کا عقیدہ فاسد ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقیدہ کے فساد سے روکا ہے۔《2》 یہ عقیدہ 《**لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا**》"اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے" بزدلی کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے سے روک کر بزدلی سے بچالیا ہے۔《3》 عقیدے کا فساد دلی حسرت کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلی حسرتوں سے بچالیا ہے۔

سوال7:《**لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ**》"تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنادے" کی وضاحت کریں؟

جواب: "تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنادے" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کی بات نے انہیں غم دیا، ان کو کسی چیز نے نفع نہیں دیا۔ (الدرالمنثور:158/2)

سوال8: دلی حسرت سے کون بچ سکتا ہے؟

جواب: دلی حسرت سے صحیح عقیدہ رکھنے والے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جو اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور زندگی اور موت پر اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقت ور مومن ضعیف مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر اور بھلائی ہے۔ تم ان کاموں کی حرص کرو جو تمہارے لئے مفید ہیں۔ (یعنی آخرت میں کام دیں) اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو اور جو تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں ایسا کرتا یا ایسا کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی، لیکن یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا اور اگر مگر کرنا شیطان کے لئے راہ کھولنا ہے۔ (صحیح مسلم :6774)

سوال9:《**وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ**》"حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے" موت وحیات کے بارے میں صحیح عقیدہ کیا ہے؟

جواب:《1》 موت وحیات کے بارے میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے "وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔"《2》 موت کا ایک وقت مقرر ہے۔《3》 جب موت کا وقت آجائے تو وہ قلعوں کے اندر بھی آجائے گی۔

سوال10: موت وحیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تسلیم کر لینے سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:《1》 موت وحیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تسلیم کر لینے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔

﴿2﴾انسان پختہ ارادوں والا ہوجاتا ہے۔﴿3﴾انسان کے حوصلے بلند ہوجاتے ہیں۔﴿4﴾انسان حسرتوں سے بچ جاتا ہے۔﴿5﴾ بے چینی واضطراب سے بچ جاتا ہے۔﴿6﴾اسے دلی سکون نصیب ہوتا ہے۔﴿7﴾بزدلی سے بچ جاتا ہے۔﴿8﴾زندگی بچائے نہیں پھرتا بلکہ اسے بلند مقاصد کے حصول کے لیے، اپنے ربّ کوراضی کرنے کے لیے نچھاور کرنے کو تیار رہتا ہے۔

سوال11: ﴿وَاللّٰهُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں کو حسرت سے بچانے کے لئے اپنے مُحیِی اور مُمِیت ہونے کا شعور دلایا ہے۔

سوال12: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے'' سے اللہ تعالیٰ نے کون سے اعمال پر اپنے بصیر ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے زبان اور دل کے عمل کی طرف توجہ دلائی ہے جن اعمال کے بارے میں عام طور پر لوگ بے شعوری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بے پرواہ رہتے ہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے دل کے اور ظاہری اعمال پر بصیر ہونے کی طرف توجہ دلا کر انسان کو اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے فساد سے روکا ہے۔

﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ(157)﴾

''اور یقیناً اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔''(157)

سوال1: ﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ﴾ ''اور یقیناً اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور یقیناً اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ'' ﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت نیکی اور خیر کے ایسے اعمال میں سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہ نمائی کی ہے اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رحمت اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا اس سارے مال ومتاع سے بہتر ہے جسے اس دنیا کی زندگی میں جمع کرتے ہیں۔وہ ڈھلتا سایہ ہے اور شہادت پر ملنے والی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔(تفسیر مراغی:91/2)

سوال2: کیا موت اور قتل سے زندگی ختم ہوجاتی ہے؟

جواب: نہیں بلکہ موت کے بعد لازوال زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

سوال3: ﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں'' کیا یہ زندگی اس انعام سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ دے گا؟

جواب:﴿1﴾''تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں''اس زندگی میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ عارضی ہے۔﴿2﴾وقت،زندگی،مال،اولاد،صلاحیتیں،قوتیں،ہر چیز مقررہ وقت پر،مقررہ مقام پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ملتی ہے۔﴿3﴾انسان جو کچھ اس زندگی میں پالیتا ہے وہ اس کا رہتا نہیں مثلاً:(i)وقت ختم ہو جانے والا ہے۔(ii)عمر تمام ہونے والی ہے۔(iii)زندگی بیماریوں،حادثوں،مصیبتوں اور دکھوں کا شکار ہو جانے والی ہے۔(iv) صلاحیتیں اور قوتیں زوال پذیر ہونے والی ہیں۔(v)مال حفاظت کے باوجود ہاتھ سے نکل جانے والا ہے۔ہر چیز فانی ہے۔کسی چیز کے بارے میں انسان کو مستقل اطمینان نہیں رہتا۔﴿4﴾یہ زندگی اور اس کی نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں جب کہ آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾اور آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے۔(الاعلیٰ:17)

سوال4:انسان کے سامنے دو ترجیحات ہیں:دنیا یا آخرت،انسان کس کو ترجیح دے؟

جواب:انسان کے سامنے دو ترجیحات رہتی ہیں:دنیا یا آخرت۔انسان ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتا ہے۔جب وہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا ہر کام دنیا کے لئے ہوتا ہے۔جب وہ آخرت کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا ہر کام آخرت کے لئے ہوتا ہے۔

	صرف دنیا کے لیے	آخرت کے لیے
(1)مال	انسان مال جمع کرتا ہے اور دنیا کے لیے خرچ کرتا ہے جو آخرت میں کام نہیں آتا۔	(1)انسان دنیا کی ضروریات کے بعد آخرت کے لیے مال گھٹاتا ہے جو آخرت میں کام آتا ہے۔
(2)اولاد	انسان اولاد کو صرف دنیا بنانے پر لگا دیتا ہے۔ان کی تعلیم، ان کے روزگار،ان کی شادی اور ان کے بہتر مستقبل کی فکر کرتا ہے۔ایسی اولاد آخرت میں اس کے کام نہیں آسکتی۔	انسان اولاد کو دنیا میں بہترین انداز سے جینے کے قابل بناتا ہے۔ان کی دنیا کی تعلیم کے ساتھ آخرت کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ان کے روزگار کی فکر کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کے لیے تیار کرتا ہے۔ان کی شادی کرتا ہے اور انہیں اپنی نسل کو بھی آخرت کے لیے تیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ایسی اولاد دنیا میں بھی نعمت ہے اور آخرت میں بھی۔

(3)وقت	انسان وقت دنیا کے کاموں اور خوشیوں کے لیے لگاتا ہے۔آخرت میں کام نہیں آتا۔	انسان اپنے وقت کو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں کامیابی کے لیے اپنے مقصد زندگی کے مطابق لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاتا ہے۔
(4)صلاحیتیں اور قوتیں	انسان اپنی صلاحتیں اور قوتیں دنیا بنانے کے لیے لگاتا ہے۔(دنیا کے چند دن کا عیش اور ہمیشہ کی ذلت ورسوائی کا عذاب)	انسان اپنی صلاحتیں اور قوتیں دنیا کے ساتھ آخرت کے لیے اپنی زندگی کے مشن کو پورا کرنے کے لیے لگاتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

سوال5: انسان کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بنتا ہے؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اخلاص کے ساتھ جہاد کر کے اس کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بنتا ہے۔

سوال6: ﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾''تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں''﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا دنیا کے مال ومتاع سے بہتر ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے بہتر ہے۔﴿3﴾یہ موت اس لیے بہتر ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت نصیب ہوتی ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہوجانا یا مرجانا، اس میں کوئی نقص یا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے پرہیز کیا جائے بلکہ یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رغبت کے لیے لوگوں کو مسابقت کرنی چاہیے کیونکہ یہ ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت تک پہنچاتا ہے اور یہ اس دنیاوی مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے جسے دنیاوالے جمع کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی)

﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ(158)﴾

''اور یقیناً اگر تم مرگئے یا قتل کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔''(158)

سوال1: ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ﴾''یقیناً اگر تم مرگئے یا قتل کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے'' انسان کو جب یہ یقین ہوجاتا ہے تو اس کے رویئے میں کیا فرق آتا ہے؟

جواب:''یقیناً اگر تم مرگئے یا قتل کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے''﴿1﴾انسان عظیم موت(شہادت)کے حصول کے لیے بڑے مقصد(جہاد)کے لیے جینے کا ارادہ کر لیتا ہے۔﴿2﴾سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں اس طرح نکلا کہ میری راہ میں جہاد، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے ہی اسے نکلنے پر مجبور کیا تو میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اس کے مسکن تک جہاں سے وہ نکلا ہے اس طرح واپس لاؤں کہ وہ اجر یا غنیمت سے مالا مال ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی شخص کو جو بھی زخم آئے گا وہ قیامت کے دن اسی زخمی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ اس زخم کا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہوگی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس اتنی وسعت ہے کہ میں ان سب کو سامان جنگ مہیا کر سکوں اور نہ ان کو خود ہی اس قدر وسعت حاصل ہے۔ مسلمانوں کو یہ بھی ناگوار گزرتا ہے کہ میں کسی مہم کے لیے نکلوں اور وہ پیچھے رہ جائیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں۔ (صحیح مسلم:4859)

سوال2: ﴿ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے'' ﴿1﴾ مرنے یا مارے جانے کے بعد سب کا حشر اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے جو ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دے گا۔ ﴿2﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس نے نہ کبھی جہاد کیا ہو اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال آیا ہو تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبے پر ہوگی۔ (مسلم:1910)

سوال3: ﴿ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے'' کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے دل میں موت اور حیات کی حقیقت بیٹھ جاتی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر انسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم پر دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (159) ﴾

''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (159)

سوال1: ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے'' یہاں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی کس خاص رحمت کا

تذکرہ ہے؟

جواب: ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے'' ﴿1﴾ نبی ﷺ کے اندر کی نرمی اور ملائمت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا نتیجہ تھی۔ ﴿2﴾ ﴿ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔(التوبہ:128) ﴿3﴾ غیروں (اور غیر بھی کیسے بعض معاندوں تک) کے دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔لین پول نے کہا ہے: ''ظلم محمد کی سرشت ہی میں نہ تھا'' اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے کہ ''انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے، گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے۔'' اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے: پیغمبر کا میلان طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا۔(مفصل حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) (تفسیر ماجدی:654/1) ﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔آپ ﷺ نے کبھی مجھ سے اف بھی نہیں کیا نہ آپ نے کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔(صحیح بخاری:6038)

سوال 2: ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں'' رسول اللہ ﷺ کو نرمی اور ملائمت کیوں عطا کی گئی؟

جواب: دعوت و تبلیغ کے فریضے کو انجام دینے کے لئے نرمی اور ملائمت ضروری ہے۔

سوال 3: ﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ ''اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے'' تندخوئی اور سنگ دلی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ''اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے'' ﴿1﴾ تندخوئی اور سنگ دلی کی وجہ سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ ﴿2﴾ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، کہ آپ سخت زبان، سخت دل اور بازاروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے اور برائی کا جواب برائی سے نہ دیں گے۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں گے۔(تیسیر الرحمٰن:218) ﴿3﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی بھی تکلیف پر جو آپ کو پہنچائی گئی ہو، کبھی بدلہ نہیں لیا۔(صحیح بخاری:6853) ﴿4﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بتادوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو، نرم مزاج ہو، قریب ہو، سہل ہو۔سنن ابوداود میں ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بداخلاق داخل نہیں ہوگا۔(مشکوۃ المصابیح)

سوال 4: دنیا میں پیغمبر کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

جواب: انسانیت کو برے انجام سے بچانے اور انہیں ان کے رب کی پہچان دینے کے لیے ایک بنیادی جماعت کی تیاری جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔

سوال 5: مسلم امت کی تنظیم کے لیے اس آیت میں کیا طریقہ کار بتایا گیا ہے؟

جواب: امت مسلمہ کی تنظیم کے لیے اس آیت میں ایک تو قائد کے اوصاف بتائے گئے ہیں اور دوسرے اجتماعی معاملات کی تنظیم کے لیے قائد کی زیرنگرانی افراد کے لیے اصول دیئے گئے ہیں۔

سوال 6: ایک قائد کی شخصیت کو کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: ایک قائد کو اپنی شخصیت میں مطلوبہ اوصاف پیدا کرنے چاہئیں: ﴿1﴾ نہایت مہربانی۔ ﴿2﴾ رحم دلی۔ ﴿3﴾ نرم دلی۔ ﴿4﴾ نرم گفتاری۔ ﴿5﴾ قصوروں کو معاف کرنا۔ ﴿6﴾ لوگوں کے حق میں دل سے دعا کرنا۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلنا۔ ﴿9﴾ معاملات کو باہمی مشورے سے چلانا۔ ﴿10﴾ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ ﴿11﴾ صبر، حلم، ہمدردی، محبت اور شرافت سے کام لینا۔ ﴿12﴾ غلطیوں، کمزوریوں اور نقائص پر رعایت کرنا۔ ﴿13﴾ دوسروں کو اہمیت دینا۔ ﴿14﴾ خندہ پیشانی سے ملنا۔ ﴿15﴾ زبان، طرز کلام اور رہن سہن کو اجنبیت سے پاک کرنا۔ ﴿16﴾ انسانوں سے خیرخواہی کرنا۔ بڑی سے بڑی غلطی کرنے والوں کے خلاف بھی دل میں نفرت، کینہ یا حسد نہ رکھنا۔ کیونکہ بدخوئی اور سخت دلی لوگوں کو متنفر اور ان کے دلوں میں بغض پیدا کرتی ہے۔ پس دنیاوی سربراہ کے اچھے اخلاق لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف کھینچتے ہیں اور دین کے بارے میں لوگوں میں رغبت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگوں میں قابل تعریف اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر خاص کا مستحق ہوتا ہے اور دینی سربراہ کے برے اخلاق لوگوں کو دین سے متنفر کرتے اور دین کے بارے میں لوگوں میں بغض پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بدخود دینی سربراہ قابل مذمت اور خاص سزا کا مستحق ہے۔ یہ رسول ﷺ معصوم ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے۔ تب کسی دوسرے کا کیا حال ہوگا اور کیا یہ سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ اہم بات نہیں کہ ہم رسول ﷺ کے اخلاق کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف راغب کرنے کے لیے ہم ان کے ساتھ نرمی، حسن خلق اور الفت کے ساتھ پیش آئیں جیسے رسول اللہ ﷺ پیش آیا کرتے تھے؟ (تفسیر سعدی: 440/1)

سوال 7: قائد کی زیرنگرانی کام کرنے والے افراد کو اپنے اندر کیسی خصوصیات پیدا کرنی چاہئیں؟

جواب: قائد کی زیرنگرانی کام کرنے والے افراد کو اپنے اندر مطلوبہ خصوصیات پیدا کرنی چاہئیں: ﴿1﴾ قائد سے محبت کرنا، پروانوں کی طرح قائد کے اردگرد جمع ہونا۔ ﴿2﴾ دین کے کاموں میں ''مشورہ'' میں شامل ہونا۔ ﴿3﴾ سارے فیصلے باہم مشورے سے طے کرنا۔

﴿4﴾ فیصلوں پر عمل درآمد کرنا۔ ﴿5﴾ مشاورت کے بعد معاملہ فیصلہ کن موڑ تک پہنچانا۔ ﴿6﴾ پختہ ارادہ وعزم کرنا۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔

سوال8: ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ ''سو آپ انہیں معاف کردیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''سو آپ انہیں معاف کردیں'' ان لوگوں سے آپ ﷺ کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے درگزر کریں۔ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ آپ درگزر اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ (الاعراف:199) ﴿2﴾ ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ ''اور ان کے لئے بخشش مانگیں'' ان کو معاف کرکے آپ تو اجر پائیں گے اور اپنا حق تو معاف کردیں گے لیکن آپ کی اطاعت کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اس کے حق میں جو کمی کی ہے اس کے لیے آپ ان کے حق میں استغفار کریں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے۔

سوال9: ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ ''اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں'' ﴿1﴾ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنے صحابہ سے دینی کاموں کو انجام دینے کے لیے مشورہ لیں۔ ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے کسی کو مشورہ لینے والا نہیں دیکھا۔ (ترمذی:1714) ﴿3﴾ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب میرے متعلق ایسی باتیں کہی گئیں جن کا مجھے گمان بھی نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ میرے معاملہ میں لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس کی شان کے مطابق کی پھر فرمایا: امابعد! تم لوگ مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میری بیوی کو بدنام کیا ہے اور اللہ کی قسم کہ میں نے اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور تہمت بھی ایسے شخص (صفوان بن معطل) کے ساتھ لگائی ہے کہ اللہ کی قسم ان میں بھی میں نے کبھی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ میرے گھر میں جب بھی داخل ہوا تو میری موجودگی ہی میں داخل ہوا اور اگر میں کبھی سفر کی وجہ سے مدینہ نہیں ہوتا تو وہ بھی نہیں ہوتا اور وہ میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ (صحیح بخاری:4757) ﴿4﴾ یہاں اسلامی تنظیم کا ایک اہم اصول واضح کیا جارہا ہے جسے شوریٰ کہا جاتا ہے یعنی کام کا پختہ ارادہ کرنے سے پہلے ذمہ دار افراد کامل کر اس کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لینا کہ کیا اچھا ہے کیا برا، کیا کریں اور کیا چھوڑ دیں۔ ﴿5﴾ ابن عطیہ نے کہا کہ یہاں شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدے کا حکم دیا جارہا ہے اور وہ ہے شوریٰ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد فرمائی ہے'' وامرھم شوری بینھم '' (تفسیر قرطبی:191,192/2) ﴿6﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی۔ (ذکرہ الہیثمی ف مجمع الزوائد:280/2)

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشاورت کا حکم دیا، مشاورت کا تعلق کن امور سے ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مشاورت کا تعلق ان امور سے ہے جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ ﴿2﴾ مشورہ انتظامی معاملات میں لیا جائے گا۔ (فتح القدیر)

سوال11: مشورہ کب کیا جائے؟

جواب: امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مقصود انہی امور میں مشورہ کرنا ہے جن کے بارے میں شرع میں حکم صریح موجود نہ ہو۔ بعض علمائے امت کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مسلمان حکام کو علماء سے ان امور میں ضرور مشورہ کرنا چاہئے جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو حاکم، اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا اسے معزول کر دینا واجب ہے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال12: مشورہ کب نہیں کیا جانا چاہئے؟

جواب: ﴿1﴾ جن معاملات سے متعلق اللہ رب العزت یا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایات موجود ہوں تو ان میں مشورہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ ﴿2﴾ امیر یا قیادت کی طرف سے فیصلہ آجانے کے بعد آپس میں مشورہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ ﴿3﴾ ایک دفعہ مشورہ ہونے کے بعد فیصلہ ہو جائے تو دوبارہ مشورہ نہیں کیا جائے گا۔

سوال13: مشورہ کن لوگوں سے کیا جائے گا؟

جواب: ﴿1﴾ مشورہ اہل علم سے لیا جائے گا۔ جو اس معاملے کا علم بھی رکھتے ہوں اور قرآن وسنت کا علم بھی رکھتے ہوں۔ ﴿2﴾ صاحب شعور اور صائب الرائے افراد سے مشورہ لیا جائے گا۔ ﴿3﴾ صرف متعلقہ افراد سے مشورہ لیا جائے گا۔

سوال14: مشورہ دینے والے کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے مشورہ طلب کیا جائے اسے امین سمجھا جاتا ہے۔ (ابوداود 5128:)

سوال15: مشاورت کن امور میں کی جائے گی؟

جواب: مشورہ صرف ان امور میں کیا جا سکتا ہے جن میں کتاب وسنت میں صریح حکم موجود نہ ہو اور جہاں صریح حکم موجود ہو وہاں مشورہ کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ عموماً تدبیری امور میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً جنگ کہاں لڑی جائے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟ لوگوں کی معاشی اور اخلاقی بہبود کے لئے کیا طریقے استعمال کئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ مشورہ میں صرف یہ دیکھا جائے کہ کون سی رائے اقرب الی الحق ہے۔ یعنی کتاب وسنت کی منشا کے مطابق ہو۔ یہ رائے خواہ تھوڑے آدمیوں کی ہو یہ زیادہ آدمیوں کی۔ گویا مشورے کا

اصل مقصد دلیل کی تلاش ہے۔رائے دینے والوں کی کثرت یا قلت تعداد اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور کسی رائے کو اقرب الی الحق قرار دینے کا اختیار میر مجلس مشاورت کو ہوتا ہے۔(تیسیر القرآن:320-321/1)

سوال16: شوریٰ کا طریقۂ کار کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ متعلقہ افراد کی مجلس منعقد کی جائے۔﴿2﴾ کسی معاملے میں مختلف آراء سامنے رکھی جائیں۔﴿3﴾ مجلس میں پیش کی جانے والی آراء پر غور وفکر کیا جائے۔﴿4﴾ اگر مختلف آراء ہوں تو جو رائے بہتر ہو قبول کی جائے باقی چھوڑ دی جائیں۔﴿5﴾ فیصلہ ہو جائے تو شوریٰ کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

سوال17: مشاورت کے بعد آخری فیصلہ کس کا ہوگا؟

جواب:﴿1﴾ مشاورت کے بعد آخری فیصلہ حکمران یا ذمہ دار کا ہوگا۔﴿2﴾ یہ فیصلہ مشورہ دینے والوں کی اکثریت کی بنیاد پر نہیں ہوگا جیسا کہ جمہوریت میں ہوتا ہے۔

سوال18: مشورے کے بعد اعتماد کس پر ہوگا؟

جواب: مشورے کے بعد مشورہ دینے والوں کی عقل وفہم پر نہیں سارا اعتماد اور توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوگا۔

سوال19: شوریٰ کے فیصلے کے بعد اگلا مرحلہ کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ شوریٰ کے بعد اگلا مرحلہ فیصلے کے نفاذ کا ہوتا ہے۔﴿2﴾ اس مرحلے میں پختہ عزم اور فیصلہ کن اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔﴿3﴾ اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کی ضرورت ہوتی ہے۔﴿4﴾ یہاں سے معاملہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے حوالے ہو جاتا ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نتائج کو ظاہر کرتے ہیں۔﴿6﴾ مؤمنین کا کام پوری تیاری کر کے نتائج سے بے فکر ہو جانا ہے۔﴿7﴾ فیصلے نافذ ہونے کے بعد جو بھی نتائج نکلیں انہیں قبول کرنا ہے۔

سوال20:﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ ﴾''پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ جب آپ کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔(جامع البیان:160/4)

سوال21: فیصلہ ہو جانے کے بعد پختہ عزم کی راہ میں کیا رکاوٹ ہوتی ہے؟

جواب:﴿1﴾ دل میں اطمینان نہ ہو۔﴿2﴾ انسان پست ہمت ہو۔﴿3﴾ انسان اخلاقی اور عملی اعتبار سے ایک جگہ قائم نہ رہ سکے۔﴿4﴾ اس کے دل میں کھوٹ ہو۔﴿5﴾ قیادت کے ساتھ اخلاص نہ ہو۔﴿6﴾ قیادت پر اعتماد نہ ہو یا کم ہو۔اس کے فیصلوں کو اپنے

خلاف محسوس کیا جائے۔

سوال22: ﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں'' کب توکل کرنے کا حکم دیا گیا؟

جواب: مشورہ کرنے کے بعد ایک فیصلے پر پختہ عزم کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا گیا۔

سوال23: ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کیوں کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے تو وہ مدد کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس پر بھروسے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت مومنوں کے کام نہیں آسکتی کیونکہ کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا نہیں۔ ﴿3﴾ کوئی تقدیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سوا نہیں۔ ﴿4﴾ کوئی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا نہیں۔ ﴿5﴾ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ﴿6﴾ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

سوال24: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اپنی محبت سے اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے۔ (الطلاق:3)

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (160) ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ اور ایمان والوں پر تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔'' (160)

سوال1: اللہ تعالیٰ نے توکل کی ترغیب کیسے دلائی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے والوں سے محبت رکھنے سے توکل کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ اگر وہ مدد کرے تو کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے۔

سوال2: ﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں'' اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنی قوت اور غلبے کا شعور دلایا ہے

کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں لہٰذا اس کی مدد پر بھروسہ کرو۔ ﴿2﴾ ''اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے'' (i) کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوانہیں ہے۔ (ii) کوئی تقدیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سوانہیں ہے۔ (iii) کوئی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوانہیں ہے۔ (iv) تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (v) فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ (vi) اگر فتح چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔ (vii) اگر شکست سے بچنا چاہتے ہو تو اسی کے آگے گڑگڑاؤ۔ (viii) اسی کی طرف توجہ کرلو۔ (ix) اسی پر بھروسہ کرو۔ (x) پوری تیاری کے بعد نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

سوال3: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور ایمان والوں پر تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں'' اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کس چیز کا تقاضا ہے؟

جواب: ''اور ایمان والوں پر تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں'' ﴿1﴾ ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے، اسی پر توکل کرے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا توحید ہے اور کسی دوسرے پر توکل کرنا شرک ہے۔ ﴿3﴾ مومن کے ایمان کے مطابق ہی اس کا توکل ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں بھی اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ خالی پیٹ گھروں سے نکلتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، نسائی)

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ(161)﴾

''اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کی پھر ہر جان کو جو اس نے کمایا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔'' (161)

سوال1: اس آیت کا شان نزول بتائیں؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ﴾ (آل عمران:165) کسی نبی کے لیے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے، ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن (مال غنیمت سے) گم پائی گئی تھی، بعض لوگوں نے کہا: شاید رسول اللہ ﷺ نے پکڑ لی ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ''کسی نبی کے لیے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے روز خیانت کے ساتھ آئے گا پھر ہر نفس نے جو کمایا ہے اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔'' (جامع ترمذی:3009)

سوال2: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ﴾ ''اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے'' ﴿1﴾ یہاں غلول سے مراد مال غنیمت کا چھپانا ہے اور اس چیز میں خیانت

کرنا جس کا اسے منتظم بنایا گیا ہے۔خیانت کے حرام ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس کا شمار کبائر میں ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی: 442/1)《2》 غزوۂ احد میں تیراندازوں کو یہ خوف دامن گیر ہو گیا تھا کہ شاید بعد میں رسول اللہ ﷺ انہیں کوئی حصہ نہ دیں۔اس پر یہ تنبیہ کی گئی کہ کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔《3》خیانت نبوت کے منافی ہے۔اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیونکر کیا جا سکتا ہے؟(دعوۃ القرآن)《4》اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی امانت کا شعور دلا کر ان کی حکم عدولی یعنی نافرمانی کرنے سے روکا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں مال غنیمت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کرنے والوں کو نبوت کی عظمت کیسے سمجھائی ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی نبی کے لئے ناممکن ہے کہ اس سے خیانت ہو جائے۔《2》نبی امین ہوتا ہے۔اس کی امانت پر بھروسہ ہونا چاہئے۔وہ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حصّہ دینے والا ہے۔

سوال4:《وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ》''اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کی''غلول(مال غنیمت میں چوری)سے رسول اللہ ﷺ نے کس طریقے سے روکا؟

جواب:''اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کی''《1》نبی ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو!تم میں سے کوئی شخص ہمارے لیے عامل مقرر ہوا اور اس نے ایک سوئی چرائی یا اس سے زیادہ تو وہ چور ہے اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے گا۔''(مسلم:4743)《2》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خیانت کے بارے میں بات کی اور اسے بہت ہی زیادہ اہمیت دی،پھر کہا: ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی قیامت کے دن میرے سامنے اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو جو چیخ رہا ہو،اور وہ کہے کہ یا رسول اللہ!میری مدد کیجئے،تو میں کہوں گا کہ آج میں کچھ نہیں کر سکتا،میں نے تمہیں تنبیہ کر دی تھی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی طرح گھوڑے،بکری،آدمی اور زمین کے ٹکڑوں کا ذکر کیا اور ہر بار یہی بات دہرائی کہ میں کہوں گا: آج میں کچھ نہیں کر سکتا۔(صحیح بخاری:3073)(مسلم:4734)《3》نبی ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو!تم میں سے کوئی شخص ہمارے لیے عامل مقرر ہوا اور اس نے ایک سوئی چرائی یا اس سے زیادہ تو وہ چور ہے اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے گا۔(مسلم،ابوداؤد)《4》ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب خیبر فتح ہوا تو مال غنیمت میں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ گائے،اونٹ،سامان اور باغات ملے تھے۔پھر ہم رسول ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف لوٹے۔رسول ﷺ کے ساتھ ایک مدعم نامی غلام تھا۔جو بنی ضباب کے ایک صحابی نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں دیا تھا۔وہ رسول ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر ان کو لگا۔لوگوں نے کہا: مبارک ہو،شہادت!لیکن رسول ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں چرائی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے۔یہ سن کر ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ ایک یا دو تسمے لے کر رسول ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ میں نے اٹھا لئے تھے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ بھی جہنم کا تسمہ بنتا۔ (صحیح بخاری:4234)

سوال5: ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''پھر ہر جان کو جو اس نے کمایا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے'' خیانت اور اس کا انجام بیان کرنے کے بعد یہ کیوں کہا گیا کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا؟

جواب: خیانت اور اس کا انجام بتانے کے بعد کہا گیا: ''پھر ہر جان کو جو اس نے کمایا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے'' اس شبے کو دور کرنے کے لئے کہ دوسروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں ملے گا یہ حکم لا کر تاکید کر دی گئی کہ ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے نیک عمل کرے گا وہ گناہ کرنے والے کی طرح نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے۔ جنت والوں کو جنت میں، دوزخ والوں کو دوزخ میں اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف:49)

﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (162)﴾

''تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہے؟ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔'' (162)

سوال1: ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا'' ﴿1﴾ جو شخص اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے گا اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جو گناہ کر کے اپنے رب کو ناراض کر لے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں؟ (ص:28)

﴿2﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اموال غنیمت لائے گئے، یہ جنگ قادسیہ کے بعد کا واقعہ ہے، تو ان میں کسریٰ کا وہ تاج بھی تھا جسے وہ اپنے دربار میں پہن کر بیٹھتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر کہا: قابل قدر ہیں وہ فوجی جنہوں نے اسے خزانے میں جمع کروایا۔ یہ وہ

فاصلہ ہے جواللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے امین اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں گھر جانے والے خائن کے درمیان ہوتا ہے۔

سوال2: ﴿ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ﴾ ''اوراس کاٹھکانہ تو جہنم ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی سے روکنے کے لئے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: ''اوراس کاٹھکانہ تو جہنم ہے'' اللہ تعالیٰ نے نافرمانی سے روکنے کے لئے اس کے انجام یعنی جہنم کے عذاب کا خوف دلایا ہے۔

سوال3: ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ ''اوروہ بہت ہی براٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اوروہ بہت ہی براٹھکانہ ہے'' سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کاٹھکانہ ہے۔(ابن ابی حاتم:806/3)

﴿ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (163) ﴾

''وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے (الگ الگ) طبقے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔''(163)

سوال1: ﴿ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے (الگ الگ) طبقے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے (الگ الگ) طبقے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں'' ان کے درجات مختلف ہیں۔اس سے مراد ہے کہ وہ درجات والے ہیں یا ان کے لیے درجات ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہے اور جو اس کو ناراض کرے، ان کے درجات ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے بلند درجات ہیں اور دوسروں کے اسفل ہیں۔(فتح القدیر:501/1) ﴿1﴾ ہر شخص اپنے حق کے مطابق بلند درجات تک پہنچتا ہے۔ ﴿2﴾ درجات کی بلندی میں کسی پر ظلم نہیں ہے۔ ﴿3﴾ درجات کی بلندی میں بے جا محبت وطرف داری نہیں ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے۔

سوال2: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے بصیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر کے ارادوں اور جذبوں کی نگرانی سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے رضائے الٰہی کے حصول کے ارادے اور اپنے دل کی خوشی کے ارادے کے بارے میں باخبر ہونے سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیکھ لیا ہے جنہوں نے خیانت کی اور ان کو بھی جنہوں نے نہیں کی۔(ابن ابی حاتم:808/3)

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (164) ﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جوانہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسناتا ہے اورانہیں پاک کرتا ہے اورانہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''(164)

سوال1: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا'' رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے احسان قرار دیا، واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا'' قتادہ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے اس امت کی طرف سے رغبت اور دعا کے بغیر احسان عظیم کیا ہے۔ ان کے لیے نبی کو رحمت بنایا جوانہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اورانہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔ (القرآن العظیم:808/3) ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ کی آمد ان کے لئے احسان تھی کیونکہ آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھ کرسناتے تھے جب کہ اس سے پہلے عربوں کے پاس وحی نہیں آتی تھی۔ ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ انہیں توحید اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ قرآن وسنت کی تعلیم دیتے تھے، یہ ان پر بہت بڑا احسان تھا۔ ﴿4﴾ رسول اللہ ﷺ انہیں شرک سے پاک کرتے تھے جب کہ اہل عرب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ ﴿5﴾ رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو علم اور عبادت سکھا کر دنیا کے بہترین انسان بنادیا، یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان عظیم تھا۔

سوال2: ﴿ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فخر الدین زاری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو عربوں میں پیدا کیا، یہ عربوں کے لیے بڑے فخر وشرف کی بات ہے۔ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام پر فخر کرنا تو یہود، نصاریٰ اور عرب سبھوں میں مشترک تھا اور یہود ونصاریٰ، موسیٰ، عیسیٰ، اور تورات وانجیل پر فخر کیا کرتے تھے۔ عربوں کے پاس ان کے مقابلے میں فخر کی کوئی بات موجود نہ تھی، جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا، اوران پر قرآن نازل فرمایا، تو یہ عربوں کے لیے بڑے شرف کی بات تھی، جس میں دوسری قومیں شریک نہ تھیں۔ (تیسیر الرحمٰن:221) ﴿2﴾ ﴿ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''ان ہی میں سے'' ان کی جنس میں سے ہی ہے، بنی آدم میں سے اورانہیں فرشتوں میں سے نہیں بنایا۔ (تفسیر سمرقندی:262/1)

سوال3: ﴿ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''ان ہی میں سے ایک رسول'' میں قیامت تک آنے والے مصلحین (اصلاح کرنے والوں) کے لیے کیا نصیحت ہے؟

جواب: ''ان ہی میں سے ایک رسول'' ﴿1﴾ جو شخص بھی اصلاح کا کام کرنے کے لیے اٹھے، جن لوگوں کے درمیان وہ کام کرے ان

کو اپنا نظر آئے۔ اس کی زبان، اس کا انداز کلام، اس کا رہن سہن، ہر چیز اجنبیت سے پاک ہو۔﴿2﴾ وہ اپنے اور اپنے مخاطبوں کے درمیان ایسی فضا نہ بنائے جو کسی پہلو سے ایک دوسرے سے دور کرنے والی ہو یا ایک دوسرے کے مقابلے میں فریق بنا کر کھڑا کر دے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے انسانوں میں سے ہونے کو اپنا احسان قرار دیا ہے، نبی کا انسان ہونا کس اعتبار سے احسان عظیم ہے؟

جواب:﴿1﴾ نبی قوم کی زبان اور لہجے میں پیغام پہنچاتا ہے جس کو سمجھنا ہر شخص کے لئے آسان ہوتا ہے۔﴿2﴾ نبی انسان ہونے کے ناطے اپنے جیسے انسانوں سے مانوس اور قریب ہوتا ہے۔﴿3﴾ انسانوں کے لئے انسان کی پیروی کرنا ممکن ہے کیونکہ انسان ہی اپنے جیسوں کے احساسات، جذبات اور شعور کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔ یوں انس، قربت، زبان اور لہجے کے ایک ہونے اور انسانوں کے احساسات اور جذبات کو سمجھنے کی وجہ سے نبی کا انسان ہونا اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔

سوال5:﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ''جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' رسول کو بھیجنے کے مقاصد کیا تھے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کر کے سنائے۔﴿2﴾ انسانوں کی زندگیوں کو سنوارے۔﴿3﴾ انہیں کتاب کی تعلیم دے۔﴿4﴾ انہیں حکمت کی تعلیم دے۔﴿5﴾ انہیں صریح گمراہیوں سے نکالے۔

سوال6: تزکیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ تزکیہ سے مراد عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہے۔﴿2﴾ ابن عباس کا قول ہے کہ تزکیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اخلاص ہے۔(ابن ابی حاتم:808/3)

سوال7:﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ ''اور انہیں پاک کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور انہیں پاک کرتا ہے'' اس سے مراد ہے:﴿1﴾ ان کی انفرادی زندگیوں کو پاک کرتا ہے۔﴿2﴾ ان کے دلوں اور ان کے شعور کو پاک کرتا ہے۔﴿3﴾ ان کے گھرانوں کو پاک کرتا ہے۔﴿4﴾ ان کے تعلقات کو پاک کرتا ہے۔(i) صلہ رحمی کے تعلقات کو کاٹنے سے۔(ii) ناجائز تعلقات رکھنے سے۔﴿5﴾ ان کے معاشروں کو فحاشی اور بہتان طرازی سے پاک کرتا ہے۔﴿6﴾ ان کے اداروں کو پاک کرتا ہے۔﴿7﴾ ان کو شرک اور بت پرستی کی گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔﴿8﴾ ان کو توہمات سے پاک کرتا ہے۔﴿9﴾ غلط رسوم و رواج سے پاک کرتا ہے۔﴿10﴾ ان کو جاہلیت کی زندگی کی تمام گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔﴿11﴾ دوسری قوموں کی نقالی سے پاک کرتا ہے۔﴿12﴾ غیر قوموں کی غلامی سے پاک کرتا ہے۔﴿13﴾ بے قیمت اور گھٹیا سرگرمیوں سے پاک کرتا ہے۔﴿14﴾ بے

مقصدیت سے پاک کرتا ہے کیونکہ ان کے پاس زندگی کا پیغام نہ تھا، انسانیت کی بھلائی کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ اس دنیا میں ان کے پاس انسانوں کی بھلائی کا کوئی بلند پروگرام نہیں تھا۔

سوال8: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ سے مراد سنت ہے۔ (فتح القدیر: 501/1) ﴿3﴾ وہ انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے گا پھر ان میں علماء اور حکماء، قائدین اور علوم ومعارف کے اساتذہ ہوں گے اور اس رسول سے پہلے وہ گمراہ تھے۔ اس سے پہلے وہ امی امت تھے تو نور اسلام، تعلیم قرآن اور معارفت حیات سے وہ بہترین امت بن گئے۔ (تفسیر منیر: 479/2)

سوال9: انسانوں کے درمیان آج اصلاح کا کام کیسے ہوگا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلانے والے لوگوں کی اس صلاحیت کو بیدار کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو پڑھنے لگیں، اپنی ذات میں بھی اور اس کائنات میں بھی۔ (i) غور وفکر کرنا سکھانے کے لیے قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں گی۔ (ii) قرآن حکیم کے دلائل سمجھائے جائیں گے تاکہ وہ ذہن کا حصہ بن جائیں۔ ﴿2﴾ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے انسانوں کو برائی سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مقصد گفتگو اور صحبت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اکٹھے بیٹھ کر تفصیل کے ساتھ گفتگو بھی کی جائے گی اور ساتھ رہتے ہوئے حکمت کے ساتھ خامیوں کی نشان دہی کی جائے گی اور ان سے نجات پانے کے طریقے سکھائے جائیں گے۔ اپنے عمل سے نمونہ پیش کیا جائے گا۔ ﴿3﴾ زندگی کو شریعت کے احکامات کے مطابق گزارنا سکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی باقاعدہ تعلیم دی جائے گی۔ ﴿4﴾ دین کے گہرے راز اور چھپی ہوئی حقیقتوں کو نمایاں کیا جائے گا۔ ﴿5﴾ صریح گمراہیوں اور جاہلیت کے کاموں سے نکالا جائے گا۔

سوال10: ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے'' کھلی گمراہی کیا ہے؟

جواب: ''حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے'' ﴿1﴾ کھلی گمراہی سے مراد بت پرستی ہے یعنی شرک۔ ﴿2﴾ حرام اور گندی چیزوں کا کھانا۔ ﴿3﴾ ایک دوسرے پر ظلم کرنا کھلی گمراہی میں مبتلا ہونے کا ثبوت ہے۔ (تفسیر قاسمی: 284/4)

﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (165) ﴾

''اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی ہے؟ آپ کہہ دیں وہ تمہارے اپنے ہی پاس سے ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (165)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر جو چھوڑ دیا تھا اس کی گرفت احد میں ہوئی کہ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے ۔رسول اکرم ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود ٹوٹ گیا جس سے آپ کے چہرۂ انور پر سے خون بہنے لگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر ابن کثیر:486/1)

سوال2: ﴿ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ ''اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی ہے؟'' غزوۂ احد میں شکست پر ایک عام مسلمان کا ردّ عمل کیا تھا؟

جواب: ''اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی ہے؟'' وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید ہمیں حاصل ہے لہٰذا ہمیں شکست نہیں ہو سکتی۔ جب شکست ہوئی تو انہوں نے کہا: ﴿1﴾ اللہ کے رسول ﷺ میدان جنگ میں موجود تھے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ فتح کا وعدہ کر رکھا تھا۔ ﴿3﴾ ہم دین کی خاطر لڑنے گئے تھے، پھر بھی شکست کھائی۔ ﴿4﴾ ہم نے ان سے شکست کیسے کھائی جو کہ دین کو مٹانے آئے تھے۔

سوال3: غزوۂ احد کی بڑی مصیبت کیا تھی جس کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا؟

جواب: 70 آدمیوں کی شہادت کی وجہ سے 70 گھرانوں کا متاثر ہونا۔ ان کے پیچھے ایک بڑی تعداد بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی تھی۔

سوال4: ﴿ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ ''جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ذہنی تیاری کیسے کی ہے؟

جواب: ''جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سادہ سا جواب دیا کہ دیکھو بدر میں کافروں، مشرکوں نے دوہری قربانی دی تھی۔ آج تمہارے 70 افراد شہید ہوئے ہیں، بدر میں ان کے 70 افراد قتل ہوئے تھے اور 70 افراد قید ہوئے تھے۔ ﴿2﴾ ''جس سے دوگنی تم پہنچا چکے تھے'' انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن ستر مسلمان شہید ہوئے۔(بخاری:4078) ﴿3﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنا لیا تھا۔(مسلم:1763)

سوال5: ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ ''تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب'' تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی ہے؟'' جب تم نے شکست کے بارے میں کہا یہ کہاں سے آ گئی۔

سوال6: ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ '' آپ کہہ دیں وہ تمہارے اپنے ہی پاس سے ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: '' کہہ دو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہے'' اس سے مراد ہے کہ مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ شکست تمہاری کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ﴿1﴾ تم نے باہمی اختلاف کیا۔ ﴿2﴾ تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ ﴿3﴾ تم مال کی محبت میں مبتلا ہوئے۔ ﴿4﴾

تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا۔ ﴿5﴾ تم نے خدا خوفی کے خلاف کام کیے۔ پھر کیسے یہ پوچھ سکتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ ابتداء میں تم مشرکوں کے لشکر پر غالب آ رہے تھے۔ غزوۂ احد میں پہنچنے والا نقصان اور شکست تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ تم نے رسول ﷺ کی حکم عدولی کی جس کی وجہ سے کافروں کے دستے کو درّے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور میدان جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

سوال7: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ شکست دلوانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ ﴿3﴾ وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ ﴿4﴾ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے فیصلوں کا کوئی پیچھا کرنے والا نہیں۔ (تفسیر منیر: 485/2)

سوال8: اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فتح اور شکست پر اپنے اختیار سے اور احد کے میدان میں فتح کے بعد شکست سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔ وہ جو چاہے، جب چاہے فیصلے کر سکتا ہے اور فیصلوں کو بدل سکتا ہے۔

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ (166) ﴾

''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور تا کہ وہ مومنوں کو جان لے۔'' (166)

سوال1: ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی'' غزوۂ احد میں جو نقصان پہنچا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا، اس میں کیا حکمت تھی؟

جواب: ''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی'' ﴿1﴾ احد کے نقصان سے یہ سمجھانا مطلوب تھا کہ رسول کی نافرمانی کیسے ناکام کروا سکتی ہے۔ ﴿2﴾ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مومن اور منافق الگ الگ ہو جائیں۔ ﴿3﴾ اس کی طرف اشارہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں پہلے ہی کر دیا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر اس نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئی جو مسلمانوں کو احد میں اٹھانا پڑا۔ میں نے دوبارہ اس تلوار کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ شاندار بن گئی۔ اس کی تعبیر اس طرح سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (وقتی شکست کے بعد) فتح سے نوازا اور منتشر مسلمان نئے سرے سے (لڑائی کے لیے) ایک جگہ جمع ہو گئے اور میں نے خواب میں ایک گائے بھی دیکھی (جو ذبح ہو رہی تھی)۔ اللہ تعالیٰ کے سارے کاموں ہی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ گائے سے مراد وہ مسلمان

تھے جو احد کی جنگ میں شہید ہو گئے۔'' (بخاری:4081)

سوال2: ﴿ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''اور تا کہ وہ مومنوں کو جان لے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تا کہ وہ مومنوں کو جان لے'' ﴿1﴾ یہ اس کی حکمت کے مظاہر میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایمانی قوت اور کمزوری ،صبر و ثبات اور عدم ثبات کو اپنے علم سے ظاہر کر دے۔ ﴿2﴾ پھر وہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدمی اختیار کرنے والوں کو بھی جان لے اور منافقوں کو بھی جان لے۔ جو عبداللہ بن ابی کے ساتھ راستے سے لوٹ آئے اور وہ تین سو لوگ تھے۔(تفسیر منیر:2/485)

﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (167) ﴾

''اور تا کہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی، اور جن کے لیے کہا گیا: ''آؤ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو'، انہوں نے کہا: ''اگر ہمیں کسی جنگ کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے پیچھے آتے'' وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے، وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔'' (167)

سوال1: ﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ﴾ ''اور تا کہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تا کہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی'' یہاں علم سے مراد تمیز اور اظہار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ثابت ہے۔ ﴿2﴾ یہاں منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔(فتح القدیر:1/503)

سوال2: ﴿ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ﴾ ''اور جن کے لیے کہا گیا: ''آؤ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو ''اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جن کے لیے کہا گیا: ''آؤ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو'' منافق مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے تھے جب کہ ان کے دل کفر اور نفاق سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا نفاق کا پردہ چاک کرنے کے لئے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو۔

سوال3: ﴿ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ﴾ ''انہوں نے کہا: اگر ہمیں کسی جنگ کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے پیچھے آتے'' یہاں کس کی طرف اشارہ ہے؟

جواب: ''انہوں نے کہا: اگر ہمیں کسی جنگ کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے پیچھے آتے'' عبداللہ بن ابی کی طرف اشارہ ہے جو مقام شوط سے اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر پلٹ گیا تھا اور جب بعض مسلمانوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا: ہمیں یقین ہے کہ آج جنگ نہیں ہوگی۔ اگر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔

سوال 4: جنگ کاعلم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ واقعی جنگ کے لئے چل رہے ہوتے تو ہم بھی چلتے۔

سوال 5: کیا رسول اللہ ﷺ اوران کے ساتھی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ اوران کے ساتھی تو جنگ کے لئے نکلے تھے مگر منافق یہ سمجھتے تھے کہ وہ سب اپنے آپ کو تباہی اور ہلاکت تک لے جارہے ہیں۔

سوال 6: ﴿ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ﴾ ''وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے'' سے کیا مراد ہے ؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے'' وہ اس دن ایمان کے مقابلے میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی شخص کفر کے زیادہ قریب ہوجاتا ہے اور کبھی اسلام کے۔ (ابن کثیر) ﴿2﴾ واحدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ جو آدمی اپنی زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار کرے گا، اس کا کفر جانتے ہوئے بھی اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 7: ﴿ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ﴾ ''وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جوان کے دلوں میں نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جوان کے دلوں میں نہیں ہے'' منافقوں کے بارے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کی قسمیں اور وفاداری کے وعدے سب فریب ہیں۔ ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے جب کہ وہ زبان سے ایمان کے دعوے کرتے ہیں۔

سوال 8: ﴿ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو جانتا ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔

﴿ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (168) ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھادو اگر تم سچے ہو۔'' (168)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر نے کہا: وہ عبداللہ ابن ابی تھا جو بیٹھ رہا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا جو نبی کے ساتھ احد کے دن نکلے تھے: ﴿ لَوْ أَطَاعُونَا مَا

﴿قُتِلُوْا﴾ (جامع البیان:4/177)

سوال2: ﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جوخود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہ وہ لوگ ہیں جوخود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے'' ﴿1﴾ جو لوگ حق کی راہ میں جان قربان کرتے ہیں اکثر دنیا والے یہ بات افسوس سے کہتے ہیں کہ خوامخواہ اپنا آپ گنوادیا۔ اگر جہاد کے لئے نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ ﴿2﴾ یہ نادانی کی بات ہے اس لئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردیں وہی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ﴿3﴾ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں، اپنے بستروں پر بھی مرتے ہیں۔ موت کا تو ایک وقت مقرر ہے۔ کسی کے پاس ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ ﴿4﴾ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ واقعۂ احد کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقین نے از خود اپنے دل کی بات کہی جسے مسلمانوں نے سنا اور اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا اسے بھی مسلمانوں نے سنا اور نفاق اور اس کے انجام کو جانا کہ کس طرح منافق دنیا و آخرت کی نیک بختیوں سے محروم ہوجاتا ہے اور ہر بدبختی اسے گھیر لیتی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال3: ﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھا دو اگر تم سچے ہو'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھا دو اگر تم سچے ہو'' موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت پر آنے والی ہے۔ انسان خواہ ایک راستے میں ہو یا دوسرے راستے میں، وہ کسی حالت میں موت کے انجام سے نہیں بچ سکتا۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (169)﴾

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوگئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔'' (169)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے اور فرمانے لگے: ''اے جابر رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے کہ میں تجھے پریشان دیکھتا ہوں؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد احد کے روز شہید ہوگئے اور اپنے پیچھے عیال (بچیاں) اور قرض چھوڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تجھے خوش خبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کے والد سے ملاقات کی ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جی ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے تو پردہ کے پیچھے سے کیا ہے مگر تمہارے والد کو زندہ کرکے بغیر پردہ کے بالمشافہ کلام کیا'' اور فرمایا: ''تمنا کر میں اسے پورا کروں گا۔'' انہوں نے عرض کیا: ''اللہ

تعالیٰ مجھے (دنیا میں لوٹانے کے لیے) زندہ کرتا کہ میں تیرے راستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے (کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹیں گے)'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ (آل عمران:169) اسی بارے میں نازل ہوئی ''تم ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے رستہ میں قتل ہو گئے ہیں ان کے مردہ ہونے کا گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔'' (جامع ترمذی:3010)

سوال2: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں'' ﴿1﴾ شہید مردہ نہیں ہوتے۔ صحیح احادیث کے مطابق ان کی روحیں سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے ساتھ معلق قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جو عزت کی ہے اس سے خوش ہوتی ہیں۔ ﴿2﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید کے۔ اس کی یہ تمنا ہوگی کہ دنیا میں دوبارہ واپس جا کر دس مرتبہ اور قتل ہو کیونکہ وہ شہادت کی عزت وہاں دیکھتا ہے۔'' (بخاری:2817) ﴿3﴾ ''بلکہ وہ زندہ ہیں'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ﴾ (آل عمران:169) کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا ''تم ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو گئے ہیں مردہ ہونے کا گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔'' تو انہوں نے فرمایا: ''ہم نے خود سوال کیا تھا ہمیں خبر دی گئی کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں جنت میں وہ جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں کی طرف جگہ پکڑتی ہیں۔ تیرا رب ان پر جھانک کر فرماتا ہے: ''کیا کچھ مزید چاہتے ہو جو میں تمہیں عطا کروں؟'' تو وہ کہتی ہیں: ''اے ہمارے رب! اس سے زیادہ ہم کیا مانگیں کہ ہم جنت میں جو چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوبارہ جھانکتا ہے اور فرماتا ہے: ''کیا کچھ مزید چاہتی ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟'' جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہمیں ایسے نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ کہتی ہیں: ''اللہ! تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تا کہ ہم دنیا میں تیرے راستہ میں دوبارہ قتل کی جائیں۔'' (جامع ترمذی:3011)

سوال3: ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ ''اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: وہ جنت کے پھلوں کا رزق پائیں گے اور وہ اس کی خوشبو پا رہے ہیں۔ (الدر المنثور:170/2) ﴿2﴾ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے رات میں دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے، پھر وہ مجھے لے کر ایک درخت پر چڑھے اور اس کے بعد مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو نہایت خوب

صورت اور بڑا پاکیزہ تھا۔ ایسا خوبصورت مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ گھر شہیدوں کا ہے۔''(صحیح بخاری:2791)《3》یہ جہاد کی ترغیب ہے۔(تفسیر منیر:2/496)

《 فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ(170) 》

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''(170)

سوال1:《 فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ 》''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں'' مقاتل نے کہا: جس خیر، عزت اور رزق کو شہید پا رہے ہیں اس پر وہ بہت خوش ہیں۔(تفسیر مراغی:2/109)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں قتل ہونے والوں کے لیے کن انعامات کا اعلان کیا ہے؟

جواب: اللہ ربّ العزت نے فرمایا:《1》وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔《2》اپنے ربّ کے پاس خصوصی رزق پاتے ہیں۔《3》جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے یعنی جنت کی نعمتوں میں سے، اس کو پا کر خوش ہیں۔《4》بعد میں آنے والوں کے لیے بھی خوش خبری پاتے ہیں۔《5》جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔

سوال3:《 وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ 》''اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں'' نبی ﷺ نے شہداء کے بارے میں کیا بشارت دی؟

جواب:''اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں'' سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے اور فرمانے لگے:''اے جابر! کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں؟'' میں نے عرض کیا:''اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد احد کے روز شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے عیال (بچیاں) اور قرض چھوڑ گئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں تمہیں خوش خبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہارے والد سے ملاقات کی ہے؟'' میں نے عرض کیا:''اللہ کے رسول ﷺ! جی (ضرور)۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے تو پردے کے پیچھے سے کیا ہے مگر تمہارے والد کو زندہ کر کے بغیر پردے کے بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا: تمنا کر! میں اسے پورا کروں گا۔'' انہوں نے عرض کیا:''اللہ! مجھے (دنیا میں لوٹانے کے لیے) زندہ کرتا کہ میں

تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے (کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹیں گے)۔'' جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ آیت ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ﴾ اسی بارے میں نازل ہوئی۔ (ترمذی:3010)

سوال4: ﴿ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے'' آخرت کی زندگی کی بڑی بات کیا ہے؟

جواب: ''کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے'' ﴿1﴾ کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ ﴿2﴾ تمنا کے مطابق زندگی ہوگی۔

﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (171) ﴾

''اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر اور اس پر کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (171)

سوال1: ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ﴾ ''اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر'' یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ شہداء کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو تیار کر رکھا ہے اس پر شہید خوشیاں مناتے ہیں۔

سوال2: ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' اللہ تعالیٰ نے اس بات کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جنت میں شہداء کی زندگی، ان کے رزق، ان کے خوشیاں منانے، ان کے لئے کسی خوف اور غم کے نہ ہونے، ان کے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں پر خوش ہونے سے یہ شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ ﴿2﴾ تفضیل سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت دی۔ ﴿3﴾ نعمت سے مراد ثواب اور زائد فضل ہے۔ ﴿4﴾ یہ بھی کہا گیا کہ نعمت جنت ہے اور فضل نعمت میں داخلہ ہے۔ ﴿5﴾ پہلی بشارت ان کے بھائیوں کے بارے میں تھی اور دوسری ان کے اپنے حالات کے بارے میں تھی۔ (فتح القدیر:509/1)

رکوع نمبر18

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (172) ﴾

''جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد بھی کہ انہیں زخم پہنچا، ان میں سے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے، بہت بڑا اجر ہے۔'' (172)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (آیت) ''وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا'' انہوں نے عروہ سے اس آیت کے متعلق کہا: ''میرے بھانجے! تمہارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور (نانا) ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں سے تھے۔ احد کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ تکلیف پہنچنی تھی جب وہ پہنچی اور مشرکین واپس جانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خطرہ ہوا کہ وہ کہیں پھر لوٹ کر حملہ نہ کریں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا پیچھا کرنے کون کون جائے گا؟ اسی وقت ستر صحابہ رضی اللہ عنہم تیار ہو گئے۔ راوی نے بیان کیا کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا زبیر بھی ان ہی میں سے تھے۔'' (صحیح بخاری: 4077)

سوال 2: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ﴾ ''جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد بھی کہ انہیں زخم پہنچا'' اس کی کوئی مثال دیں؟

جواب: ''جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد بھی کہ انہیں زخم پہنچا'' ابوالسائب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب جو عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں شریک تھے۔ میں اور میرا بھائی دونوں زخمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اعلان کیا: نکلو! دشمن کا تعاقب کرنا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: کیا اب ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جنگ رہ جائے گی؟ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں اور ہم زخمی ہیں۔ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ میرا زخم بھائی سے تھوڑا کم تھا۔ جب اس کی طبیعت خراب ہوتی تو میں اسے پیچھے سے تھامتا یہاں تک کہ مسلمانوں کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال 3: اس آیت میں کن لوگوں کا تذکرہ ہے؟

جواب: اس آیت میں ان صحابہ کرام علیہم السلام کا ذکر ہے جنہوں نے غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان کا پیچھا کیا اور حمراء الاسد پہنچ گئے۔ ابوسفیان کو جب اطلاع ملی کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ گھبرا کر مکہ لوٹ گیا۔

سوال 4: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''ان میں سے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے، بہت بڑا اجر ہے'' اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کے لئے اجر عظیم کی بشارت دی ہے؟

جواب: ''ان میں سے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے، بہت بڑا اجر ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زخم کھانے کے

بعد بھی نیکی اور تقویٰ کی روش اختیار کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت دی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ اَحْسَنُوْا ﴾: اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے اور غزوے میں جانے کی وجہ سے۔ ﴿3﴾ ﴿ وَاتَّقَوْا ﴾: اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچے اور پیچھے رہنے سے بچے۔ (تفسیر خازن:322/1)

﴿ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (173) ﴾

''جن سے لوگوں نے کہا کہ یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم ان سے ڈر جاؤ، چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' (173)

سوال1: اس آیت کے پیچھے جو واقعات ہیں تحریر کریں؟

جواب: غزوۂ احد مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہوئی۔ اس جنگ کے بعد کافروں کا لشکر واپس ہوا۔ مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد میں انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور یہاں ان کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ احد سے واپس آ کر انہوں نے غلطی کی ہے۔ زیادہ اچھا تھا کہ مسلمانوں کا پیچھا کرتے اور ان کی طاقت کا آخری طور پر خاتمہ کر دیتے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ معبد الخزاعی جب ابوسفیان اور اس کی فوج کو مسلمانوں سے مرعوب کرنے کے بعد واپس چلے گئے تو قبیلۂ عبدالقیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے قریب سے گزرا۔ اس نے پوچھا: ''آپ لوگ کہاں جا رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''مدینہ۔'' پوچھا: کس لئے؟ کہنے لگے: خوراک حاصل کرنے کے لئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ تم لوگ محمد ﷺ کو ہمارا پیغام پہنچا دو۔ اس کے بدلے ہم تمہیں عکاظ کے بازار میں کشمس دیں گے۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ ابوسفیان نے کہا: جب محمد ﷺ سے ملاقات ہو تو کہہ دینا ہم نے باقی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عبدالقیس کا یہ قافلہ حمراء الاسد میں ہی رسول اللہ ﷺ سے جا ملا اور ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے کہا: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

سوال2: ﴿ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ﴾ ''جن سے لوگوں نے کہا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: جن سے لوگوں نے کہا۔ یہاں (الناس) لوگوں سے مراد قافلۂ عبدالقیس ہے۔

سوال3: ﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ﴾ ''یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم ان سے ڈر جاؤ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم ان سے ڈر جاؤ'' لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے۔ یہاں الناس سے مراد ابوسفیان اور اس کا لشکر ہیں۔ یعنی ابوسفیان اور اس کا لشکر بڑی تعداد میں لوگوں کو جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔

سوال4: ﴿ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ﴾ ''چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا'' ایمان کی زیادتی سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد وہ عزم اور حوصلہ ہے جو قبیلۂ عبدالقیس اور ابوسفیان کے خوف زدہ کرنے کی کوششوں کے باوجود پیدا ہو۔

سوال5: ایمان کی زیادتی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان کی زیادتی سے علم میں پختگی آتی ہے۔ ﴿2﴾ ایمان کی زیادتی کی وجہ سے عزم اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

سوال6: کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے؟

جواب: ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھ کر اس کی وضاحت کی ہے کہ اَلاِیـمـانُ یَـزِیدُ و یَنْقُصُ یعنی ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔

سوال7: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ ''ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے'' کی وضاحت کریں

جواب: ''ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے'' ﴿1﴾ جس پر اعتماد کیا جائے اسے وکیل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وکیل ہے کہ تمام کام اسی کی وجہ سے درست ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے اصلاح ہوتی ہے۔ تمام امور کا اختیار اسی کے پاس ہے اس لئے وہی وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ بہترین کارساز ہے اور بندوں کی تدبیر اسی کے سپرد ہے اور وہ ان کے مصالح کا انتظام کرے گا۔ (تفسیر سعدی:449/1)

سوال8: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (بخاری:4564)

﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (174) ﴾

''چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و نعمت کے ساتھ پلٹے کہ انہیں کوئی تکلیف تک نہ پہنچی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔'' (174)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ ملا، صحابہ نے اس مقام پر بازار لگایا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ آخر تک۔ (تفسیر ابن عباس:231/1)

سوال2: ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ پلٹے'' نعمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: نعمت سے مراد سلامتی ہے۔(i) جنگ سے سلامتی۔(ii) ایمان کی سلامتی اور اس میں اضافہ مراد ہے۔

سوال 3: ﴿ وَفَضْلٍ ﴾ ''اور فضل'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت سے حاصل ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خریدا۔ پھر اسے فروخت کر کے اس کا نفع مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال 4: ﴿ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ ﴾ ''کہ انہیں کوئی تکلیف تک نہ پہنچی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''کہ انہیں کوئی تکلیف تک نہ پہنچی'' حمراء الاسد میں معبد الخزاعی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ابوسفیان کے پاس جا کر اسے مسلمانوں سے خوف دلائیں۔ ابوسفیان کو معبد کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس محمد اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ تو کسی طرح تمہیں پا لینا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں آ لیا تو تمہاری خیر نہیں۔ محمد کے وہ ساتھی جنہوں نے جنگ احد میں شرکت نہیں کی تھی وہ بھی ساتھ ہو گئے ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا کہ میری رائے بس یہ ہے کہ تم لوگ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤ، چنانچہ وہ لوگ گھبرا کر مکہ کی طرف لوٹ گئے اور مسلمان حمراء الاسد سے بخیر و عافیت واپس ہوئے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 5: ﴿ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی'' انہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کرنے کا شرف ملا۔ یعنی زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حمراء الاسد جانے کا موقع ملا۔

سوال 6: ﴿ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تجارت میں ملنے والے منافع سے اور دشمنوں سے کوئی گزند نہ پہنچنے سے اپنے فضل کا شعور دلایا ہے۔

﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (175) ﴾

''یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، چنانچہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔'' (175)

سوال 1: ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ﴾ ''یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے'' شیطان کیوں ڈراتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے'' ﴿1﴾ شیطان اپنے دوستوں سے اس لئے ڈراتا ہے تاکہ حق

دب جائے اور باطل غالب آ جائے۔ ﴿2﴾ مشرکین میں سے جس نے ڈرایا اور کہا کہ لوگ تمہارے لیے اکٹھے ہو چکے ہیں، وہ شیطان کے داعیوں میں سے ایک داعی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے جو ایمان سے محروم ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے۔(تفسیر سعدی)

سوال2: شیطان اپنے دوستوں سے کیسے ڈراتا ہے؟

جواب: شیطان یہ وسوسہ اور وہم ڈالتا ہے کہ مسلمانوں کے دشمن بڑے مضبوط ہیں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے کیا تلقین کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے اپنا خوف دلایا ہے تاکہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔

سوال4: ﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''چنانچہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''چنانچہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو'' ﴿خَافُوْنِ﴾ میرے امور کی مخالفت سے بچ جاؤ اور میرے رسول کے ساتھ جہاد کرو۔(تفسیر بیضاوی:118/2) ﴿2﴾ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ بندہ اپنے ایمان کی مقدار کے مطابق خوف الٰہی رکھتا ہے اور خوف محمود وہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے ارتکاب سے روک دے۔(تفسیر سعدی) ﴿3﴾ اس کائنات میں قوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے انسان کو اسی سے ڈرنا چاہیے۔ وہ قوت والا ہے جو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے، اس لیے مومنوں کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ جب سارے اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بن جاتے ہیں تو دنیا کی کوئی قوت ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتی۔

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ(176)﴾

''اور وہ آپ کو غم نہ پہنچائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔''(176)

سوال1: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ﴾ ''اور وہ آپ کو غم نہ پہنچائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور وہ آپ کو غم نہ پہنچائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے'' اس آیت کا اور

اس کے بعد آنے والی دونوں آیتوں کا تعلق بھی غزوۂ احد سے ہے۔اس غزوے کے بعد منافقین کا نفاق، کفار قریش اور یہود مدینہ کا کفر اور ان کی سازشیں کھل کر سامنے آ گئیں تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی کہ ہزار جانفشانی کے باوجود یہ لوگ اسلام کیوں نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی۔﴿2﴾ جو لوگ کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے جنگ لڑ رہے ہیں۔اس جنگ میں انہیں ہرگز کامیابی نہیں ہو گی اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کمزور ہیں۔وہ دعوت اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، نہ ہی اسلام کی دعوت دینے والوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔﴿3﴾ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ ''اور وہ آپ کو غم نہ پہنچائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں'' رسول ﷺ کی شدید تمنا تھی کہ کافر مسلمان ہو جائیں اس لئے ان کے کفر اور جھٹلانے سے آپ ﷺ کو غم لاحق ہو جاتا تھا۔

سوال2: ﴿يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ ''جو کفر میں جلدی کرتے ہیں'' کفر کی راہ میں جلدی کیا ہے؟

جواب: کفر کی راہ میں جلدی یہ ہے کہ ﴿1﴾ اسلام کی مخالفت کے لیے اپنے سارے ذرائع، اپنی ساری قوتیں، اپنی فکر، اپنا وقت، اپنا مال، اپنی اولادیں سب کچھ جھونک دینا۔﴿2﴾ اسلام کی مخالفت کی آگ ان کے نفس کے اندر بھڑک رہی ہے۔جتنی یہ آگ بڑھتی ہے اتنا ہی ان کی سرگرمیوں میں بھی تیزی آتی ہے۔﴿3﴾ شاعر اسلام کے خلاف شاعری کرتے ہیں۔﴿4﴾ ادیب اسلام کے خلاف ادب لکھتے ہیں۔﴿5﴾ سائنس دان اسلحہ تیار کرتے ہیں۔﴿6﴾ Think Tank مسلمانوں کے خلاف پالیسیاں بناتے ہیں۔﴿7﴾ حکومتیں مسلمانوں کے اندر غدار پیدا کرتی ہیں۔﴿8﴾ بین الاقوامی طور پر پراپیگنڈہ مہم چلائی جاتی ہے تاکہ اسلام کو پنپنے نہ دیا جائے۔

سوال3: رسول اللہ ﷺ کو کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ کیسے غمگین کرتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی شدید تمنا تھی کہ کافر مسلمان ہو جائیں اس لئے ان کے کفر اور جھٹلانے سے آپ ﷺ کو غم لاحق ہو جاتا تھا۔

سوال4: کیا آج بھی کفر کے لیے جلدی کی جا رہی ہے؟

جواب: آج بھی یہ سارے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔کل اور آج میں فرق یہ ہے کہ کل کا مسلمان اسلام کو سمجھتا تھا، اس پر عمل پیرا تھا اور آج کا مسلمان اسلام کو نہیں سمجھتا۔

سوال5: کفر کے لئے جلدی کرنے والوں کے مقابلے میں ایمان کی راہ میں جلدی کیسے ممکن ہے؟

جواب: ایمان کی راہ میں جلدی ایسے ممکن ہے کہ ﴿1﴾ اسلام کی حمایت میں اپنے سارے ذرائع، اپنی قوتیں، اپنی فکر، اپنا وقت، اپنا مال، اپنی اولادیں سب کچھ جھونک دیا جائے۔﴿2﴾ اسلام سے محبت اور اس کی حمایت جتنی بڑھے گی اتنا ہی سرگرمیوں میں بھی تیزی آئے گی۔﴿3﴾ شاعر اسلام کے حق میں شاعری کریں۔﴿4﴾ ادیب اسلام کے حق میں ادب لکھیں۔﴿5﴾ سائنس دان اسلام کی سربلندی کے لیے اسلحہ تیار کریں۔﴿6﴾ Think Tank اسلام کے حق میں پالیسیاں بنائیں۔﴿7﴾ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام بین الاقوامی طور پر

منظّم انداز میں کریں۔

سوال6: اسلام کی راہ میں سبقت کے لیے دل کے اندر شوق، لگن، تڑپ کیسے پیدا ہوگی؟

جواب:﴿1﴾ آخرت کی جواب دہی کا احساس کر کے۔﴿2﴾ دنیا سے لوٹ جانے کا احساس دلوں میں راسخ کر کے اسلام کی راہ میں سبقت کے لیے دل کے اندر شوق، لگن، تڑپ پیدا ہوگی۔

سوال7: ﴿اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ ''بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے'' نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے صحابہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ کفر کے لیے ساری سرگرمیوں کا وبال ان پر ہے آپ پر نہیں اور نہ ہی مومنوں پر ہے۔ وہ آپ سے جنگ نہیں کر رہے کہ آپ کو نقصان پہنچائیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے جنگ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانے سے وہ عاجز ہیں۔ سو وہ اپنے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہے۔(تفسیر: مراغی 115/2)

سوال8: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے''﴿1﴾ ابن اسحاق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے اعمال برباد کر دے۔(جامع البیان: 192/4)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہو اسی وجہ سے انہیں ان کے کفر میں چھوڑ دیا ہے جب بھی وہ اس سے نکلیں گے اسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔(ایسر التفاسیر: 226)

سوال9: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے'' مقاتل بن حیان نے کہا: عذاب عظیم سے مراد وافر عذاب ہے۔ (ابن ابی حاتم: 822/3)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(177)﴾

''یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''(177)

سوال1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے وہ اللہ

تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گے'' ﴿1﴾ مجاہد کہتے ہیں: اس سے مراد منافق ہیں۔ (جامع البیان:4/193) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو چن لیا، پھر اس کفر میں اس شخص کی مانند رغبت کرنے لگے جو کسی محبوب مال تجارت کو خریدنے کے لیے اپنا محبوب مال خرچ کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی) ﴿3﴾ ﴿لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گے'' اللہ تعالیٰ نے تاکیدی طور پر یہ کہا ہے کہ وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کے لیے اپنی بری تدبیروں سے اور اپنی اس تجارت سے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اس لیے آپ ان کی تدبیروں سے خوف نہ کھاؤ۔ (قرطبی:2/219)

سوال 2: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' یعنی آگ کا عذاب ہے۔ (ایسر التفاسیر:226)

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (178)﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے ہم انہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔'' (178)

سوال 1: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے'' وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کے دین کو دور پھینکتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو اس دنیا میں چھوڑ دینا، ان کا استیصال نہ کرنا اور ان کو مہلت دینا ان کے لیے بہتر ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی) ﴿2﴾ یہ مہلت اور تاخیر ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو اپنی مخلوق پر وہ جاری رکھتا ہے کیونکہ انسان کو جو خیر یا شر پہنچتا ہے وہ اس کے اعمال کا پھل ہے۔ اس سنت عادلہ کا تقاضا ہے کہ انسان اس مہلت سے دھوکے میں رہے اور اپنے فجور کو جاری رکھے اور اس گناہ میں پڑا رہے جو اس پر توہین آمیز عذاب کو مسلط کرواتا ہے۔ (تفسیر منار:4/205)

سوال 2: ﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''ہم انہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے'' اللہ تعالیٰ نے اہل کفر کو مہلت کیوں دے رکھی ہے؟

جواب:﴿1﴾''ہم انہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اورزیادہ بڑھ جائیں''اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہے۔﴿2﴾مہلت دینے سے مراد زندگی میں کفر کرنے اور کافرانہ کاموں کی مہلت ہے۔کافروں کولمبی عمرمل رہی ہے۔انہیں ان کے حال پرچھوڑا جارہا ہے۔﴿3﴾یہ مہلت اس لیے ہے کہ اہل کفرخوب بارگناہ سمیٹ لیں۔پھران کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے جولوگ فائدہ نہیں اٹھاتے ان کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کے کفر اورفسق میں اضافہ ہوتا ہے اوراس طرح وہ جہنم کے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۞ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴾ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً ہم انہیں مال اوربیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم عمل ہیں۔ بلکہ وہ شعورنہیں رکھتے۔ (مومنون:55,56)

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ(179) ﴾

''اللہ تعالیٰ ایسانہیں ہے کہ وہ مومنوں کواسی حالت پرچھوڑ دے جس پرتم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے اورکبھی ایسانہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پراوراس کے رسولوں پرایمان لاؤاوراگرتم ایمان لاؤ اورمتقی بنوتو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔''(179)

سوال1:﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾''اللہ تعالیٰ ایسانہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پرچھوڑ دے جس پرتم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے''اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کیسے کرتا ہے؟

جواب:''اللہ تعالیٰ ایسانہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پرچھوڑ دے جس پرتم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے''﴿1﴾اللہ تعالیٰ مومنوں کوایسی حالت میں نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ مومن کومنافق سے علیحدہ نہ کردے اورصبرکرنے والے مومن اورفاجر منافق الگ الگ نہ ہوجائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ﴾اورہم تمہیں ضرورآزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اورثابت قدم رہنے والوں کوجان لیں۔(محمد:31)(تفسیرمنیر:509/2)﴿2﴾﴿ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کو بدبختوں سے علیحدہ کردے گا۔(ابن ابی حاتم:824/3)﴿3﴾غزوۂ

احد کے بعد منافقین ظاہر ہو گئے تھے اور مسلمان یہ جان گئے تھے کہ ہمارے گھروں میں بھی دشمن ہیں،اس لئے ان سے احتیاط کرنے لگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کی حکمت کو بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق میں تمیز کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے کیوں گزارتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ دوست اور دشمن،مومن اور منافق کوالگ الگ کر کے دشمنوں کو ذلیل کرنے کے لئے آزمائشوں سے گزارتے ہیں۔

سوال3: پاک اور ناپاک سے کیا مراد ہے؟

جواب: پاک سے مراد مومن اور ناپاک سے مراد منافق ہیں۔

سوال4: پاک اور ناپاک کا الگ ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: منافق آستین کے سانپ تھے۔اگرچہ ایمان والوں کے اپنے گھر والے تھے تب بھی سچے ایمان والوں کی دشمنی کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ان دشمنوں سے محتاط رہنے کے لئے مؤمنوں اور منافقوں کی تمیز ضروری تھی۔

سوال5: پاک اور ناپاک کو علیحدہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا کیا طریقۂ کار ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ کرنے کے لئے آزمائشوں سے گزارتے ہیں۔﴿2﴾ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کو الگ کرنے کے لئے جہاد اور ہجرت سے گزرواتے ہیں۔(فتح القدیر:514/1)

سوال6: اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی انسان مومن کب بنتا ہے؟

جواب: جب وہ اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگادے۔جان اور مال کی قربانی کے بغیر کسی کا ایمان معتبر نہیں۔

سوال7: ﴿ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** ﴾ ”اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے،منتخب کر لیتا ہے“ یہ انتخاب کس مقصد کے لئے کیا جاتا ہے؟

جواب: ”اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے،منتخب کر لیتا ہے“ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے منافقوں کی سازشیں کھل جاتی ہیں۔﴿2﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ عوام کو غیب پر مطلع نہیں فرماتے۔اس کے لئے اس کے ماسوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ آزمائشوں کے ذریعے امتیاز کرے۔غیب کے ذریعے اللہ تعالیٰ انبیاء کو مطلع فرماتا ہے۔(تفسیر ثعالبی:142/2)﴿3﴾﴿ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے منافقوں

کے دلوں کے نفاق اور کفر پر مطلع کر دیتا ہے جو ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو جاتا ہے۔(تفسیر مراغی:118/2)﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسولوں کو غیب کی کچھ باتوں کی اطلاع دیتا ہے جن کی ان کو نبوت کی دلیل کے طور پر ضرورت ہوتی ہے مگر وہ اس سے عالم الغیب نہیں بنتے، عالم الغیب ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔(دعوۃ القرآن) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴾ غیب کا جاننے والا وہی ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔(الجن:26)

سوال:8﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾'' چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ''﴿1﴾ مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ رسول سے اپنی مرضی کی غیب کی باتیں بتانے کا مطالبہ کریں، ان کا کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔(دعوۃ القرآن)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کرو۔(ایسر التفاسیر:227,228)

سوال:9﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾'' اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے'' اس آیت میں اجر عظیم تک لے جانے والے کون سے اعمال کا ذکر کیا گیا؟

جواب:'' اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے''﴿1﴾ اس آیت میں اجر عظیم تک لے جانے والے اعمال ایمان اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا۔ ابن اسحاق نے کہا﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾: یعنی تم رجوع کرو اور توبہ کرو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔(جامع البیان:196/4)﴿2﴾ اگر تم ایمان کا حق ادا کرو﴿ وَتَتَّقُوْا ﴾ نفاق سے بچ جاؤ۔(تفسیر بیضاوی:122/2)

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ(180) ﴾

اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ان کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ ان کے لئے وہ بہت ہی برا ہے، جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جو انہوں نے بخل کیا اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔(180)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ جمہور مفسرین نے کہا کہ یہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ یہودی علماء کے بارے میں ہے جنہوں نے بخل سے محمد ﷺ کی صفات اور ان کی نبوت کو چھپایا۔ انہوں نے اس علم کو چھپایا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے پاس آیا۔(تفسیر منیر:507/2)

سوال2: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ ''اور جولوگ بخل کرتے ہیں اس میں جواللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ان کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ ان کے لئے وہ بہت ہی برا ہے'' انسان اپنا مال کیوں بچاتا ہے؟

جواب: ''اور جولوگ بخل کرتے ہیں اس میں جواللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ان کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ ان کے لئے وہ بہت ہی برا ہے'' ﴿1﴾ انسان مال جمع کرنے کو اپنے لئے نفع بخش خیال کرتا ہے اس لئے مال جمع کرتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿يَبْخَلُوْنَ﴾: بخل سے مراد مال کا بچانا۔لغوی اعتبار سے اس کا مطلب ہے واجب حق کو روک دینا۔جو کسی انسان پر واجب نہیں تو اس کو روک دینے والا بخیل نہیں۔(فتح القدیر:514/1) ﴿3﴾ انسان مال کو حق داروں سے، اپنی ضرورتوں سے، رشتہ داروں سے، حاجت مندوں سے، دینی ضرورتوں سے بچاتا ہے۔ ﴿4﴾ فرض زکوٰۃ کی ادائیگی اور دشمن کے دفاع کے لئے مال دینے سے رکنا بخل ہے۔(تفسیر مراغی: 120/2)

سوال3: بخیلی انسان کے لیے کیوں اچھی نہیں ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ربّ العزت فرماتے ہیں: ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰىۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا اور بھلائی کو جھٹلایا۔(اللیل:8-9) یعنی شح اور ایمان کسی مسلمان کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔(مسند احمد:7499) ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سخی شخص اللہ تعالیٰ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔بخیل اور کنجوس انسان اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے بھی دور، لوگوں سے بھی دور اور دوزخ سے قریب ہے۔ بلاشبہ ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار بخیل سے زیادہ پسند ہے۔''(ترمذی:1961) ﴿3﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بخل (یعنی کنجوسی) سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور بخل ہی کی وجہ سے انہوں نے لوگوں کے خون بہائے اور حرام کو حلال کیا۔''(صحیح مسلم:6576) ﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی میں بدترین خصلت سخت گھبراہٹ میں ڈال دینے والی حد سے بڑھی کنجوسی اور سخت بزدلی ہے۔''(ابوداؤد) ﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ''بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے دو آدمیوں کی سی ہے جن کے بدن پر لوہے کے دو کرتے ہوں چھاتیوں سے ہنسلی تک۔جب خرچ کرنے کا عادی (سخی) خرچ کرتا ہے تو اس کے تمام جسم کو (وہ کرتہ) چھپالیتا ہے یا (راوی نے یہ کہا کہ) تمام جسم پر وہ پھیل جاتا ہے اور اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں اور چلنے میں اس کے پاؤں کا نشان مٹتا جاتا ہے لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کرتے کا ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے۔بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا۔''(صحیح بخاری:1443) ﴿6﴾ نبی ﷺ بخیلی سے بچنے کی دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ

الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا (یَعنی فِتْنَةِ الدَّجَّالِ) وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاؤں اور دنیا کے فتنوں یعنی مسیح دجال کے فتنے سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''(صحیح بخاری:6365)

سوال4: ﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جوانہوں نے بخل کیا'' قیامت کے دن بخیلی کے طوق کیسے پہنائے جائیں گے؟

جواب: ''جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جوانہوں نے بخل کیا''﴿1﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن زکوٰۃ نہ دینے والے کے مال کو ایک زہریلا خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ وہ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا ''میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔''﴿2﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو (آخرت) میں اس کا مال نہایت زہریلے سانپ بن کر جس کی آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے اس کی گردن میں طوق کی طرح پہنا دیا جائے گا وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں ہی تیرا مال ہوں، میں ہی تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ''اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مال ان کے حق میں بہتر ہے''۔ آخر تک۔(صحیح بخاری:4565)

سوال5: ہمارے یہاں اس بخل کی کون کون سی صورتیں رائج ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ زکوٰۃ نہ دینا اور شادیوں پر دل کھول کر لٹانا۔ ﴿2﴾ مسکین کو کھانا نہ کھلانا اور تقریبات پر دسیوں ڈشز کا اہتمام کرنا۔ ﴿3﴾ ذاتی عیش و آرام کے لیے دل کھول کر خرچ کرنا اور دینی ضروریات کے لیے مٹھی بند کر لینا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے تھوڑا سا خرچ کر کے رک جانا کہ اتنا ہی بہت ہے۔

سوال6: ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے''﴿1﴾ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اور دوسری مخلوقات کا قبضہ عارضی ہے۔ ﴿2﴾ ہر ایک کو یہ قبضہ چھوڑنا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس رہ جانا ہے۔ ﴿3﴾ عقل والا وہ ہے جو مالک کے مال کو اس کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔ ﴿4﴾ نادان وہ ہے جو مالک کے مال کو اسی سے بچا بچا کر رکھتا ہے اور بالآخر وہ مال اس سے چھن جاتا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(ایسر التفاسیر:228)

سوال7: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے'' اللہ تعالیٰ نے بخیلوں کو بخل سے روکنے کے لئے اپنے خبیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ: ﴿1﴾ زمین و آسمان کی میراث اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے لئے خود عطا کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔ ﴿2﴾ مال بچا کر جو لوگ بخیلی کر رہے ہیں انہیں جان لینا چاہیئے کہ قیامت کے دن یہ مال گردن میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے گا اور کوئی بخیل بچ نہیں پائے گا کیونکہ ہر چیز کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے تم اپنے اعمال نہیں چھپا سکتے اس لئے ہر شخص اپنے نفس کو پاک کر لے۔

رکوع نمبر 19

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (181) ﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو۔'' (181)

سوال 1: ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں'' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کس موقعے پر نازل فرمائی؟

جواب: ابن عباس نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (البقرۃ:245) اس پر یہودیوں نے کہا: اے محمد ﷺ! تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرضے مانگتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

سوال 2: ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں'' ابن ابی حاتم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے۔ یہاں کا بڑا معلم فنحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا۔ لوگوں کا مجمع تھا اور وہ مذہبی باتیں سن رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فنحاص! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور مسلمان ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تجھے خوب معلوم ہے کہ محمد ﷺ سچے رسول ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں۔ ان کی صفتیں تورات اور انجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ تو فنحاص نے جواب میں کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ! سن اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں۔ اس کی طرف اس طرح نہیں

گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں اور مال دار ہیں۔اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے۔ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے۔اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے مارا اور فرمایا:اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا بدنصیبو جھٹلاتے رہو اگر سچے ہو۔فنحاص نے جا کر اس کی شکایت نبی ﷺ سے کی۔آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیوں مارا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا۔فنحاص مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔اس پر یہ آیت اتری۔

(جامع البیان:203/4،202)

سوال3:﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾" جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی" سے کیا مراد ہے؟

جواب:" جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا"﴿1﴾اس سے مراد شدید وعید ہے کہ ہم ان کی یہ بات ان کے خلاف درج کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:ہم ان کی یہ بات لکھ لیں گے۔اس میں سخت وعید ہے۔﴿2﴾﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾" اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی" اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کو ناحق قتل کرنا یاد دلایا ہے۔﴿3﴾یہاں" ناحق" کی قید لگانے سے مراد یہ ہے کہ وہ نبیوں کو لاعلمی اور ضلالت کی وجہ سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس جرم کی قباحت کو جانتے ہوئے بھی سرکشی اور عناد کی بنا پر قتل انبیاء کے اقدام کی جرأت کرتے تھے۔(تفسیر سعدی:455/1)

سوال4:﴿ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾" اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو" یہ کب کہا جائے گا؟

جواب:" اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو"﴿1﴾یہ بات قیامت کے دن انہیں کہی جائے گی۔﴿2﴾یہ بات انہیں ذلیل کرنے کے لیے کہی جائے گی کہ جلنے کے عذاب کا مزا چکھو۔

سوال5: یہود کو کس وجہ سے جہنم کی آگ میں داخل کیا جائے گا؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرنے پر۔﴿2﴾انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے پر۔

﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(182) ﴾

" یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔"(182)

سوال1:﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾" یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾" یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے" یعنی یہ عذاب ان اعمال کا نتیجہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے

یعنی تمہیں تمہارے کئے کا پھل مل رہا ہے۔﴿2﴾یہ جلنے کا عذاب جس کی حرارت کو آپ چکھتے رہے ہو یہ دنیا میں تمہارے اعمال کے سبب ہے مثلاً: قتل انبیاء، اللہ تعالیٰ کو فقیر کہنا، کفر، فسق اور نافرمانی کے کام وغیرہ۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں ہے۔اس بات کا شعور ربّ نے کیسے دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے یہود کے ظلم کا تذکرہ کر کے یہ شعور دلایا ہے کہ یہ بندوں کے اعمال ہیں جن کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ مجرموں اور متقیوں، کافروں اور مومنوں کو ایک مقام ومرتبہ نہیں دے گا۔جیسا کہ فرمایا﴿3﴾﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ؕ مَا لَكُمْ ٞ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہے، تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟(القلم:35,36)﴿4﴾﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ٘ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴾ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں؟(ص:28)﴿5﴾﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴾ کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنا دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ ان کا جینا اور مرنا برابر ہو جائے؟ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔(الجاثیہ:21)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴾"اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں" کیا ثابت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ عدل کی بنیاد پر ہے۔اگر وہ گناہوں پر سزا دیتا ہے تو گناہوں سے قبل وہ گناہوں کی حقیقت کو اپنے پیغمبروں کے توسط سے واضح کرواتا ہے۔گناہوں پر ڈراوے دیتا ہے۔برے انجام کو سامنے رکھ کر غور وفکر کا موقع دیتا ہے لیکن جب کوئی اپنے انجام سے بالکل بے فکر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنے والا ہے، ظلم کرنے والے نہیں ہے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ(183) ﴾

"جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھا لے۔آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لا چکے ہیں جو تم نے کہا، پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم واقعتاً سچے تھے۔"(183)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف، مالک بن صیف، مخاص بن عاز اور ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف کتاب وحی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ ہمارے پاس قربانی آئے جسے وہ آگ کھالے جو آسمان سے آئے تو ہمارے پاس آگ لے آؤ تو ہم تمہاری تصدیق کر دیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مراغی: 123/2)

سوال2: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴾ ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھالے'' آگ کے قربانی کو کھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھالے'' اس سے مراد قربانی کے قبول ہونے کی وہ نشانی ہے جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوتی تھی جس کی قربانی کو آگ کھالیتی تھی اس کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ اس کی قربانی قبول ہوگئی ہے۔

سوال3: یہودیوں نے نبی ﷺ پر ایمان لانے کے لیے یہ عذر کیوں پیش کیا؟

جواب: یہودیوں نے یہ عذر اس لئے پیش کیا کہ وہ ایمان لانے سے بچنے کے لیے بہانے بنا رہے تھے۔

سوال4: ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ ﴾ '' آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لا چکے ہیں جو تم نے کہا'' یہودیوں کے اعتراض کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: '' آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لا چکے ہیں جو تم نے کہا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہو: اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول آ چکے جو بہت سی نشانیاں بھی لا چکے اور وہ نشانی بھی لائے جس کا تم ذکر کرتے ہو تو ان رسولوں کو تم نے کیوں قتل کیا۔

سوال5: ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ '' پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم واقعتاً سچے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم واقعتاً سچے تھے'' یہود کے اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھ ان کے معاملات کے بارے میں سوال کیا ہے کہ انبیاء آئے تو آپ لوگوں نے مخالفت کی، جھٹلایا اور دشمنی رکھ کر قتل کر دیا۔ اگر آپ حق کے دعوے دار اور پیروکار اور اپنے دعوے میں سچے ہو تو تمہیں نبیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ آپ نہ حق کو مانتے ہو نہ انبیاء کو۔

﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (184) ﴾

’’پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو واضح دلیلیں اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔‘‘(184)

سوال1: ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ’’پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں‘‘ نبی ﷺ کو یہود کے رویے پر کیسے تسلی دی گئی؟

جواب: ’’پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں‘‘﴿1﴾ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ کوئی رسول ایسا نہیں گزرا جس کو اہل کتاب نے نہ جھٹلایا ہو حالانکہ پہلے تمام رسول بھی صحیح دلائل لے کر آئے تھے‘ انہوں نے معجزات پیش کیے۔ انہوں نے ایسے صحیفے پیش کیے جن میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت تھی یعنی زبور اور روشن کتابیں بھی مثلاً تورات اور انجیل۔﴿2﴾ یہود نے واضح دلائل اور کتابیں آنے کے باوجود حق کو جھٹلا دیا تھا۔﴿3﴾ رسالت کا فریضہ ادا کرنا ہے اور اس راستے کی یہ مشکلات ہیں۔ نبی بلاتا ہے اور لوگ انکار کرتے ہیں لہٰذا آپ ﷺ گھبرائیں نہیں۔

سوال2: ﴿جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ’’واضح دلیلیں لائے تھے‘‘ بینات سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بینات سے مراد واضح معجزات ہیں۔﴿2﴾ قتادہ نے کہا: اس سے مراد حلال و حرام ہیں۔(فتح القدیر:517/1)

سوال3: ﴿وَالزُّبُرِ﴾ ’’اور صحیفے‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿وَالزُّبُرِ﴾ سے مراد صحیفے ہیں۔قتادہ نے کہا: انبیاء کی کتب ہیں۔(فتح القدیر:517/1)

سوال4: ﴿وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾ ’’اور روشن کتاب‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی جانے والی کتاب ہے۔قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔(فتح القدیر:517/1)

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ(185)﴾

’’ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے اور یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے، چنانچہ جو آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔‘‘(185)

سوال1: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ’’ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے‘‘ ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس سلسلے میں نیک اور بد کے درمیان فرق نہیں۔

﴿2﴾ دنیا کی زندگی محدود، عارضی اور متعین وقت تک ہے۔اس کا ختم ہونا ضروری ہے۔﴿3﴾موت تمام جھوٹے سہاروں کو توڑ ڈالے گی۔﴿4﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے چوکھٹا خط کھینچا۔ پھر اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو چوکھٹے خط سے نکلا ہوا تھا۔اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصے میں جو چوکھٹے کے درمیان میں تھا، چھوٹے چھوٹے بہت خطوط کھینچے اور پھر فرمایا:''یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور جو (بیچ کا) خط باہر نکلا ہوا ہے وہ اس کی امید ہے اور چھوٹے چھوٹے خطوط اس کی دنیاوی مشکلات ہیں۔پس انسان جب ایک (مشکل) سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔''(صحیح بخاری:6417)

سوال2:﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾''یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے''﴿1﴾ نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ دنیا جزا کا مقام نہیں، عمل کا مقام ہے۔قیامت کا دن جزا و سزا کا ہے۔﴿2﴾ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔﴿3﴾ مومن کا اجر ثواب اور کافر کا اجر عقاب ہے۔(فتح القدیر:518/1)

سوال3:﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾''چنانچہ جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''چنانچہ جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا'' قیامت کے دن جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے۔﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی بالشت بھر جگہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے اگر چاہو تو پڑھو ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾(مستدرک حاکم،ابن ابی حاتم)

سوال4:﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں''﴿1﴾ الغرور سے مراد دنیا کی زینت ہے۔(ابن ابی حاتم:833/3)﴿2﴾ دنیا اور دنیا کا سامان ظاہر فریب چیزیں ہیں۔﴿3﴾ یہاں کسی کا ناکام ہو جانا یا کامیاب ہونا اور ترقی کرنا آخرت کے لحاظ سے ایک ہی جیسی چیزیں ہیں۔﴿4﴾ دنیا کی نعمتیں کسی کے حق پر ہونے کا ثبوت نہیں۔﴿5﴾ دنیا میں کسی کا مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہونا کسی کے غلط کار ہونے کا ثبوت نہیں۔﴿6﴾ دنیا کا سامان دھوکہ دیتا ہے۔﴿7﴾ حقیقی سامان جس کے لیے کوشش کرنی چاہیے وہ آخرت کی کامیابی کا سامان ہے۔﴿8﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔(الاعلیٰ:16,17)﴿9﴾﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے سو دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ

بہترین ہے اورزیادہ باقی رہنے والا ہے،تو کیانہیں تم سمجھتے ؟(القصص:60)《10》اس آیت کریمہ میں دنیامیں زہد کی ترغیب دی گئی ہے کہ یہ دنیافانی ہے اور باقی نہیں رہے گی۔ یہ محض دھوکے کا سامان ہے۔ یہ اپنی چکاچوند،اپنے غروراوراپنی ظاہری خوب صورتی سے انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہے۔ پھر یہ دنیا ختم ہوجائے گی اوراس میں رہنے والے آخرت کے ٹھکانے میں منتقل ہو جائیں گے۔ جہاں ہر نفس کو اچھے یابرے عمل کا پوراپورابدلہ دیا جائے گا جواس نے اس دنیا میں کیے۔(تفسیر سعدی:457/1)

سوال5: آخرت کوترجیح دینے والوں اوردنیا کوترجیح دینے والوں کے رویوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب:

آخرت کوترجیح دینے والے	دنیاکوترجیح دینے والے
(1)اللہ تعالیٰ کوکبھی نہیں بھولتے ،	(1)اللہ تعالیٰ کوبھول جاتے ہیں۔انہیں کسی بھی معاملے میں ربّ یادنہیں رہتا۔
(2)غلطی ہوتی ہےتو توبہ کرتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں،	(2)غلطی پرقائم رہتے ہیں،اعتراف نہیں کرتے۔انہیں نہ شرمندگی ہوتی ہے،نہ وہ اپنی غلطی کودور کرتے ہیں۔
(3)ایسی مجلسوں میں جاتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہو،	(3)ایسی محفلوں میں جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی ملے،دین سے نفرت ہوجائے اور بےحیائی کا موقع ملے۔
(4)اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے لئے کوشش کرتے ہیں،	(4)مال اوردنیا کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔
(5)اپنے جیسے انسانوں کے دکھ کومحسوس کرتے ہیں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں،	(5)معاشرے کے محروم طبقات کے بارے میں دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے۔

سوال6:''دنیا کی زندگی تودھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں''اس حقیقت کوجان کرانسان پرکیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:''دنیا کی زندگی تودھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں''《1》انسان کے اندر جب یہ حقیقت جگہ پکڑلیتی ہے تودنیااس کی ترجیحات سے نکل جاتی ہے۔《2》انسان آخرت کے لیے ہرطرح کی مشکلات اورآزمائشیں برداشت کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔《3》انسان کا مالی نقطۂ نظر بدل جاتا ہے۔وہ اپنے مال کواپنی آخرت سنوارنے کے لیے لگاتا ہے۔《4》انسان کی سرگرمیوں کامحورومرکز بدل جاتا ہے۔وہ آخرت کوبہتر بنانے کے لیے دنیامیں ایسی سرگرمیاں اختیارکرتا ہے جواس کے کام آئیں۔مثلاً ذاتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کویاد رکھنا،ہرمعاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا،اپنی غلطیوں پرتوبہ کرنا،ایسی محفلوں میں شرکت کرنا جن سے اللہ تعالیٰ یادآئے،دنیا میں

حق کا بول بالا کرنے کے لیے کوششیں کرنا، محتاجوں کی مدد کرنا اور معاشرتی خدمات کے لیے کوششیں کرنا۔

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ(186)﴾

''یقیناً تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم ان سے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے۔''(186)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ ﴾ سے یہاں تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فخاص کے مابین جو معاملہ پیش آیا اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی شان میں ہجو (توہین و گستاخی) کے اشعار کہا کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (لباب النقول فی اسباب النزول)

سوال2: جان اور مال کی آزمائشیں کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اموال کی آزمائشوں میں نازل ہونے والی آفات ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ ﴿2﴾ جان کی آزمائش میں قید ہو جانا، زخمی ہو جانا، انواع و اقسام کے خوف اور مصائب ہیں۔

سوال3: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ ''یقیناً تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے'' جان اور مال کی آزمائشیں کیوں آتی ہیں؟

جواب: ''یقیناً تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے'' جان اور مال میں کمی کر کے مومن کو آزمانا ضروری ہے۔ مومن کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے اگر وہ دین میں پختہ ہو تو مصائب بھی سخت آئیں گے۔ (ابن کثیر:280/1) ﴿1﴾ جنت کا راستہ مشکلات کا راستہ ہے اور زندگی کی مشکلات کیا ہیں؟ ناپسندیدہ کاموں سے خود کو روکنا اور خواہشات نفس کے خلاف چلنا، یہ نفس کے لیے بھاری کام ہیں۔ ﴿2﴾ آزمائشوں سے ہی نیکی اور صبر کی قوتوں کو جگایا جا سکتا ہے۔ ﴿3﴾ راہ میں آنے والی مشکلات برداشت کرنے سے ہی انسان قابل اعتماد بنتا ہے۔ ﴿4﴾ جتنا انسان حق کے راستے کی مشکلات برداشت کرتا ہے اتنا ہی وہ راستہ اسے عزیز ہو جاتا ہے۔ ﴿5﴾ آزمائش ہر دعوت حق کی سنت ہے۔ اس سے دعوت دینے والے کی دعوت مضبوط ہو جاتی ہے۔ مقابلے کی وجہ سے ہی انسان کے اندر کی خفیہ قوتیں جاگتی ہیں۔ انسان ان کو نشو و نما دے سکتا ہے۔ ان کو منظم کر کے ایک راستے پر لگا سکتا ہے۔ ﴿6﴾ آزمائش سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

سوال4: سب سے زیادہ کس کی آزمائش ہوتی ہے؟

جواب: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کن لوگوں کی آزمائش سخت ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیغمبروں کی پھر جوان کے بعد مرتبے میں افضل ہیں، پھر جوان کے بعد افضل ہیں اور آدمی پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر اس کا دین سخت اور قوی ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوتی ہے تو اسی انداز سے وہ مشکل آتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور کوئی گناہ اس پر باقی نہیں رہتا۔'' (ابن ماجہ:4023)

سوال5: آزمائش میں کامیاب ہونے والے کو کس چیز کا علم ہونا ضروری ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسے اپنے نفس کی حقیقت کا علم ہونا چاہئے۔ ﴿2﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر کون سی چھپی ہوئی قوتیں ہیں۔ ﴿3﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ ایک جماعت اور معاشرے کی تشکیل کیسے ہوتی ہے۔ ﴿4﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ دعوت کے اصولوں اور نفس کی خواہشات کے درمیان کہاں کہاں جنگ ہوگی۔ ﴿5﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ شیطان کن کن دروازوں سے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے۔ ﴿6﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ حق کے راستے میں پھسلن کہاں کہاں ہے۔ ﴿7﴾ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ انسان گمراہ کب کب ہوتا ہے۔

سوال6: ابتلاء وآزمائش سے کون سی صفات پیدا ہوتی ہیں؟

جواب: ابتلا سے صبر و استقامت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اخلاقی کمزوریوں کا علاج ہوتا ہے۔ درجات بلند ہوتے ہیں۔ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہوتا ہے۔ (تیسیر القرآن 336/1)

سوال7: ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ ''اور یقیناً تم ان سے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنھوں نے شرک کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور یقیناً تم ان سے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنھوں نے شرک کیا'' اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جنگ بدر سے پہلے یہ بات کہہ دی تھی ابھی وہ صبر سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہیں۔ ﴿1﴾ اہل کتاب اور مشرک تمہارے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے، شکوک وشبہات پھیلائیں گے۔ ﴿2﴾ شبہات دعوت اور دعوت دینے والوں کے بارے میں ہوسکتے ہیں۔ ﴿3﴾ اس مقصد کے لیے جدید نشر واشاعت کے وسائل بھی استعمال ہوں گے، سازشیں ہوں گی، تفرقہ پھیلانے کی کوششیں ہوں گی۔

سوال8: تکلیف دہ باتیں کس کو سننی پڑتی ہیں؟

جواب: جوشخص حق پر قائم ہوجاتا ہے یاامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے تو لازماً اسے ایذائیں دی جاتی ہیں۔ (الاساس فی التفسیر: 954/2)

سوال9: تکلیف دہ باتوں کی دوا کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرنا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ (الاساس فی التفسیر: 954/2)

سوال10: ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ ''اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے'' ﴿1﴾ صبر اور تقویٰ ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف (تقویٰ) سے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے (صبر) سے ہی مشکلات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ﴿3﴾ حق کے راستے کی پھسلن سے بچنے اور گمراہ ہونے سے بچنے کے لیے یہ دولازمی ہتھیار ہیں۔ ﴿4﴾ صبر اور تقویٰ کے لیے قوت ارادی، کمال عقل وفکر اور ایسے امور کی ضرورت ہے جن میں سستی نہیں برتی جاسکتی۔ (منیر: 523/2)

سوال11: کہاں صبر کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جان و مال کی ابتلاء وآزمائش میں اور اپنے صبر میں صبر کی شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو یعنی ایسے مقام پر صبر نہ کرو جہاں صبر کرنا جائز نہ ہو بلکہ وہاں تمہارا کام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لینا ہو۔ (تفسیر سعدی: 458/1) ﴿2﴾ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مومن لوگوں سے مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے، اس کو اس مومن کی نسبت زیادہ ثواب ملتا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے۔'' (ابن ماجہ: 4032) ﴿3﴾ سیدنا ابوعبیدہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جب کہ آپ خانہ کعبہ کے سایے میں ایک چادر کا تکیہ بنائے استراحت فرما تھے۔ ہم نے کہا: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (تمہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ تم سے پہلے لوگوں کا (یہ حال ہوتا تھا کہ) آدمی پکڑ کر لایا جاتا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کر دیا جاتا پھر اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور لوہے کی کنگھیاں اس کے جسم پر پھیری جاتیں جس سے اس کا گوشت اور ہڈیاں تک متاثر ہوجاتیں۔ لیکن یہ (آزمائشیں) اسے اس کے دین سے نہ پھیرتیں (اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو ضرور مکمل فرمائے گا (دین اسلام کو غالب کرے گا) یہاں تک کہ ایک سوار (مسافر) صنعاء سے حضر موت تک (اکیلا) سفر کرے گا لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ (صحیح بخاری: 3612)

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ(187) ﴾

''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی، سو کتنا برا ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں!''(187)

سوال 1: ﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے'' اہل کتاب سے کیا عہد لیا گیا تھا؟

جواب: ''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے'' ﴿1﴾ میثاق اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت موکد اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔(تفسیر سعدی:459/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا کہ اس کتاب کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے یعنی تورات اور انجیل کی تعلیمات کو نہیں چھپاؤ گے۔

سوال 2: ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ﴾ ''تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ ﴾ تم لوگوں کے سامنے وہ سارے احکامات اور خبریں بیان کرو گے جو محمد ﷺ کی نبوت کے بارے میں ہیں حتیٰ کہ لوگ انہیں صحیح طور پر پہچان لیں۔(تفسیر منیر:530/2) ﴿2﴾ ﴿ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ﴾ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔(ابن ابی حاتم:836/3) ﴿3﴾ جسے کتاب دی گئی اور جسے علم سے نوازا گیا اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں وہ ان کے سامنے بیان کرے اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے۔ خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو علمی راہ نمائی کا متقاضی ہو۔ پس اس صورت حال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:459/1) ﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے علم دین کا مسئلہ پوچھا گیا اور جان بوجھ کر اس مسئلے کو اس نے نہ بتایا تو قیامت کے دن وہ شخص آگ کی لگام دیا جائے گا۔''(ابوداؤد:3658)

﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ قرآن کی دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی ' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی دلیلوں اور آیتوں کو چھپاتے ہیں (آخر آیت) رحیم تک۔ (واقعہ یہ ہے کہ) ہمارے مہاجرین بھائی تو بازار کی خرید و فروخت میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے اور ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جی بھر کر رہتا (تاکہ آپ ﷺ کی رفاقت میں شکم پری سے بھی بے فکری رہے) اور (ان مجلسوں میں) حاضر رہتا جن (مجلسوں) میں دوسرے حاضر نہ ہوتے اور وہ (باتیں) محفوظ رکھتا جو دوسرے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔'' (صحیح بخاری:118) ﴿6﴾ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اگر تم اس پر تلوار رکھ دو' اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور مجھے گمان ہو کہ میں نے نبی ﷺ سے جو ایک کلمہ سنا ہے گردن کٹنے سے پہلے بیان کرسکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر ہی دوں گا۔ (صحیح بخاری:10)

سوال3: ﴿فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ '' تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی'' اہل کتاب کا عہد کرنے کے بعد کیا رویہ تھا؟

جواب: '' تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی'' ﴿1﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پھیلانے کا کام پس پشت ڈال دیا۔ ﴿2﴾ ان تعلیمات کو تھوڑی قیمت کے عوض یعنی دنیا کے فائدوں کی خاطر بدل ڈالا۔ ﴿3﴾ ابن جریر نے کہا: انہوں نے عہد توڑ ڈالا۔ (جامع البیان:4/212) ﴿4﴾ رہے وہ لوگ جن کو کتاب عطا کی گئی، یعنی یہودی اور نصاریٰ اور ان جیسے دیگر لوگ تو انہوں نے اس عہد اور میثاق کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس میثاق کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ پس انہوں نے حق کو چھپالیا اور باطل کو ظاہر کیا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حقیر سمجھتے ہوئے محرمات کے ارتکاب کی جرأت کی۔ (تفسیر سعدی:459/1)

سوال4: ﴿وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ '' اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی'' ﴿1﴾ انہوں نے حق کو چھپانے کی بہت تھوڑی قیمت لی اور یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے تھوڑی قیمت ہے۔ ﴿2﴾ یہود و نصاریٰ نے اس کتمان حق کے بدلے میں بہت معمولی قیمت لی۔ وہ یہ تھی کہ انہیں کتمان حق کی بنا پر سرداری حاصل ہوئی اور ان کے گھٹیا پیروکاروں کی طرف سے، جو ان کی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور حق پر خواہشات کو مقدم رکھتے تھے، ان کو حقیر مال کے نذرانے پیش ہوتے تھے۔ (تفسیر سعدی:459/1)

سوال5: ﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ '' سو کتنا برا ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' کتنی بری چیز تھی جو انہوں نے خریدی'' اس سے مراد دنیا کے وہ حقیر فائدے ہیں جن کی خاطر اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کا کلام بدل ڈالا۔

﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (188) ﴾

'' آپ ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جوخوش ہوتے ہیں ان کاموں پر جوانہوں نے کیےاور چاہتے ہیں کہ ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے جوانہوں نے نہیں کیے چنانچہ آپ انہیں عذاب سے نکلنے میں ہرگز کامیاب خیال نہ کریں اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔''(188)

سوال: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چند منافقین ایسے تھے کہ جب نبی ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ مدینہ میں پیچھے رہ جاتے اور پیچھے رہ جانے پر بہت خوش ہوا کرتے تھے لیکن جب نبی ﷺ واپس آتے تو عذر بیان کرتے اور قسمیں کھا لیتے بلکہ ان کو ایسے کام پر تعریف ہونا پسند آتا جس کو انہوں نے نہ کیا ہوتا اور بعد میں چکنی چپڑی باتوں سے اپنی بات بنانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر یہ آیت اتاری۔ (بخاری: 4567) حمید بن عبدالرحمان بن عوف فرماتے ہیں مروان نے اپنے چوکی دار رافع سے فرمایا: تم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اوران سے کہو کہ اگر ہر شخص کو عذاب دیا گیا جوخوش ہوتا ہے اس پر جو اسے دیا جاتا ہے اور جو اس نے کیا نہیں اس پر وہ اپنی تعریف پسند کرتا ہے تو پھر ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے یہ آیت تو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سوال2: ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ '' آپ ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جوخوش ہوتے ہیں ان کاموں پر جوانہوں نے کیےاور چاہتے ہیں کہ ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے جوانہوں نے نہیں کیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' آپ ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جوخوش ہوتے ہیں ان کاموں پر جوانہوں نے کیےاور چاہتے ہیں کہ ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے جوانہوں نے نہیں کیے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی ﷺ نے اہل کتاب سے کوئی بات دریافت فرمائی جسے انہوں نے چھپا کر اس سے مختلف بیان کی۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس سے نکل کر گئے تو آپ پر ظاہر کیا کہ ہم نے آپ کو اسی بات کی خبر دی ہے جو انہوں نے ہم سے دریافت کی تھی اس پر وہ اپنی تعریف کے متمنی ہوئے اور جو ان سے پوچھا گیا اس کے چھپانے پر خوش ہوئے۔ (صحیح مسلم: 7034)

سوال3: اس آیت میں کن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جوریا کاری اور شہرت کے لئے کام کرتے ہیں اور کاموں کا جو اظہار کرتے ہیں

اتنا کام نہیں کرتے، جوخوبیاں ان کے اندر نہیں ہوتیں ان کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔﴿2﴾اس آیت میں ریا کاروں اور شیخی خوروں کی مذمت ہے جو علم کے بغیر مسئلے بیان کرتے ہیں۔رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے مال دار ہونے کے لیے جھوٹا دعویٰ کیا اسے کمی نصیب ہوگی۔(مختصرابن کثیر:281/1)﴿3﴾نبی ﷺ نے فرمایا:''جس نے اپنے بارے میں کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تاکہ لوگوں کے سامنے بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کا وقار گھٹا دیتا ہے۔''(ابن کثیر)﴿4﴾نبی ﷺ نے فرمایا:''جو شخص کسی ایسی خوبی کا دعویٰ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں دی، وہ جھوٹ اور فریب کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔''(مسلم:5581)

سوال4:﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾''چنانچہ آپ انہیں عذاب سے نکلنے میں ہرگز کامیاب خیال نہ کریں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''چنانچہ آپ انہیں عذاب سے نکلنے میں ہرگز کامیاب خیال نہ کریں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔﴿2﴾سیدنا ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ جواب دیا: ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا حال یہ ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں؛ دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں۔تیسرے یہ کہ نبی ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے؟ خوش ہوکر کہنے لگے: کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے! چنانچہ یہی ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی انتہائی اچھی گزری اور موت شہادت کی نصیب ہوئی؛ مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔(تفسیر ابن کثیر:502/1)﴿3﴾اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کے احکامات کی مخالفت سے بچو۔وہ ہر چیز کا مالک ہے ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (189)﴾

''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔''(189)

سوال1:﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے''﴿1﴾اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا بادشاہ ہے۔وہ ان تصورات سے بالاتر ہے جیسے یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

قادر ہے۔﴿4﴾زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔

سوال2: ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پر اپنی بادشاہت سے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر20

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ(190)﴾

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''(190)

سوال1: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک رات میری باری میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے۔ میرے ساتھ سوئے تو مجھ سے فرمانے لگے: عائشہ! میں اپنے ربّ کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں مجھے جانے دو۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی عبادت کریں۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر ہلکا سا وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہوگئی۔ پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز کے لیے بلایا اور آپ ﷺ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا: اے اللہ کے سچے رسول ﷺ! آپ ﷺ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! میں کیوں نہ روؤں۔ مجھ پر آج رات یہ آیت اتری ہے:﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ افسوس ہے اس شخص پر جو اسے پڑھے اور اس میں غور وفکر نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال2: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں'' گزشتہ آیتوں میں یہود کی بدنیتی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کا بیان ہوا حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فقیر تک کہا۔ آنے والی آیتوں میں انہیں اور دیگر انسانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو سب کا ربّ، خالق، مالک اور معبود ہے، ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر چیز اس کے

تصرف میں ہے، وہ فقیر کیونکر ہوسکتا ہے!(تیسیر الرحمٰن:230/1) ﴿2﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور کبریائی کی نشانیاں ہیں۔ ﴿3﴾ الآیات سے مراد واضح دلائل ہیں جو کہ خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔(فتح القدیر:521/7)

سوال3: کائنات پر غور وفکر کرنے سے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ کائنات پر غور وفکر کرنے سے خالق کی محبت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ خالق کے مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ خالق کا خوف اور خشیت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ﴿4﴾ انسان اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ﴿5﴾ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت کی طرف توجہ کرتا ہے۔

سوال4: ﴿لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ''عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں'' عقل والے کون ہیں؟

جواب: عقل والے لوگ وہ ہیں جو غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان جاتے ہیں۔

سوال5: آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے کیا نشانیاں ہیں؟

جواب: آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور وفکر کرنے والوں کے لئے کائنات میں خالق کائنات کی نشانیاں ہیں۔ وہ غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ سمجھ جاتے ہیں کہ کائنات کے بے خطا نظام کے پیچھے کوئی اسے چلانے والا، اس کی تدبیر اور انتظام کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے۔

سوال6: کائنات پر غور وفکر سے کون سے سبق ملتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ہر چیز اپنے آغاز کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ ﴿2﴾ یہاں ایک چھوٹا سا بیج زمین میں ڈالا جائے تو پھل لے کر آتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ کوئی انسان نیکی کی زندگی گزارے اور اسے اس کی کارگزاری کا کوئی پھل نہ ملے۔ ﴿3﴾ ایک بامعنی کائنات بے معنی انجام پر ختم نہیں ہوسکتی۔ ﴿4﴾ ہر رات کے بعد دن آتا ہے اور ہر دن کے بعد رات آتی ہے۔ ہر مشکل کے بعد آسانی آتی ہے۔ دنیا کی مشکلات کے بعد آخرت میں آسانی آئے گی۔ دنیا کی زندگی کی آسانیوں کے بعد آخرت میں مشکلات آئیں گی۔

سوال7: ان آیات کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ ان آیات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو پڑھتے تھے یعنی ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے آخر سورت تک اور اس کے بعد وضو کرتے۔(بخاری:4569)

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ

﴿ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (191) ﴾

''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیں۔'' (191)

سوال1: ﴿ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا'' انسان اس یقین تک کیسے پہنچتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ضرور ہے جو قدرت رکھنے والا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا'' انسان جب اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور اس کائنات پر غور وفکر کرتا ہے تو اس یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو قدرت رکھنے والا، مدبّر اور حکمت والا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے یہاں اولوالالباب یعنی عقل والوں کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے۔ ''اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا نور ہے، تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا قائم رکھنے والا ہے اور تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ اے اللہ! تیرے سپرد کیا، تجھ پر بھروسہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری طرف رجوع کیا، دشمنوں کا معاملہ تیرے سپرد کیا، فیصلہ تیرے سپرد کیا، پس میری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر۔ وہ بھی جو میں نے چھپ کر کی ہیں اور وہ بھی جو کھل کر کی ہیں تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے بعد میں ہے، صرف تو ہی معبود ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (صحیح بخاری:6317) ﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان دونوں نے نبی ﷺ پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو قوم بھی بیٹھ کر اللہ رب العزت کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور (اللہ عزوجل کی) رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (مسلم: 6855)

سوال2: ﴿ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں'' انسان ہر چیز پر غور

وفکر کرنا کیسے شروع کرتا ہے؟

جواب: ''اورآسمانوں اورزمین کی پیدائش میں غوروفکر کرتے ہیں'' ﴿1﴾ انسان کا ذہن اگر اپنے اردگرد ہونے والے واقعات، اپنے حالات ومعاملات میں الجھا رہے تو اس کا دل پراگندہ خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کی اور اپنی حقیقت کے بارے میں سوچنے کے قابل نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ پھر وہ اردگرد کی کائنات کی طرف توجہ کرتا ہے۔ پھر اس کی نظر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اسے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے اور اس میں عبرت پاتا ہے۔ یوں وہ غوروفکر کرنا شروع کردیتا ہے۔ ﴿2﴾ ابن ابی الدنیا نے ''کتاب التوکل والاعتبار'' میں ابوسلیمان درانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں جب اپنے گھر سے نکلتا ہوں اور میری نظر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اسے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس میں ایک عبرت پاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں غورکرنے کی دعوت دی ہے، گویا خالق کے بارے میں غورکرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی منہیات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ (تیسیر الرحمن :230/1)

سوال3: ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ ''اے ہمارے رب! تونے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا'' انسان کب پکار اٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب! تونے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی؟

جواب: ''اے ہمارے رب! تونے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا'' انسان جب زمین وآسمان کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غوروفکر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی رحمت، اس کی ربوبیت اور اس کی قدرت کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ انسان کو جب ربّ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ اے ہمارے ربّ! تونے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی۔ تو ہرعیب سے پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

سوال4: کائنات بنانے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: کائنات بنانے کا مقصد انسانوں کا امتحان ہے۔

سوال5: انسان کا امتحان کیا ہے؟

جواب: انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اختیار پانے کے بعد کہاں تک احسن عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال6: دنیا کے امتحان میں کامیاب ہونے والے کے لئے کیا انعامات ہیں؟

جواب: دنیا کے امتحان میں کامیاب ہونے والے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والے انعامات ہیں۔ ہمیشہ کی جوانی، صحت اور جنت کی لازوال نعمتیں ہیں۔

سوال7: دنیا کے امتحان میں نا کام ہونے والے کے لئے کیا انجام ہے؟

جواب: دنیا کے امتحان میں نا کام ہونے والے کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

سوال8: ﴿ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ '' آپ پاک ہیں، سوہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں'' عذاب نار سے بچنے کی دعائیں کب کی جاتی ہیں؟

جواب: '' آپ پاک ہیں، سوہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں'' عذاب نار سے بچنے کی دعائیں تب کی جاتی ہیں جب انسان کو ربّ تعالیٰ کی معرفت کی وجہ سے تخلیق کائنات کی وجہ سمجھ آجاتی ہے۔

سوال9: آسمان اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں جو سچائی ہے اس کی سمجھ اور اس دعا میں کہ '' اے اللہ! ہمیں آگ سے بچالے'' کیا تعلق ہے؟

جواب: عقل والے جب کائنات کے اندر کام کرنے والی سچائی کو پالیتے ہیں تو وہ یقین کر لیتے ہیں کہ کائنات کے اندر ایک تقدیر، ایک تدبیر اور ایک حکمت کام کر رہی ہے اور اس شعور کے ساتھ ہی وہ جہنم کا شعور حاصل کر لیتے ہیں اور فوراً ہی انتہائی عاجزی اور یکسوئی سے، خشوع وخضوع سے کانپتے دل کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور یہ دعا ان کے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے کہ '' اے اللہ! ہمیں آگ سے بچالے۔'' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو ڈرا وہ بھاگا اور جو بھاگا وہ منزل کو گیا، سنو، اللہ تعالیٰ کا مال بہت مہنگا ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کا مال جنت ہے۔'' (ترمذی:2450) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' میں نے جہنم سے بھاگنے والے کسی شخص کو سوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی جنت کے کسی خواہش مند کو سوتے دیکھا ہے۔'' (ترمذی:2601)

﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (192) ﴾

'' اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔'' (192)

سوال1: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾ '' اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا'' کی دعا سے کس چیز کا اظہار ہو رہا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ '' اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا'' اس دعا سے پتہ چل رہا ہے کہ عقل مند انسان کو آگ کے عذاب سے خوف آتا ہے۔ ﴿2﴾ اس سے بھی زیادہ خوف اس رسوائی سے ہوتا ہے جو دوزخ والوں کا مقدر بننے والی ہے۔ ﴿3﴾ ذہن اور دل کی دنیا میں زلزلہ اس شرمندگی اور رسوائی کی وجہ سے آتا ہے جو اہل جہنم کو ہوگی۔ ﴿4﴾ اس دعا سے پتہ چل رہا ہے

کہ ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا اس لیے کہ کسی ظالم کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

سوال2: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾ ''اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا'' رسوائی سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا'' یہاں اس سے مراد حشر کے میدان میں سب کے سامنے توہین ورسوائی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک ایسے جہنمی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش وراحت میں تھا۔اسے دوزخ کی آگ میں غوطا دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹے! یہ بتا تو نے کبھی اچھا دور بھی دیکھا ہے؟ تجھ پر کبھی عیش وآرام کا زمانہ آیا ہے؟ وہ جواب دے گا: آقا! تیری ذات کی قسم میں تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ پھر ایک ایسا جنتی لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ بدحال اور مصیبت زدہ تھا۔ جب اس پر جنت کی نعمتوں کا رنگ چڑھ جائے گا تو اس سے کہا جائے گا: اے فرزند آدم! کیا تو نے کبھی افلاس اور تنگی کا دور دیکھا ہے؟ کیا تو نے مصیبت اور سختی دیکھی ہے؟ وہ کہے گا پروردگار! تیری قسم! میں کبھی مصیبت اور تنگ دستی میں گرفتار نہیں ہوا، میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہی نہیں۔(مسلم:7088) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ براہ راست، بغیر کسی ترجمان کے کلام کرے گا۔ پھر آدمی اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے سوائے اپنے عملوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ بائیں طرف دیکھے گا تو اسے سوائے اپنے عملوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ اس کا استقبال کرے گی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اپنے چہرے کو آگ سے بچانے کی طاقت رکھتا ہو وہ ضرور بچائے خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے بچائے۔(ترمذی:2415)

سوال3: ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ ''اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں'' ﴿1﴾ ظالموں کے لیے فیصلے کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا، انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ﴿2﴾ ''اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں'' جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے ہیں۔(تفسیر سعدی:463/1)

سوال4: ظالم کون ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ظالم وہ ہے جو شرک کرتا ہے۔ ﴿2﴾ ظالم وہ ہے جو ربّ کا نافرمان ہے۔ ﴿3﴾ ظالم وہ ہے جو ربّ کے احکامات کا انکار کرتا ہے۔ ﴿4﴾ ظالم وہ ہے جو ربّ سے کفر کرتا ہے۔

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ

﴿ الْأَبْرَارِ (193) ﴾

''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کوسنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما! اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا۔''(193)

سوال1: ﴿ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ﴾ ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کوسنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کوسنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے'' منادی سے مراد نبی ﷺ کی ذات ہے اور لفظ منادی کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پکار پکار کر اسلام کی دعوت پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کردی۔ (تیسیر الرحمن:231/1) ﴿2﴾ قتادہ اور محمد بن کعب قرظی نے کہا منادی قرآن ہے اور اس کی دلیل مومن جنوں کا قول ہے: ﴿ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴾ (الجن:1) (جامع الاحکام:243/2)

سوال2: ﴿ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴾ ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کوسنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما! اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا'' اس دعا سے مومن کے مزاج کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس دعا سے قلب مومن کا جھکاؤ پتہ چلتا ہے جو حق کو سنتے ہیں اس کو مان لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے گناہوں کا خیال آتا ہے تو اپنے ربّ سے غلطیوں، کوتاہیوں، گزشتہ نافرمانیوں اور گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس دعا میں ایمان والوں کے خشوع وخضوع اور دعا کی قبولیت کے لئے انتہائی رغبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری برائیاں دور فرما دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کرنا۔

سوال3: ﴿ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا ﴾ ''اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما!'' ﴿1﴾ اس آیت میں ان پر اللہ تعالیٰ کے احسان، اس کی نعمت پر اظہار فخر اور اس ایمان کو اپنے گناہوں کی بخشش اور برائیوں کو مٹانے کے لیے وسیلہ بنانے کی خبر ہے کیونکہ نیکیاں

برائیوں کومٹادیتی ہیں۔وہ ہستی جس نے انہیں ایمان سے نوازا ہے وہی انہیں کامل امان سے نوازے گی۔(تفسیر سعدی: 463/1) ﴿2﴾ ذنوب سے کبیرہ گناہ مراد ہیں اور سیئات سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔(فتح القدیر:522/1)

سوال4: ﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ ''اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا'' ابرار سے مراد انبیاء کے ساتھی نیک لوگ۔(قرطبی:243/2) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! (النساء:69) ﴿3﴾ اس دعا سے پتہ چلتا ہے کہ نیکی کرنا اور برائی کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے جس کی بناء پر بندہ ''ابرار'' میں شمار ہوتا ہے اور اس توفیق کی بناء پر نیکی کرنے اور برائی چھوڑنے پر اپنی موت تک ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے۔(تفسیر سعدی:463/1)

سوال5: ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ ''اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دینا اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما! اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا'' سچے ایمان کے نتیجے میں عذاب نار سے بچنے کے لئے اہل ایمان کس کس چیز کی دعائیں کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ گناہوں کی معافی کی۔ ﴿2﴾ برائیوں کو دور کرنے کی۔ ﴿3﴾ نیکوکاروں کے ساتھ موت کی۔ ﴿4﴾ قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی۔

﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (194)﴾

''اے ہمارے رب! جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا! بلاشبہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''(194)

سوال1: ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اے ہمارے رب! جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اے ہمارے رب! جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!'' ﴿1﴾ اس دعا سے مومن کے یقین کا پتہ چلتا ہے کہ رسولوں نے آپ کے جو وعدے ہم تک پہنچائے ہیں ہمیں امید ہے آپ ان کو پورا فرمائیں گے۔ ﴿2﴾ اس دعا سے مومن کے یقین کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذہن اور دل میں یہ امید رچ بس جاتی ہے کہ ہمارا ربّ ہمیں قیامت کے دن شرمندہ ہونے سے، رسوا ہونے سے بچائے گا۔ ﴿3﴾ اس دعا سے مومن کے دل کی صفائی اور نرمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

﴿4﴾اس دعا سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دل مؤمن کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف کس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ پھر اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا آتی ہے۔

سوال2:﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ ﴾''اے ہمارے رب! جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما''ایمان والے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ایمان والے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین کائنات کے بے خطا نظام سے حاصل کرتے ہیں کہ ہر چیز اپنے مقصد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کام کر رہی ہے۔﴿2﴾ایمان والے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین اللہ تعالیٰ کی کتاب سے حاصل کرتے ہیں۔

سوال3:''اے ہمارے رب! جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے''اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانی کیا وعدے کئے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ایمان لا کر عمل صالح کرنے والوں کو بہترین بدلہ دیا جائے گا اور انہیں دنیا کی قیادت دی جائے گی:﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بہ ضرور جانشین بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشین بنایا تھا۔(النور:55) ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور پاکیزہ رہائش گاہوں کا جو ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا مندی سب سے بڑی ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:72)﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔(محمد:7)﴿2﴾ایمان والوں کو قیامت کے دن رسوا نہیں کیا جائے گا۔﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾اس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا نہ کرے گا۔(التحریم:8)

سوال4:﴿ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾''اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!'' ﴿1﴾یہاں رسوائی سے مراد محشر میں تمام اہل موقف کے سامنے رسوائی ہے۔﴿2﴾اہل ایمان دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾

سوال5:ان دعاؤں کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ دعائیہ الفاظ میں مٹھاس ہے، آواز کی نرمی ہے، لہجے کا سوز ہے، عاجزی ہے۔ ﴿2﴾ ان دعاؤں میں خشوع وخضوع ہے، توجہ الی اللہ ہے۔ ﴿3﴾ ان دعاؤں کے گہرے اثرات انسان کی سماعت پر مرتب ہوتے ہیں۔ ﴿4﴾ یہ دعائیں دل سے نکل رہی ہیں اور دل پر اور گہرے نقوش چھوڑ رہی ہیں۔

سوال6: ﴿ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴾ ''بلاشبہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے خلاف کرنے والا نہیں۔ یہ ایمان والوں کا یقین ہے۔ اسی بھروسے پر وہ ساری مشکلات برداشت کرتے ہیں۔ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کائنات کے نظام سے حاصل کرتے ہیں۔

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (195) ﴾

''چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔''(195)

سوال1: اس آیت کا شان نزول بتائیں؟

جواب: تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز نبی ﷺ سے پوچھا کہ عورت کی ہجرت کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی، حاکم اور سعید بن منصور نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا نام نہیں لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ﴾ مرد ہو یا عورت میں کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ترمذی کتاب تفسیر القرآن)

سوال2: ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ ''چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی'' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا ان کے ایمان کی سچائی، ان کے ذکر، غور وفکر، رب کی توحید بیان کرنے، اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اپنی غلطیوں اور گناہوں کے شعور کی اور شکر میں کمی اور مغفرت کی

ضرورت کی وجہ سے قبول کی ۔(تفسیر مراغی:136/2)

سوال 3: ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾ ''چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی دعا قبول کر لی اور انہیں یہ خوش خبری دی ہے کہ وہ نیک اعمال کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔ ﴿1﴾ آخرت کی کامیابی کے لیے غور و فکر، دعائیں، گناہوں کی معافی کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ ﴿2﴾ یہ عمل سب کی جانب سے قبول کیا جائے گا خواہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ ﴿3﴾ مرد اور عورت انسان ہونے کی حیثیت میں برابر ہیں۔

سوال 4: ﴿ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ﴾ ''بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت'' یہاں مرد اور عورت کے اجر کی الگ الگ وضاحت کیوں کی گئی ہے؟

جواب: ''بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت'' مرد اور عورت کے اجر کی وضاحت اس لئے کی گئی ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان کچھ معاملات میں فطری خصوصیات کی وجہ سے فرق رکھا ہے۔ یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال 5: انسان عمل پر کیسے آمادہ ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کائنات پر غور و فکر کر کے، اپنی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس کر کے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کے، مدد مانگ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف سے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس راستے پر لایا ہے تو وہی چلائے گا۔

سوال 6: ﴿ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو'' یعنی مرد ہو یا عورت پیدائش کے اعتبار سے، اعمال کے اجر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

سوال 7: اسلام جان و مال کی کون سی ذمہ داریاں انسان پر عائد کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ہجرت۔ ﴿2﴾ اسلام کی خاطر ساری اذیتوں کو برداشت کرنا۔ ﴿3﴾ اسلام کی سربلندی کے لیے (جہاد) جنگ کرنا۔ ﴿4﴾ ضرورت پڑنے پر اسلام کی خاطر جان دے دینا۔

سوال 8: ﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی'' اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی برائیاں ان سے دور کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ ''تو جن لوگوں نے ہجرت کی'' اس سے مراد مکہ سے مدینہ آنے والے مہاجر ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿فِيْ سَبِيْلِيْ﴾ میرے دین، میری اطاعت اور میری عبادت کی راہ میں۔ (تفسیر منیر:538/2) ﴿3﴾ ﴿وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ ''اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے'' سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اجر دے گا۔ ہم میں سے بعض تو اپنی محنت کا پھل کھائے بغیر دنیا سے چل بسے۔ (فتوحات اور غنائم کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا) ان میں سے ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں وہ غزوہ احد 3ھ میں شہید ہوئے۔ ان کو کفن پہنانے کے لیے ہمیں کوئی کپڑا نہ ملا سوائے ایک دھاری دار چادر کے۔ اس چادر سے جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور جب اسے ان کے پاؤں پر ڈالتے تو ان کا سر کھلا رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان کے سر کو ڈھانپنے کا حکم دیا اور پاؤں پر خوشبودار گھاس ڈالنے کا حکم دیا اور ہم میں سے بعض لوگوں کے پھل (دنیا میں) پک گئے اور وہ اسے کاٹنے لگے۔ (بخاری کتاب الجنائز) ﴿4﴾ ﴿وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾ ''اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے'' سبیل سے مراد دین حق۔ ﴿5﴾ اس سے مراد ہے کہ جو اذیت انہیں مشرکوں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب ملی اور انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے شریعت بھیجی۔ (فتح القدیر:525/1) ﴿6﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ڈرایا اور ستایا گیا ہوں۔ میری طرح نہ کسی کو ڈرایا گیا ہے اور نہ ستایا گیا ہے۔ مجھ پر مسلسل تیس دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ اس عرصہ میں میرے اور بلال کے لیے ایسی خوراک نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس تھوڑی سی چیز کے جو بلال نے اپنے بغل میں چھپا رکھی تھی۔ (ترمذی) ﴿7﴾ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا: خباب میرے قریب بیٹھو۔ اس جگہ پر بیٹھنے کے لیے تم سے زیادہ حق دار کوئی نہیں ہے سوائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے۔ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ کے وہ نشان دکھائے جو مشرکین مکہ کے تشدد اور تعذیب کا نتیجہ تھے۔ (ابن ماجہ: فضائل خباب) ﴿8﴾ ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی انگلی خون آلود ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ہے کیا؟ صرف انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اور یہ زخم تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوا ہے۔''

(بخاری: کتاب الجہاد)《9》قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کولوگوں سے کہتے سنا ہے کہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اور اپنی بہن (فاطمہ) کو اسلام لانے کی وجہ سے رسیوں سے باندھ رکھا تھا جب کہ وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔(بخاری) 《10》《وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا》''اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے'' سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا'' جس مسلمان آدمی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنی دیر تک قتل کیا جتنی دیر اونٹنی کا دودھ دوہنے میں لگتی ہے، اس پر جنت واجب ہوگئی ہے۔''(ترمذی)《11》《لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ》''تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا'' یعنی ان کی جو اسلام کی عائد کردہ جان و مال کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ 《12》《وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ》''اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی'' اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والوں اور ان لوگوں کو جنہوں نے اس کے راستے میں اذیتیں برداشت کیں ایسی جنتوں کی خوش خبری دی ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔الحمدللہ

سوال9:《ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ》''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن ثواب کیا ہے؟

جواب:''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے''《1》برائیاں دور کرنا۔《2》جنت میں داخل کرنا۔《3》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیکی کے معاملہ میں مومن کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا، اس کو اس نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی اور کافر جو نیکیاں اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں پورا پورا دے دیا جاتا ہے، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوگی کہ جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔(مسلم:7089)

《لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ (196)》

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔''(196)

سوال1:《لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ》''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے'' شہروں میں چلنے پھرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے'' شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔

سوال2: تجارتی سفر کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں؟

جواب: تجارتی سفر وسائل کی فراوانی کے لئے ہوتے ہیں۔

سوال3: ﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے'' ﴿1﴾ کافروں کی دولت مندی اور سیاسی قوت ایمان والوں کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ﴿2﴾ مسلمان جب مشکل معاشی حالات، محرومیوں، اذیتوں، جلا وطنی، تکالیف اور خوف ناک حالات میں ہوں تو کافروں کے حالات مسلمانوں کو کھٹک سکتے ہیں۔ ان کے دل میں کسک پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے۔

سوال4: مسلمان کو دنیا کے ساز و سامان کو کتنی اہمیت دینی چاہیے؟

جواب: دنیا کا ساز و سامان جتنا دنیا کے لیے ضروری ہے اسی قدر مسلمان کو لینا چاہیے۔ اس ساز و سامان کو اپنے لیے فتنہ نہیں بنانا چاہیے۔

﴿ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (197) ﴾

''بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے۔'' (197)

سوال1: ﴿ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ﴾ ''بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے'' متاع قلیل سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے'' ﴿1﴾ اس سے مراد دنیا کی دولت ہے جو چند روزہ زندگی کا ختم ہونے والا سامان ہے۔ ﴿2﴾ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں، پس تو انصار و مہاجرین میں صلاح کو باقی رکھ۔ (صحیح بخاری:6413) ﴿3﴾ صحیحین کی روایت ہے کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر لیٹے دیکھا، ان کے پہلو پر چٹائی کا نشان دیکھ کر رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ سیدنا عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! کسریٰ اور قیصر تو عیش کی زندگی گزاریں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کا یہ حال ہو! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔ (صحیح بخاری:5191)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دنیا میں کھو جانے سے کیسے بچایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو انجام پر نظریں مرکوز رکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایمان سے محروم ہو کر جہنم کا عذاب ہے جس میں مال دار کافر اور دنیا کے دھوکے میں مبتلا افراد داخل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومن میں بھی اسی مضمون کو واضح فرمایا ہے: ﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات میں نہیں جھگڑے کرتے مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ (المومن:4) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان والے متقیوں کو اپنی مہمان نوازی

کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے۔

سوال3: ﴿ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ ''پھران کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''پھران کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ آگ کی جوتیاں ان کم عذاب والے دوزخیوں کے پاؤں میں پہنادی جائیں گی جن سے ان کا بھیجا کھولنے لگے گا۔جس طرح دیگ میں پکتے وقت کوئی چیز کھولنے لگتی ہے۔(صحیح بخاری:971/2)

﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (198) ﴾

''لیکن جولوگ اپنے رب سے ڈر گئے،ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میز بانی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے۔''(198)

سوال1: ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ ﴾ ''لیکن جولوگ اپنے رب سے ڈر گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''لیکن وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے'' ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس جنتیں ہیں۔ربّ کا ڈر ہی انسانوں کو گناہوں سے، غلطیوں سے،غلط رویوں سے روکتا ہے۔ربّ کا ڈر ہی انسان سے ربّ کی رضا کے کام کرواتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ربّ سے ڈرے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں۔

سوال2: ﴿ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ﴾ ''ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی'' تقویٰ کی جزا کیا ہے؟

جواب: ''ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی'' ﴿1﴾ جنت۔ ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا،نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے گمان وخیال میں وہ آئی ہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو کہ ''سو کسی کو نہیں معلوم جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیے جنت میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔''(بخاری:4780)

سوال3: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میز بانی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میز بانی ہے'' ﴿1﴾ اگر یہ مقدر کر لیا جائے کہ انہیں دنیا میں ہر قسم کی

تکلیف،شدت،عناد اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو یہ جنت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں،کدورتوں سے سلامت زندگی،بے پایاں مسرت،خوشی اور تروتازگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔(تفسیر سعدی:465/1)﴿2﴾مومنوں کی آخرت کی کامیابی کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت ہے۔

سوال4:﴿نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میزبانی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میزبانی ہے''﴿نُزُلًا﴾اس کے معنی ثواب کے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ﴿نُزُلًا﴾اسم مفعول کے معنوں میں ہو یعنی اللہ کی طرف سے اتارا گیا جیسے کہتے ہیں انزلته میں نے اس کو اتارا۔(بخاری کتاب التفسیر)

سوال5:﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾''اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے''﴿1﴾ابرار وہ لوگ ہیں جن کے دل پاک اور اطاعت گزار ہوں اور ان کے اقوال وافعال بھی نیک ہوں۔(تفسیر سعدی:465/1)﴿2﴾ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر لیٹے دیکھا تو ان کے پہلو پر چٹائی کا نشان دیکھ کر رونے لگے۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قیصر وکسریٰ تو عیش کی زندگی گزاریں اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ حال ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔(بخاری ومسلم)

سوال6:﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾دنیا کے سامان اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ نیک لوگوں کے لیے ہے اگر اس کا موازنہ کرنا چاہیں تو دل سے شک نکل جاتا ہے۔یقین آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا بہت بڑی ہے۔﴿2﴾انسان کفر کے نتیجے اور تقویٰ کے انجام پر غور کرکے نیکی کے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ(199)﴾

''اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے،وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں،اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے،یہی لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے،بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''(199)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب شاہ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر آئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ان پر نماز پڑھو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایک عبد حبشی کی نماز پڑھیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن ابی حاتم:846/3)

سوال2: ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے'' اہل کتاب میں سے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے اجر کے مستحق ٹھہریں گے؟

جواب: ''اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے'' ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو پہلی الہامی کتابوں تورات اور انجیل کے ساتھ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین طرح کے آدمی ایسے ہیں جنہیں دوگنا ثواب ملتا ہے۔ اول وہ شخص جس کی کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اسے تعلیم دینے میں اچھا طریقہ اختیار کرے، اسے ادب سکھائے اور اس میں سے اچھے طریقے سے کام لے پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اسے دہرا اجر ملے گا، دوسرا وہ مومن جو اہل کتاب میں سے ہو کہ پہلے (اپنے نبی پر) ایمان لایا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا تو اسے بھی دہرا اجر ملے گا، تیسرا وہ غلام جو اپنے مالک کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتا ہے اور اپنے آقا کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے'' اس کے بعد شعبی (راوی حدیث) نے کہا میں نے تمہیں یہ حدیث بلا کسی محنت ومشقت کے دے دی ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب اس سے بھی کم حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ (بخاری:3011) ﴿3﴾ جو اللہ تعالیٰ کے آگے خشوع کرنے والے ہیں۔ ﴿4﴾ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے۔

سوال3: ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ﴾ ''اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے'' ﴿1﴾ یعنی اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بھلائی کی توفیق عطا کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کی گئی اور یہی وہ ایمان ہے جو نفع پہنچاتا ہے اور اس شخص کے ایمان کی مانند نہیں جو بعض رسولوں اور کتابوں پر ایمان

لاتا ہے اور بعض کو جھٹلاتا ہے۔(تفسیر سعدی:464,465/1)《2》اللہ تعالیٰ نے فرمایا:《 اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (52) وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ (53) اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (54) 》جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔اور جب وہ انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں، یقیناً ہمارے ربّ کی جناب سے وہ حق ہے، یقیناً ہم تو اس سے پہلے ہی فرماں بردار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہیں ان کا اجر دومرتبہ دیا جائے گا اس کے بدلے جو انہوں نے صبر کیا، اور وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں۔اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(القصص:54،52)

سوال4:《 خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ 》'' وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں''《1》اللہ تعالیٰ کے آگے خشوع کرنے والے، عاجزی کا سوال کرنے والے۔خشوع وہ کیفیت ہے جو کسی عظیم ہستی کی عظمت کے احساس سے انسان کے دل اور اس کے اعضاء پر طاری ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کیفیت انسان کے دل میں تب پیدا ہوتی ہے جب وہ کائنات میں غوروفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پالیتا ہے۔《2》امام احمد نے ہجرت حبشہ سے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں آیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب نے جب نجاشی کے سامنے سورۃ مریم کی تلاوت کی، تو وہ اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دیگر علمائے نصاریٰ اس طرح روئے کہ آنسو سے ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں۔(تیسیر الرحمٰن: 233/1)《3》بنابریں چونکہ ان کا ایمان عام اور حقیقت پر مبنی ہے اس لیے یہ نفع پہنچانے والا ہے، یہ ایمان ان کے دلوں میں خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے خشوع وخضوع پیدا کرتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل کرنے اور اس کی مقرر کردہ حدود پر رک جانے کا موجب ہے اور یہی لوگ درحقیقت اہل کتاب اور اہل علم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:《 اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا 》درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔(فاطر:28)(تفسیر سعدی:466/1)

سوال5:《 لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا 》'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے'' آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والوں سے مراد یہودی علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپا کر لوگوں کی مرضی کے فیصلے کرتے اور نذرانے وصول کرتے تھے۔《2》'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے'' یہ صفات یہود میں بہت کم تھیں۔علمائے یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ان صفات کے حامل چند لوگ تھے اور ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی البتہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایمان قبول کیا۔(دعوۃ القرآن)

سوال6: آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والے کس چیز سے محروم ہو جاتے ہیں؟

جواب: آیات کوتھوڑی قیمت پر بیچنے والے ایمان اور تقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

سوال7:﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾''یہی لوگ ہیں جن کا اجران کے رب کے پاس ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''یہی لوگ ہیں جن کا اجران کے رب کے پاس ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے'' اہل کتاب میں سے جو ایمان رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (200) ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''(200)

سوال1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو'' ایمان والوں کو سورت کے اختتام پر کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ صبر کرو۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے دین اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے مورچہ بند رہو۔﴿3﴾ حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو، جہاد کے لیے تیار رہو۔﴿4﴾ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

سوال2:﴿ اصْبِرُوْا ﴾''صبر کرو'' کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں صبر سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ سعید بن جبیر نے کہا: صبر سے مراد فرائض پر صبر ہے۔﴿2﴾ قتادہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق پر صبر ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرنا۔﴿4﴾ شہوتوں کو ترک کرنے میں اپنے نفس کو ثابت قدم رکھنا۔

سوال3: دعوت اسلامی کے میدان میں صبر کے مواقع کون کون سے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ خواہشات پر صبر۔﴿2﴾ لالچ اور حرص پر صبر۔﴿3﴾ رغبتوں پر صبر۔﴿4﴾ آرزوؤں پر صبر۔﴿5﴾ اپنی کمزوری اور نقص پر صبر۔﴿6﴾ افسردگی پر صبر۔﴿7﴾ نفس کی جلد بازی پر صبر۔﴿8﴾ لوگوں کی خواہشات پر صبر۔﴿9﴾ لوگوں کی کمزوری پر صبر۔﴿10﴾ لوگوں کی جہالت اور بری سوچ پر صبر۔﴿11﴾ لوگوں کے مزاج بدلنے پر صبر۔﴿12﴾ لوگوں کے غرور پر صبر۔﴿13﴾ لوگوں کی چال بازیوں پر صبر۔﴿14﴾ لوگوں کی جلد بازیوں پر صبر۔﴿15﴾ باطل کے غرور پر صبر۔﴿16﴾ کفر کی گندگی پر صبر۔﴿17﴾ برائی کے پھلنے پھولنے پر صبر۔﴿18﴾ مددگاروں کی کمی پر صبر۔﴿19﴾ کرب اور بے چینی میں شیطان کے ڈالے گئے وسوسوں پر صبر۔﴿20﴾ غم اور

تھکاوٹ پر صبر۔ ﴿21﴾ دل کی تنگی اور گھٹن پر صبر۔

سوال 4: ﴿صَابِرُوْا﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا۔ یہی مصابرۃ ہے۔

سوال 5: ﴿صَابِرُوْا﴾ کا الگ ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿صَابِرُوْا﴾ کا الگ ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ ﴿2﴾ مصابرت جنگ کی مصیبتوں پر صبر۔ (فتح القدیر:1/526)

سوال 6: ﴿وَرَابِطُوْا﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں مورچوں پر ڈٹے رہنا۔ (جامع البیان:4/229) اس سے مراد جنگ کے میدان میں ہر وقت چوکنا رہنا اور جہاد کے لئے تیار رہنا ہے۔ یہی مرابطہ ہے۔ ﴿2﴾ ناگواری کے حالات میں مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (مسلم) ﴿3﴾ غزوۂ احد میں بعض مسلمانوں نے اس مورچے کو چھوڑ دیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کو متعین کیا تھا، چونکہ ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آخر میں پھر اسی بات پر زور دیا کہ مورچوں پر جمے رہا کرو، آئندہ کبھی مورچوں کو نہ چھوڑنا۔ وہیں رہ کر دشمن کے حملے کو روکو۔ میدان جنگ اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ (دعوۃ القرآن) ﴿4﴾ ﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو۔ تم اس سے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرتے ہو۔ (الانفال:60) ﴿5﴾ مرابطہ سے مراد: اس مقام پر جمے رہنا جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو۔ نیز یہ کہ اہل ایمان دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور ان کو اپنا مقصد حاصل نہ کرنے دیں شاید فلاح پالیں یعنی دینی اور دنیاوی اور اخروی محبوب شے کے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو جائیں اور اسی طرح سے ناپسندیدہ چیزوں سے نجات پالیں۔ (تفسیر سعدی:1/466) ﴿6﴾ سیدنا سہل بن سعد ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن (سرحدوں پر) پہرا دینا دنیا اور جو کچھ دنیا میں موجود ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری:2892) ﴿7﴾ سہل نے بیان کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں صبح کو یا شام کو تھوڑا سا چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری:6415) ﴿8﴾ سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے عمل کو ختم کر دیا جاتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرا دیتے ہوئے فوت ہوا، اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ (ابوداؤد:2500) ﴿9﴾ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات پہرا دینا ایک مہینے کے صیام و قیام سے بہتر ہے اور اگر اس حالت میں

مجاہدفوت ہوگیا تواس کا وہ عمل جاری رہے گا جوعمل وہ کیا کرتا تھااوراس کے مطابق اس کا رزق بھی جاری رہے گا، نیز وہ آزمائش سے بھی محفوظ رہے گا۔(صحیح مسلم:4938)《10》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: دو آنکھوں کوکبھی دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جواللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات کاٹی۔(ترمذی:1639)《11》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''درہم ودینار اور چادر کا بندہ ہلاک ہوجائے کہ اگر اسے دیا جائے تو وہ خوش ہوجائے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہو۔(ایسا شخص) ہلاک ہوجائے اور سرنگوں ہوجائے اور اگر اس کو کانٹا چبھ جائے تو کوئی نہ نکالے۔خوش خبری ہواس بندے کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کی لگام ہر وقت اپنے ہاتھ میں لیے رہے، اس کا سر غبار آلود ہو، اس کے دونوں پیر غبار آلود ہوں۔اگر اس سے کہا جائے کہ پہرہ دے تو وہ پہرہ دے اور اگر لشکر کے پیچھے حفاظت کے لیے مقرر ہو تو لشکر کے پیچھے رہے۔(غرض جو حکم ملے اس کی تعمیل کرے اور غریبی کی وجہ سے دنیا کے لوگوں میں اس کی قدر ومنزلت بالکل نہ ہو حتیٰ کہ) اگر وہ (کسی کے پاس جانے کی) اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ ملے اور اگر وہ (کسی کی) سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے''(بخاری:2887)《12》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں تمہیں ایسے اعمال نہ بتاؤں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹادے اور درجات بلند فرمادے؟''صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:''ضرور، کیوں نہیں، یا رسول اللہ ﷺ!'' آپ ﷺ نے فرمایا:''گرانی اور ناگواری کے باوجود کامل طریقے سے وضو کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ قدم چلنا (یعنی دور سے آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔پس یہ (اجر وثواب میں) سرحد پر مورچہ زن رہنے (کی طرح ہی) ہے۔''(مسلم:587)

سوال7: آج کی صورت حال میں جب کہ جنگ محاذ سے زیادہ ذہنی اور قلبی سرزمین پر لڑی جارہی ہے،《**وَرَابِطُوْا**》کا اطلاق کہاں ہوگا؟

جواب:《1》نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے لیے ذرائع ابلاغ کی جنگ دشمن سے بھی زیادہ قوت سے لڑی جائے۔《2》اسلام کو اس کی اصل صورت کے ساتھ نئی نسلوں تک پہنچایا جائے۔《3》اسلام پر لگائے گئے الزامات کی حقیقت سے پوری دنیا کو آگاہ کیا جائے۔《4》جہاد جاری رکھا جائے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ نے فلاح کے لئے کون کون سے اعمال انجام دینے کا حکم دیا ہے؟

جواب:《1》صبر۔《2》مصابرت۔《3》رباط۔《4》تقویٰ۔

سوال9:《**وَاتَّقُوا اللّٰهَ**》''اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ''《1》اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرو۔(فتح القدیر:527/1)《2》سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو۔''(ترمذی:1987)

سوال10: ﴿ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ‘‘ تقویٰ انسان کو کہاں کہاں کامیاب کرواتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ نفس پر کامیاب کرواتا ہے۔ ﴿2﴾ تقویٰ برے اخلاق پر کامیاب کرواتا ہے۔ ﴿3﴾ تقویٰ دینی ضروریات کے لیے مالی حرص پر کامیابی عطا کرتا ہے۔ ﴿4﴾ تقویٰ زندگی پر حکومت کرتا ہے۔ ﴿5﴾ تقویٰ دل کے دروازے پر بیٹھتا ہے۔ غافل نہیں ہونے دیتا۔ کمزور نہیں پڑنے دیتا۔ حد سے گزرنے نہیں دیتا۔ راہ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ ﴿6﴾ تقویٰ شدید دباؤ میں بھی انسان کو حق پر قائم رکھتا ہے۔

سوال11: ﴿ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴾ ’’تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ‘‘ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف صبر، صبر پر دوام اور دشمن سے ہوشیار رہنا ہی فلاح کا راستہ ہے۔ جس کسی نے فلاح پائی تو اسی راستہ پر چل کر فلاح پائی اور جو کوئی اس فلاح سے محروم ہوا تو ان تمام امور کو یا ان میں سے بعض کو ترک کر کے محروم ہوا۔ واللہ الموفق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ (تفسیر سعدی:466/1)